منازل العرفان

في تفسير القرآن الكريم

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب مدظلہم العالی

جلد اول

مقدمہ وسورۃ الفاتحہ

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ

نیلا گنبد سرکی روڈ کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منازلُ العرفان

فی

تفسیر القرآن الکریم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

سیّد عبد الستّار شاہ صاحب مدظلہم العالی

جامعہ اسلامیہ دارُالعلوم رحیمیہ

نیلا گنبد سرکی روڈ • کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منازل العرفان

فی

تفسیر القرآن الکریم

جلد اوّل

مقدمہ و سورۃ الفاتحہ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

سیّد عبد السّتار شاہ صاحب مدظلہم العالی

جامعہ اسلامیہ دار العلوم رحیمیہ

نیلا گنبد سرکی روڈ • کوئٹہ

نام کتاب: منازل العرفان في تفسير القرآن الكريم

تالیف: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب مدظلہ

قیمت:

سن اشاعت: ۱۴۴۴ھ 2023ء

تعداد: 1100

ملنے کے پتے

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ، نیلا گنبد، سرکی روڈ، کوئٹہ

جامعہ فرقانیہ، سریاب روڈ، کوئٹہ

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

اور ملک کے تمام بڑے کتب خانے

ضروری گزارش

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ سہواً جو غلطیاں ہوگئی ہوں ان کی تصحیح کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم انسان، انسان ہے، اگر اس اہتمام کے باوجود کسی قسم کی بھی غلطی پر آپ مطلع ہو جائیں، تو برائے مہربانی ہمیں مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ اور آپ ''تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' کے مصداق بن جائیں۔ شکریہ

وٹس ایپ نمبر: 0302299778-03128588383

ناشر

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ، نیلا گنبد، سرکی روڈ، کوئٹہ

تقریظ

شیخ المشائخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

وبعد! حضرت مولانا عبدالستار شاہ صاحب دامت برکاتہم وزادت فضائلہم (شیخ الحدیث و مدیر جامعہ رحیمیہ، سرکی روڈ، نیلا گنبد، کوئٹہ) کوئٹہ کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حدیث وتفسیر کے علوم سے شغف وانہماک کی قیمتی دولت سے ان کو سرفراز فرمایا ہے۔ شاہ صاحب کی تفسیر "منازل العرفان في تفسير القرآن" کا کچھ ابتدائی حصہ سورۃ البقرۃ سے، اور آخری حصہ سورۃ القریش سے سورۃ الناس تک بطورِ نمونہ ہمارے پاس آیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ یہ تفسیر انتہائی مفید ہے۔ تفسیر کا انداز سہل، اسلوب دلنشیں، اردو آسان اور رواں ہے۔ اور بے شمار تفسیری فوائد اور علمی نکات پر مشتمل ہے۔ اکثر مقامات پر انداز متوسط ہے، لیکن کئی مقامات پر موقع اور مضمون کی مناسبت سے کلام تفصیلی ہوا ہے، جیسے سورۃ البقرۃ کے شروع میں حروفِ مقطعات کی بحث میں، سورۂ کوثر کی تفسیر وتحقیق میں، اور سورۃ قریش میں (فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ) کے تحت کعبۃ اللہ کی تاریخ، فضائل، پیمائش، طول وعرض اور مختلف ادوار میں اس کی تعمیر سے متعلق تفصیلی اور نفیس بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ مؤلف علام کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائیں، اور تفسیر کو شرفِ قبولیت سے نوازیں۔ آمین

سلیم اللہ خان

بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ۔ ۱۰/ فروری ۲۰۱۴ء

مؤلف کا مختصر تعارف

نام ونسب:

آپ کا مکمل نام: سید عبدالستار شاہ ہے۔ آپ کے والد کا نام مہراب شاہ ہے۔ نسب کے لحاظ سے آپ کا تعلق ضلع چاغی میں معروف قبیلۂ سادات، روحانی سے ہے۔ آپ میر سید کلال حسنی ہراتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں، اور آپ کے سلسلۂ نسب چند پشتوں کے بعد آخر میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے جاملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

امیر تیمور لنگ کے زمانے میں آپ کے آباواجداد زہرو، ضلع چاغی بلوچستان میں آباد ہوئے۔ مجاہد کبیر احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے آباواجداد کو بڑی جاگیریں عطا کیں اور انہیں ہر طرح کے اعزاز سے نوازا۔ ۱۹۴۲ء کو اسی شہرِ زہرو میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر، ضلع چاغی کے مختلف اساتذہ کرام سے حاصل کی۔ ارشاد الصرف، نحومیر، ہدایۃ النحو وغیرہ ضلع مستونگ کے قصبہ گورگینہ میں مولوی اختر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ کافیہ، کنزالدقائق، اصول الشاشی وغیرہ پڑھنے کے لیے آپ نواب شاہ تشریف لے گئے، وہاں مدرسہ تفہیم القرآن میں ایک سال رہے۔ اس کے بعد دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں علماء دیوبند کے باقیات الصالحات میں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مقامات، رئیس المحدثین حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کافیہ اور تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کنزالدقائق پڑھی۔ شرح جامی، شرح الوقایہ، نورالانوار، قطبی وغیرہ دارالعلوم ٹھیڑی میں ایک سال کے عرصے پڑھیں۔

اس کے بعد آپ کی طبعیت کافی ناساز ہوئی، اس لیے آپ واپس گھر تشریف لے آئے، علاجِ معالجہ کے

بعد جب طبیعت ٹھیک ہوئی، تو ساتھیوں کے مشورہ سے آپ کوئٹہ کے مشہور مدرسہ رشیدیہ کے بانی حضرت مولانا یعقوب شرودی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آخری درجات کی کتب مطلع العلوم پڑھنے گئے۔ ۱۹۶۱ء میں جامعہ ہذا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد بنوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سندِ فراغت حاصل کی۔

علاوہ ازیں آپ نے جن نمایاں شخصیات سے علمی استفادہ کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

① ......محدّث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

② ......مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

③ ......الشیخ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

④ ......حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

⑤ ......حضرت مولانا شریف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ رحیم یار خان۔

آپ کو محدّث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ یہ دونوں حضرات جب بھی کوئٹہ تشریف لے آتے تو موصوف ان کی خدمت میں پیش پیش رہتے۔

تدریس:

۱۹۶۲ء میں آپ نے تجوید القرآن طوغی روڈ کوئٹہ میں تدریس کے لیے درخواست جمع کی، لیکن مدرسہ میں شعبۂ کتب نہ ہونے کی وجہ سے آپ سے معذرت کی گئی۔ تاہم ۱۹۶۵ء میں تجوید القرآن میں شعبۂ کتب کا انتظام کیا گیا، اسی سال موصوف کی تقرری ہوئی اور تنخواہ سو روپیہ مقرر ہوئی۔ وہاں مدّتِ تدریس بارہ برس رہی۔

۱۹۷۷ء میں آپ نے تجوید القرآن سے استعفاد ے کر جامعہ رحیمیہ نیلا گنبد سرکی روڈ کوئٹہ میں درس کا آغاز کیا، تا حال آپ جامعہ میں تدریس کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ الحمد للہ! تقریباً چالیس سال سے موصوف بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔

بیعت، اجازت وخلافت:

آپ کو سلاسلِ اربعہ سے خلافت واجازت کا شرف حاصل ہے۔موصوف نے مسجد حرام میں ہندوستان کے بزرگ حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ) سے بیعت کی، اور حضرت صدیقی صاحب جب عمرہ کی سعادت حاصل کرنے تشریف لے جاتے تو موصوف بھی ملاقات کے لیے حاضری دیتے۔وہاں ان سے استفادہ چلتا رہا، یہاں تک کہ چند برس گزرنے کے بعد مسجد نبوی میں حضرت صدیقی صاحب نے باقاعدہ چاروں سلسلوں میں موصوف کو خلافت واجازت دیدی۔

دینی خدمات:

آپ کو پچاس برس سے زائد تدریس کے علاوہ شہر کوئٹہ میں تین مدرسوں کے اہتمام کی خدمت سرانجام دینے کی سعادت بھی حاصل ہے، جن میں دو بنین کے مدرسے (۱: جامعہ دارالعلوم رحیمیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔ ۲: جامعہ فرقانیہ قاسمیہ سریاب روڈ کوئٹہ) اور ایک بنات (جامعہ امہات المؤمنین وبنات النبی الامین) شامل ہیں۔

۱۹۶۰ء میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر جمعیت علماء اسلام صوبہ بلوچستان کی ابتدائی جنرل سیکرٹری کے عہدے پر آپ کی تقرری ہوئی۔ بفضلِ الٰہی دس برس آپ نے سیاسی خدمات سرانجام دیں۔

علاوہ ازیں موصوف نے اپنی حیاتِ مستعار اسلام اور اہل اسلام کے لیے وقف کردی ہے، تشنگانِ علومِ شرعیہ کی سیرابی اور اسلام ومسلمانوں کی خدمت کے لیے آپ نے اپنا عیش وآرام قربان کردیا ہے، اور اسی کو اپنا مطمحِ نظر اور ہدفِ زندگی قرار دیا ہے۔اسی کے ساتھ آپ نے اپنے تفسیری خداداد ذوق کے ذریعے اسلام کی جو خدمت انجام دی ہے وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔

آپ کی پوری زندگی تعلیم وتعلم، اتباعِ سنت اور شرک وبدعات کی تردید سے عبارت ہے۔آپ کا مسلکی تصلّب اور محبتِ دینی، اپنوں اور بیگانوں میں مسلّم ہے۔آپ ملمع سازی، تصنّع، تکلّف، تشدّد، تجدّد، شذوذ اور تفرّد سے کوسوں دور ہیں۔عزم وحوصلہ کے پہاڑ، افکار ونظریات میں غلو وانتہا پسندی سے مجتنب، میانہ روی اور اعتدال کے قائل ہیں۔تصلّب فی الدین، اور امت مسلمہ کے سوادِ اعظم کے ساتھ لے چلنے میں خیر وبرکت سمجھتے ہیں۔عقائد ومسائل میں قرآن وسنت پر استقامت کا عملی نمونہ ہیں۔بدعقیدگی، بدعات، خرافات وواہیات کا تعاقب وبیخ کنی آپ

کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے۔

این سعادت بزور باز ونیست ☆ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

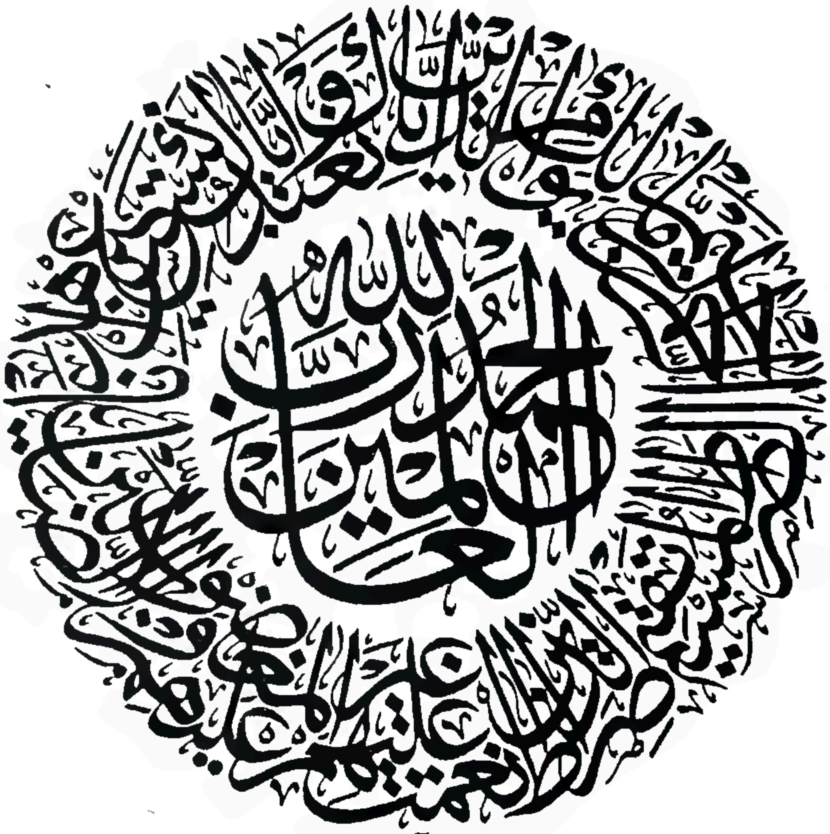
اللہ ربّ العزّت سے التجاء ہے کہ حضرت شاہ صاحب حفظہ اللہ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم دائم رکھے اوران کے ضعف کوقوت، بیماری کوصحت وتندرستی سے بدل دے۔اوراس عظیم خدمت کواپنی بارگاہ میں قبول ومنظورفرمائے،اور پوری امت کے لیے نافع بنائے،اورحضرت کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین یاربّ العالمین

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وعلی اٰلہ وصحبہ أجمعین۔

یکےازخدمائے

حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم

۱۳رمضان المبارک/۱۴۳۸ھ



سورة الفاتحة

مقدّمہ

اور

سورۂ فاتحہ (مکمل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمة

وحی الٰہی کی حقیقت اور اس کی ضرورت:

عالم، یعنی ماسوا اللہ، صرف دو چیزوں کا نام ہے: (۱) انسان۔ (۲) خادمِ انسان۔ اور ان دونوں کا نام عالم ہے۔ عالم چونکہ تخلیق الٰہی اور فعل خداوندی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی تخلیق میں لازماً کوئی حکمت ہوگی، جب کہ حقیر انسان کوئی فعل بلا حکمت و منفعت نہیں کرتا، تو خالق حکیم جل شانہ کیونکر بے فائدہ اور بے مصلحت کوئی کام کرے گا؟ مشہور مقولہ ہے: "فعل الحکیم لایخلو عن الحکمة"۔ اب مخلوقات الٰہیہ میں عقلاً وجود حکمت ضروری ٹھہرا، خواہ انسان ہو یا خادمِ انسان۔ خادمِ انسان (کائنات) کی حکمت کی دریافت بالکل ظاہر ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک کُل کائنات انسان کی خادم ہے، جن سے انسان کی پرورش ہوتی ہے، خواہ انسان اس کو جانے یا نہ جانے۔ زمین، آسمان، معدنیات، نباتات، حیوانات، آگ، ہوا، سمندر، سب کے ساتھ انسان کی منفعت وابستہ ہے۔ سورج کی گرمی و روشنی، ستاروں کی چمک، بادل، بارش، موسم وغیرہ سب انسان کی فائدہ رسانی میں مصروف عمل ہیں، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ [الجاثیة: ۱۲] "اور مسخر فرمایا تمہارے واسطے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے"۔

خالق کائنات نے زمین و آسمان کو تمہاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا دیا ہے، اور ایسی زبردست تسخیری اور جبری ڈیوٹی میں ان سب کو جکڑ دیا ہے کہ کسی نگران کی ضرورت نہیں، اور نہ ادائے خدمتِ انسان میں سستی اور غفلت کا اندیشہ ہے، لہٰذا ماسوائے انسان جو مخلوقات ہیں ان کی حکمتِ تخلیق واضح ہے کہ انسان کی خدمت گزاری، اور اس کی تربیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان اشیاء میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، جس سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی زندگی کو قائم رکھنا ان تمام چیزوں کی تخلیق کا مقصد ہے۔ لیکن یہ چھوٹا سا انسان جس کی خدمت گزاری کے

لئے قدرت نے اس قدر کائنات کا عظیم الشان کارخانہ پھیلا رکھا ہے، اس کی تخلیق کس مقصد کے لئے ہوئی ہے؟

کارخانۂ کائنات کا مقصد تو خود انسان ہے، لیکن خود انسان کی تخلیق کس مقصد کے لئے ہوئی؟ وہ مقصد ظاہر ہے کہ کارخانۂ عالم سے متعلق نہیں، کیونکہ عرش سے فرش تک کی کائنات کو انسان کی تخلیق اور وجود سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ انسان کو ان سے فائدہ ہے، جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ کارخانہ نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، بلکہ معدوم ہو جائے گا، لیکن اگر انسان نہ ہو اور باقی کارخانہ موجود ہو تو وہ قائم رہ سکتا ہے، اور اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

جب انسان سب سے اشرف ہے تو اس کا مقصد بھی اشرف ہوگا، جیسے گھوڑا اشرف ہے گدھے سے، تو اس کا مقصد بھی گدھے کے مقصد سے اشرف ہوگا۔ وہ مقصدِ تخلیقِ انسانی اس کے بغیر کچھ نہیں کہ سارا جہان انسان کے لئے ہے، اور انسان خالقِ جہاں، یعنی خدا کے لئے ہے، کہ وہ نائب اور خلیفۂ خدا ہونے کی حیثیت سے وہ کام کرے جو اس کے خالق و مالک آقا کی منشاء ہے، اسی منشاءِ الٰہی پر خود بھی عامل ہو، اور دوسروں کو بھی عامل بنائے، اسی کا نام ہے عبدیت اور بندگی ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات:۵۶] (اور میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں)۔ جن و انس کی تخلیق خالقِ کائنات کی بندگی کے لئے ہے، اس بندگی اور منشاءِ الٰہی کی تکمیل میں خدا تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں، بلکہ خود انسان کا فائدہ ہے، کہ اس طرح وہ اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کر کے حیاتِ ابدی کی مسرّتوں سے بہرہ ور ہو جائے۔ اب مقصدِ تخلیق اور منشاءِ الٰہی معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود ربّ العزّت اپنی منشاء کی وضاحت کرے، اور وہ وضاحت اللہ ربّ العزّت کے کلام اور وحیِ الٰہی و اِرسالِ رُسل کے بغیر ممکن نہیں ہے، کیونکہ مقصدِ تخلیق کی تکمیل اور اس پر راہنمائی کسی دوسرے سبب یا اسباب سے بالکل ناممکن ہے، اور اس پر تجربہ شاہد و گواہ بھی ہے، مثلاً:

یہ ایک مسلم امر اور نفس الامری حقیقت ہے کہ انسان کیلئے پہلا ذریعۂ علم حواس خمسہ ہے، یعنی ظاہری حواس، جن سے بہت ساری چیزوں کا جاننا اور معلوم کرنا وابستہ ہے، وہ یہ ہیں: باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامّہ، قوّت ذائقہ۔ یہی حواس خمسہ ظاہرہ ہمارے علم کا سب سے بڑا اور قیمتی سرمایہ ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کی خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جو علم ان میں سے کسی ایک سے متعلق ہے وہ دوسرے سے حاصل نہیں ہو سکتا، اور ان کا ہدف مخصوص ہے، وہ اس سے آگے کار آمد نہیں ہیں، پس یہ اپنی وسعت کے باوجود محدود ہیں، یہ ہمیں صرف ان اشیاء سے متعلق معلومات فراہم کر سکتے ہیں جو ان کے دائرے میں ہیں، اور بے شمار ایسی مغیبات، غیر مرئی اور ہزاروں بلکہ لاکھوں

کیفیات وحقائق موجود ہیں جہاں تک ان کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ یہ حواس ایک مخصوص حد تک کارآمد ہیں، غیر محسوس اور غیر مرئی چیزوں تک ان کی رینج ورسائی ممکن نہیں ہے۔

دوسرا ذریعہ عقل ہے، لیکن عقل بھی زندگی کے بنیادی مسائل کو حل کرنے سے قاصر ہے، چنانچہ جن حقائق تک عقل کی رسائی ہوگی وہ بذریعۂ حواس ہوگی، پس حواس کی طرح وہ بھی بے بس ہے۔ عقل سعادت وشقاوت کے تعین میں سراسر بے بس وعاجز ہے، پھر عقل پر وہم وخیال، ظنون وشبہات کا ایک بڑا بھاری پتھر رکھا ہوا ہے، وہ کسی فائدہ ونقصان کا تعین نہیں کرسکتی۔ اور اس کے علاوہ عقول اتنی مختلف اور بکثرت اختلافات کی شکار ہیں کہ جتنے منہ اتنی باتیں، جتنے عقلاء اتنے اختلافات۔ نیز عقل پر جذبات کی سواری ہر وقت سوار رہتی ہے، وہ صحیح مقصد کے حصول سے عاجز ہے۔ دنیا کے عقلاء میں جتنے اختلافات آج تک رہے ہیں جن کے حل کرنے سے عقل عاجز وبے بس ہے، اور آئے دن اختلافات زیادہ ہورہے ہیں، کم نہیں ہوتے، ایک ایک ادنیٰ چیز کے بارے میں عقل والے اتنے اختلافات کے شکار رہے ہیں کہ ان پر غیر ذوی العقول جانوروں کو ہنسی آتی ہے۔ آج تک مدعیانِ عقل وتہذیب اپنے معبود خالق کائنات کی پہچان اور شناخت حاصل نہیں کرپائے، جو کہ نہایت بدیہی اور ظاہر امر ہے، چہ جائیکہ وہ کسی برزخ، یا موت، یا حیات بعد الموت، یا روح حیوانی کی شناخت کرپائیں۔ آج تک عقل والے کسی بدیہی امر پر اتفاق سے محروم رہے ہیں، چہ جائیکہ وہ کسی نظری چیز کی حقیقت کو معلوم کرسکیں۔ یونان کے حکماء اور موجودہ سائنسدانوں کی تحقیقات میں بعد المشرقین آسمان وزمین کا فرق ہے، بلکہ ایک ہی شخص اپنی عقل کی بنیاد پر صبح ایک رائے قائم کرتا ہے، شام کو اس سے رجوع کرکے اُسے غلط قرار دیتا ہے، وهلّم جراً

جو چیز حقائق اشیاء کی معرفت پر پختہ ہو، اور اس میں کسی قسم کی غلطی کا امکان تک نہ ہو، اور وہ مخلوقات کے خالق ومالک کا پیغام حیات ہو، صاحب الخلق أعلم بخلقه کے بمصداق علیم وخبیر، راز دان، عالم الغیب کا تحفہ عالیہ اور نعمت غیر مترقبہ ہو، وہ ہے وحی الٰہی جل شانہ، جسے ربّ العزّت نے سعادتوں کا منبع وسرچشمۂ علم بنا کر اپنی منشاء مرضیات وغیر مرضیات کا اصلی بنیادی ذریعۂ علم وہدایت قرار دیا، اور اولوالعزم پاکیزہ انبیاء علیہم السلام پر نازل فرما کر اتمام حجت قرار دیا۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾...... [الكهف: ٢٩] ''جو چاہے ایمان لائے، اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔۔۔'' ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرة: ٢٥٦] ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، یقیناً ہدایت گمراہی سے واضح ہوچکی''۔

وحی کے لغوی واصطلاحی معنی، اوراس کی اقسام:

وحی کے لغوی معنی الکتابة، الرسالة، الإشارة، الإعلام في خفاء؛ الإشارة السریعة، یعنی پوشیدہ طور پر جلدی میں کسی کو کچھ بتانا۔

وحی کا شرعی نام اور تعریف:

کلام اللہ تعالیٰ المنزل علی نبي من الأنبیاء۔

وحی لغوی کی اقسام تین ہیں: (۱) فطری (۲) ایجادی (۳) عرفانی۔

وحی لغوی فطری:

وحی لغوی فطری عام ہے، انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی پستانوں سے دودھ چوستا ہے، بھوک لگنے پر روتا ہے، شہد کی مکھی چھتہ بناتی ہے، پرندے اپنے بچوں کیلئے گھونسلا بناتے ہیں، مکڑی (عنکبوت) اپنے لئے گھر بناتی ہے، کیڑے مکوڑے دیگر حشرات الارض اپنے لئے گھر، سوراخ تیار کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

وحی لغوی ایجادی:

یہ ہے کہ انسان خواہ مسلمان ہو یا کافر کسی چیز کو ایجاد کرنا چاہتا ہے، پہلے وہ اس کا نقشہ ذہن میں تیار کرتا ہے، پھر بار بار محنت اور تجربہ کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے وہ چیز تیار ہو کر بن جاتی ہے، دنیا میں تمام مصنوعات و ایجادات اس کی مثالیں ہیں۔

وحی لغوی عرفانی:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے طاعت، زہد اور ریاضت کرتے ہیں، اور انہیں باطنی طہارت وتقویٰ حاصل ہونے کے بعد خواب یا بیداری میں الہام سے نوازا جاتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا کہ بچے کو دریا میں ڈالدو، وغیرہ۔

وحی شرعی اوراس کی قسمیں:

یہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے، پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے ساتھ وحی لغوی عرفانی بھی حضرات ابنیاء

کرام علیہم السلام کو حاصل رہتی ہے، کیونکہ پیغمبر قبل از نبوت ولی کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ وحی شرعی کی حقیقت جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے، وہ دو قسم پر ہے:

☆ اول براہ راست خواب یا بیداری میں بدون توسط فرشتہ ہو، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج بیداری میں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر ہم کلامی کے شرف سے نوازا گیا تھا۔

☆ دوم بواسطۂ فرشتہ بیداری میں، اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تصلصلی، مثل صلصلة الجرس۔ (۲) وحی تمثلی۔ (۳) وحی روعی۔ روع قلب کا نام ہے، یعنی وحی قلبی۔

قسم اول تصلصلی:

یہ سب سے اشد اور سخت ہوتی ہے۔ فرشتہ اپنی شکل وصورت میں آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا القاء کرتا، اور خود نظر نہ آتا، اس کی آواز گھنٹی کی آواز کی مشابہ ہوتی، ہر طرف اور ہر جہت سے بغیر انقطاع صوت سنائی دیتی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل یاد ہو جاتی۔

قسم دوم تمثلی:

وہ یہ ہے کہ فرشتہ کسی خوبصورت انسان کی شکل میں تشریف لاتا، اور وحی کا القاء کرتا، آپ خاموشی کے ساتھ سنتے، اور یاد کرتے، اس کے بعد بیان کرتے۔ یہ قسم عام بھی ہے، اور بغیر مشقت کے بھی۔ اکثر جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی صحابی رضی اللہ عنہ کی شکل اختیار کرتے تھے۔

قسم سوم وحی روعی:

اکثر جبریل علیہ السلام قلب نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وحی کا القاء کرتے، جس میں قوت سامعہ اور کان سے سننے کا تعلق نہ ہوتا۔ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ [الشعراء: ۱۹۳] (مستدرک حاکم)

علامہ سہیلی نے الروض میں، علامہ قسطلانی نے المواہب میں ایک دو قسمیں زائد بیان کی ہیں۔ [الکوثر]

☆☆☆

فائدہ:

وحی شرعی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم وحی جلی:

یعنی وہ وحی جو قرآن حکیم کے ساتھ مخصوص ہے، جس کیلئے رجال کی سند نہیں ہے، اور نمازوں میں جس کی تلاوت ہوتی ہے، جو الفاظ و معانی دونوں کے التزام کے ساتھ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ بھی ہے، جس میں کسی قسم کی تبدیلی، زیادتی، کمی، حتی کہ ایک زبر و پیش کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں سات مشہور متواتر، باقی تین اور قراءتیں بھی مروج ہیں۔ یہ کل دس قراءتیں ہوئیں۔ اگر اختلاف قراءات کی وجہ سے حروف و سکنات، شد و مدات میں تفاوت و فرق محسوس ہو تو یہ جائز ہے۔

قراءات عشرہ سب کی سب متواترہ مشہورہ ہیں، ان قراءات کے اختلاف سے کوئی حکم شرعی نہیں بدلتا، اور نہ کوئی حلال حرام ہوجاتا ہے، نہ بالعکس۔ مصحف عثمانی کی کتابت میں ان اختلافات کا نمایاں لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ الف کے ساتھ نہیں، مگر الف اور زبر کے ساتھ دونوں قراءتوں کی گنجائش ہے۔ اگر اس کی کتابت الف کے ساتھ ہوتی تو قراءت دوئم کی حیثیت ختم ہوجاتی۔ اسی طرح کسی جگہ ایک قراءت میں فعل معروف ہے، دوئم میں مجہول، کہیں غائب کا صیغہ تو دوئم قراءت میں مخاطب، یا تذکیر و تانیث، یا مجرد اور مزید، اس قسم کے اختلاف سے قرآن حکیم میں رونق و خوبصورتی کا اضافہ، اور عربیت میں ایک طرح کا اعجاز پیدا ہوتا ہے۔ کہیں اوقاف میں، کہیں مدات میں۔ دو الف، تین الف، پانچ الف تک کے مدات تو ظاہر ہے کہ معانی و مطالب قرآنیہ میں تبدیلی نہیں آتی، اور نہ ہی کوئی حکم شرعی بدل جاتا ہے۔ یہ ساری انواعِ اختلاف سے حسن صورت اور لہجہ و تلفظ میں عجیب و غریب خوبصورتی اور کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ کتنا بابرکت ہے کلامِ الٰہی کہ کائنات کے تمام رنگوں پر مشتمل ہے۔ آئندہ محض تفریحِ خاطر اور اظہارِ اعجاز کی خاطر صرف سورۃُ الفاتحہ کے اختلافِ قراءات کا بیان لکھا جائے گا، تاکہ ناظرین کے لئے باعث مسرت ہو۔ بعض حضرات ایک قرأت کو دوسری قرأت پر ترجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور وجہ ترجیح میں زوردار بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں، یہ محض غلط اور حرام ہے، اس کی وجہ فن قرأت سے ناواقفی ہے، اس لئے کہ تمام قراءات متواترہ مشہور ہیں، اور سب کی حقانیت و مساوات پر صحیح احادیث گواہ ہیں۔ "أنزل القرآن علی

سبعة أحرف كلها كاف شاف فاقرأوا ماتيسر" [نسائي]

ترجیح کا عمل ہر اعتبار سے دو مساوی چیزوں میں جاری نہیں ہوتا، اگر ایک کو ترجیح دے کر راجح ثابت کیا جائے تو دوسرا مرجوح ہو کر مجروح اور ناقص شمار ہوگا، اور یہ حرام ہے کہ کسی قراءت کو مجروح و ناقص ثابت کیا جائے۔ یہی فیصلہ ہے محققین کا، جسے عرف الشذی علی جامع الترمذی/ کتاب فضائل القرآن/ جلد ثانی کے تحت عمدۃ المحدثین حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

قسم دوم وحی خفی جسے غیر متلو کے نام سے یاد کرتے ہیں:

ذخیرۂ احادیث قولی، فعلی، تقریری، تمام وحی خفی کے حصے ہیں، جنہیں سند اور رجال سند پر اعتماد کر کے حاصل کیا جاتا ہے، جن کی روایت بالمعنی بھی جائز و شائع ہے، الفاظ کی پابندی مستحسن ہے، ضروری نہیں ہے، سوائے احادیث متواترہ کے، باقی ساری خبر واحد اور ظنی کہلاتی ہیں۔ ظن کا تعلق سند کے ساتھ ہے، اسی طرح صحت وضعف کا بھی۔ واللہ اعلم

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نبوت کی عمر و مدت ۲۳ سال ہے، اس عرصہ میں دونوں قسم کی وحی متلو اور غیر متلو کا نزول برابر جاری رہا، اور حضرت جبریل امین کا نزول ۲۴ ہزار مرتبہ جاری رہا''۔ مزید تفصیل و دیگر احکامِ وحی کتب حدیث و سیرت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆

قرآن حکیم کی قراءات عشرہ کے ائمہ (البدور) اور ان کے رواۃ (النجوم) کی فہرست

نمبر شمار	أسماء البدور	أسماء النجوم
۱	امام نافع مدنی شیخ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابو موسیٰ عیسیٰ بن مینا الملقب بقالون رحمۃ اللہ علیہ (۲) ابو سعید عثمان بن سعید الملقب بورش رحمۃ اللہ علیہ
۲	امام عبد اللہ بن کثیر المکی رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ الملقب بزی رحمۃ اللہ علیہ (۲) محمد بن عبد الرحمن بن محمد المعروف قنبل رحمۃ اللہ علیہ

۳	امام ابوعمرو بن العلاء البصری رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابوعمر حفص بن عمر الدوری رحمۃ اللہ علیہ (۲) ابوشعیب صالح بن زیاد السوسی رحمۃ اللہ علیہ
۴	امام عبداللہ بن یزید ابن عامر الشامی رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابوالولید ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ (۲) عبداللہ بن احمد ذکوان رحمۃ اللہ علیہ
۵	امام ابوبکر عاصم بن ابی النجود الکوفی رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابوبکر شعبہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ (۲) ابوعمرو حفص بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ، جن کی روایت پورے عالم میں رائج ہے۔
۶	امام حمزہ بن حبیب الزیات الکوفی رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابومحمد خلف بن ہشام البزار رحمۃ اللہ علیہ (۲) ابوعیسیٰ خلد بن خالد رحمۃ اللہ علیہ
۷	امام ابوالحسن علی الکسائی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابوالحارث لیث بن خالد رحمۃ اللہ علیہ (۲) ابوعمرو حفص بن عمر الدوری رحمۃ اللہ علیہ

☆ ☆ ☆

یہاں تک قراء سبعہ، باقی قراء ثلاثہ، مجموع عشرہ کے نام سے مشہور ہیں۔

۸	امام ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمۃ اللہ علیہ	(۱) عیسیٰ بن وردان المدنی رحمۃ اللہ علیہ (۲) سلیمان بن سلیمان الجاز رحمۃ اللہ علیہ
۹	امام ابومحمد یعقوب الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ	(۱) رویس رحمۃ اللہ علیہ (۲) روح رحمۃ اللہ علیہ
۱۰	امام خلف بن ہشام البزار رحمۃ اللہ علیہ	(۱) ابویعقوب اسحاق رحمۃ اللہ علیہ (۲) ابوالحسن ادریس رحمۃ اللہ علیہ

☆ ☆ ☆

سورۂ فاتحہ میں اختلافِ قراءت کا نمونہ اور بیان

﴿الحمد للہ رب العٰلمین﴾	
﴿الرحمن الرحیم﴾	امام ابوعمرو البصری رحمۃ اللہ علیہ الرحیم کی میم کو مالک کی میم میں ادغام مع الغنہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، باقی حضرات بغیر ادغام کے پڑھتے ہیں۔
﴿مالك یوم الدین﴾ [الف کے ساتھ]	مالك پڑھنے والے چار ہیں: امام عاصم کوفی، امام کسائی کوفی، امام یعقوب حضرمی، اور امام خلف رحمہم اللہ۔ مالك کو الف کے ساتھ یہ بکثرت عام قراءت ہے۔
﴿ملك یوم الدین﴾ [بغیر الف کے]	ملك پڑھنے والے قراء امام نافع مدنیؒ، ابن کثیر مکیؒ، ابوعمرو بصریؒ، ابن عامر شامیؒ، امام حمزہ کوفیؒ، ابوجعفر مدنیؒ، ورش بطریق اصبہانیؒ بھی ان کے ساتھ ہیں (بغیر الف)
﴿ایاك نعبد وایاك نستعین﴾	
﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾	صاد کا زاء کے ساتھ اشمام، امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے راوی خلف کے نزدیک ہے۔
﴿صراط الذین انعمت﴾	خلاد کے نزدیک (۱) اشمام زاء کے ساتھ (۲) اور خالص صاد کے ساتھ بھی یہ صرف سورۂ فاتحہ میں، باقی ہر جگہ صاد کے ساتھ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے راوی قنبل اور یعقوب حضرمی کے نزدیک بجائے صاد سین کے ساتھ ہے، باقی تمام حضرات صاد ہی پڑھتے ہیں۔
﴿علیھم﴾	ابن کثیرؒ اور ابوجعفر مدنیؒ وقف وصل ہر حال میں صلہ کے ساتھ علیہِمُوا پڑھتے ہیں۔ قالونؒ کے نزدیک صلہ وعدم صلہ ھا کے پیش کے ساتھ علیہُمْ علیہِمُو، امام حمزہؒ اور یعقوبؒ بغیر صلہ صرف پیش کے ساتھ علیہُم۔
﴿ولا الضآلّین﴾	امام حمزہ اور ورش پانچ الفی مد کے ساتھ الضَّآلین۔ امام ابن عامر، امام کسائی امام خلف تین الفی مد الضَّآلین۔ امام ابوعمرو، امام ابن کثیر، امام ابوجعفر، امام یعقوب اور قالون دوالفی کے ساتھ الضَّآلین۔ اور ایک قول میں مد متصل پانچ الفی بھی ہے، اور مد منفصل میں قصر پڑھتے ہیں فقط۔ لیکن لا الٰہ الا اللہ کا مد منفصل مستثنیٰ ہے، یہاں یہ سارے حضرات پانچ الفی مد

کے قائل ہیں، تعظیماً للألوھیۃ والتوحید الإلٰھی عزّ شانہ وتبارک وتعالیٰ.

تفسیر وتأویل کی معنوی تحقیق وبیان:

تفسیر، فسر سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ لفظِ فسر کلمہ سفر کا مقلوب ہے۔ سفر کے معنی روشنی اور وضاحت کے ہیں، جیسے فقہاء کہتے ہیں إسفار الفجر صبح کی نماز روشنی میں ادا کرنا۔ صاحبِ قاموس نے اسی نام سے کتاب لکھی سفر السعادۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی عمدہ شرح لکھی ہے، جو قابل دید ہے۔ مریض کے قارورہ کو تفسیرۃ اسی بناء پر کہتے ہیں، جس سے مریض کا حال معلوم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے: ﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ [الفرقان: ۳۳] اسی روشنی اور توضیح وتشریح کے معنی میں ہے۔

تأویل:

عربی لغت میں أول سے ماخوذ ہے، جس کے معنی رجوع اور پھیرنے کے ہیں۔ اصطلاحی تأویل میں بھی الفاظ قرآن حکیم کو اس کے معانی مختلفہ محتملہ میں سے کسی ایک کی طرف لوٹانا پڑتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ۷] خواب کی تعبیر کو بھی تأویل کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے: ﴿أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ. قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعٰلِمِينَ﴾ [یوسف: ۴۴]

تفسیر وتأویل کے شرعی اور اصطلاحی معنی میں چند اقوال ہیں:

(۱) ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں ہم معنی ہیں۔

(۲) امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تفسیر عام لفظ ہے، کلامِ الٰہی کی تشریح کو بھی شامل ہے، اور کلامِ انسانی کی تشریح کو بھی، مگر تأویل صرف کتبِ الٰہیہ کی تشریح کا نام ہے۔

(۳) امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن مجید کی مراد کو قطعی طور پر متعین کرنے کا نام ہے، اور تأویل الفاظ قرآن کے زیر احتمال معانی میں سے کسی ایک کو غیر یقینی طور پر متعین کرنے کا نام ہے۔ [روح المعانی، تفسیر إتقان جلد دوم]

درحقیقت ان اقوال میں اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہاں مختلف اصطلاحات ہیں، ایک متقدمین کی اصطلاح ہے، کہ وہ تفسیر و تأویل کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور تفسیر کے موقع پر لفظ تأویل استعمال کرتے ہیں۔ تفسیر ابن جریر طبری میں یہی طرز مستعمل ہے، اسی بناء پر ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو ہم معنی بتایا ہے۔ اور متأخرین کی اصطلاح وہی ہے جو امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے، کہ تفسیر کسی قطعی دلیل سے مرادِ الٰہی کو متعین کرنے کا نام ہے، اور تأویل معانی محتملہ میں سے کسی ایک معنی کو ظن و اجتہاد سے متعین کرنے کا نام ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرق بیان کیا ہے وہ حقیقی فرق نہیں ہے، بلکہ متعلق کے اعتبار سے ایک اصطلاحی فرق ہے، کہ تأویل کا تعلق کتبِ الٰہیہ کی تشریح سے ہے، اور تفسیر عام ہے۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ قرآن کے معنی کا تعین روایت سے تفسیر ہے، اور درایۃ کے ذریعہ سے تأویل ہے۔

(۵) یا یہ کہ جو معنی عبارتِ قرآن سے معلوم ہو وہ تفسیر ہے، اور جو اشارہ الفاظ سے معلوم ہو وہ تأویل ہے۔ یہ سب متأخرین حضرات کی اصطلاحات ہیں، ورنہ متقدمین حضرات کی اصطلاح میں دونوں ہم معنی اور متحد ہیں۔ صاحب قاموس نے اس کی تصریح کی ہے، اور متأخرین کی اصطلاح آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں بیان کی ہے۔

تعریف، موضوع اور غایۃ تفسیر کا بیان:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں علم تفسیر کی تعریف یہ کی ہے: کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کے طرزِ تلفظ، مفرداتِ قرآن کے مدلولات اور معانی مرادہ، اور ان کے افرادی و ترکیبی احوال و دیگر متعلقات سے بحث ہو۔ اور بقول صاحبِ مناہل العرفان مختصر تعریف یہ ہے: کہ علمِ تفسیر قرآن سے متعلق اس تحقیق کا نام ہے جس سے مرادِ الٰہی متعین ہو سکے۔ قرآن نے قدماء کی اصطلاح کے مطابق تفسیر اور تأویل کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے، سورۂ فرقان میں ہے: ﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ [الفرقان: ۳۳] دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ [آل عمران: ۷]

موضوعِ علمِ تفسیر:

کلام اللہ المجید ہے۔ [روح المعانی]

غایۃِ علمِ تفسیر:

مرادِ الٰہی کا علم حاصل کرنا، تاکہ اعتقاداً اور عملاً اس کی پیروی ہو سکے۔ شرفِ موضوع کے لحاظ سے علمِ تفسیر

أشرف العلوم ہی ہے۔ لأن شرف العلم بشرف الموضوع۔ [علوم القرآن بزیادة]

شرائطِ تفسیر، وفہمِ مطالبِ قرآن:

قرآن حکیم اپنے مطالب ومعانی اور علوم ومعارف کے اعتبار سے وہ بحرِ بے کراں ہے جس کا کوئی ساحل نہیں۔ زمانۂ رسالت سے لے کر آج تک علماء ومحققین اُمت ہر زاویہ سے اس کے علوم ومعارف کے سمندر میں مسلسل غوطہ زنی کے ساتھ موتی، جواہرات، قیمتی خزانوں کی جمع وتدوین میں شب وروز مصروف عمل رہے ہیں، مگر اس کی حق ادائیگی نہیں ہوسکی ہے، اور علوم ومعارف بدستور باقی اور منتظر تکمیل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: **ولا تنقضي عجائبه، ولا يخلق عن كثرة الرد، ولا يشبع عنه العلماء۔** [ترمذی]

قرآن حکیم کے غرائبات وعجائبات کبھی اختتام پذیر نہیں ہوں گے، اور کثرت تلاوت وتفسیر لکھنے سے وہ پرانا ہرگز نہیں ہوتا، بار بار پڑھنے اور لکھنے سے ذوق وشوق بڑھتا جائے گا، علماء کرام کی پیاس کبھی نہیں بجھتی، اور ساری زندگی اس کی خدمت سے سیراب نہیں ہوتے، اور اس کیلئے ہمہ وقت بھوکے پیاسے اشتیاق میں رہتے ہیں۔

اس وقت ایک محتاط اندازے کے مطابق قرآن حکیم کی بڑی، چھوٹی، کامل اور غیر مکمل مختلف زبانوں میں تقریباً تین لاکھ تفاسیر موجود ہیں، مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس کے علوم ومعارف ختم ہوگئے، یا اس کی حقِ ادائیگی ہوگئی، اور علماء کرام کی پیاس بجھ گئی، یا لوگوں کی بھوک مٹ گئی، مزید تفسیر وحواشی کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ کہا جائے کہ بہت کچھ ہوچکا، مزید فائدہ نہیں ہے۔ یہ باتیں اپنی جگہ درست نہیں ہیں، بلکہ یہ خدمت قیامِ قیامت تک جاری رہے گی، اور علوم ومعارف کا غیب کے خزانوں سے چشمہ جاری رہے گا، اور آئے دن نئے نئے انداز میں قیمتی جواہرات کے خزانے کھلتے رہیں گے، اور کم ترک الأول للآخر کا دور دورہ ہوگا۔

قرآن حکیم اپنے مطالب وحقائق کے اعتبار سے اتنا عمیق اور گہرا واقع ہے کہ محض لغت عرب کی بنیاد پر زبان دانی سے اس کے معانی ومطالب کی گہرائی تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اہل لسان جب اس کے صحیح حقائق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تو کوئی غیر عرب کیا کچھ پائے گا؟ اس کی عظمت اور پر از حکمت معانی کا حل اسی پاکیزہ ہستی کے ساتھ مخصوص ومتعلق ہے جس پر یہ نور مبین نازل ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواہرات وموتیوں سے اپنے برگزیدہ اصحاب رضی اللہ عنہم کو بلا واسطہ، اور پوری اُمت کو بالواسطہ سمجھایا، اور تعلیم دی، اور آگاہ فرمایا۔ علماء اُمت کا سلفاً وخلفاً متفقہ فیصلہ ہے کہ جب تک کسی شخصیت کے پاس مکمل استعداد ومہارت نہ ہو، اور علوم ضروریہ پر مکمل عبور نہ ہو، اُسے

قرآنی علوم ومعارف، اور قرآنی حقائق کی تفسیر وتأویل اور تشریح کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ تفسیر اتقان للسیوطی، تفسیر روح المعانی، تفسیر حقانی، مناہل العرفان، البرہان للزرکشی ودیگر کتب میں اہلیت اور استعدادِ تفسیر اور قابلیتِ فہم قرآن کے لئے چند شرائط مذکور ہیں، اور چند ضروری علوم پر عبور بھی نہایت ضروری ہے، اختصار کے ساتھ ان کو ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہیں:

الأول:

علم اللغة، يعني علم اللسان العربي: مفسرِ قرآن کیلئے قرآن مجید کی زبان جو عربی ہے، اس کی پوری مہارت ضروری ہے، یہ مہارت مندرجہ ذیل علوم کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے:

(۱) مفردات قرآن کے مدلولات اور مواقع استعمال کی تحقیق ومعرفت، جو علم اللغة کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

(۲) مفردات قرآن کے لسانی تغیرات وتصرفات، جو علم الصرف والاشتقاق کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۳) مرکبات اور قرآن کے جملوں کے تغیرات وتصرفات حرکات، اعراب کا تبدل، جو علم النحو سے معلوم ہوتے ہیں۔

(۴) قرآنی الفاظ کے انتخاب اور محلِ استعمال کے نکات واسرار، جو علم بلاغة سے معلوم ہوں گے۔

الثاني:

فہمِ قرآن وتفسیرِ قرآن کیلئے علم السنة نہایت اہم اور ضروری ہے۔ صاحبِ قرآن جس کی صفت اور منصب ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ کے ساتھ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کا بیان اسی مقصد کیلئے ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ، اعمال حسنہ، اقوالِ حمیدہ، خصال واخلاقِ ستودہ، اور پوری زندگی کے لمحات قرآن ہی ہیں، اور تفسیرِ قرآن بھی بغیر آپ کی تعلیمات (وحی خفی، احادیث مبارکہ) کے قرآنِ حکیم کی کوئی عقدہ کشائی نہیں ہوسکتی۔ لاکھوں جزئیات واحکام شریعت کی پہچان بجائے خود، اسلام کے بنیادی پانچوں ارکان کے مسائل واحکام کا تعارف و شناخت بغیر حدیث کے ممکن نہیں ہے۔ صرف نماز اوقات خمسہ کے مسائل جو کہ ہزاروں میں ہیں، یہ سب کے سب حدیث وسنت پر موقوف ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر ذخیرۂ احادیث کے قرآن مجید سے کسی بھی عمل کا تعین نہیں ہوتا، اگر احادیث نہ ہوں تو قرآن حکیم کا کوئی مقصد ومعنی واضح نہیں ہوگا۔ (قواعد) دراصل احادیث کی حیثیت شرح وتفسیر قرآن مجید کی ہے، اور انہیں مفتاح القرآن کا درجہ حاصل ہے۔

الثالث:

فہمِ معانی ومطالب قرآن کیلئے جس طرح احادیث کی اہمیت ہے، اسی طرح تیسرے درجے میں آثارُ الصحابة واقوالُ الصحابة والتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیثیت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگرد ہیں، اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم ایک واسطہ سے، ان نفوسِ قدسیہ نے وحی اور صاحبِ وحی کی رفاقت ومعیت کا شرف پایا، اور نزول وحی کی مجالس وصحبت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ اور کانوں سے سماعت فرمائی۔ وحیِ الٰہی کے تمام احوال ونزاکتوں کا مطالعہ کیا۔ گویا وحی ان کے گھروں کے ماحول کی چیز بن گئی، بقول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان کا اجتہاد تمام ائمہ کے اجتہاد پر مقدم ہے، کیونکہ انہیں صاحبِ وحی کی صحبت حاصل ہے۔ [الرسالة] تو تیسرے درجے میں فہم وتفسیر قرآن کیلئے ان کے علوم وہدایات کا معلوم ہونا بہت ہی ضروری ولازمی ٹھہرا، کیونکہ ان کے حق میں آسمانی سند شاہد وگواہ ہے، وہ یہ ہے: ﴿رَضِيَ اللهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ [البينة: ۸] رضائے الٰہی بہت بڑی چیز ہے۔

الرابع:

علم القواعد والأصول: اصولِ فقہ اور علم الاستنباط میں مہارت بھی مفسرینِ قرآن کیلئے ضروری ہے۔ اس علم کے قواعدِ استنباط واجتہاد مجتہد کیلئے نہایت اہم ہیں۔ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے تمام اجتہادی فقہی مسائل کی بنیاد اصول فقہ ہے۔ ہر ایک امام کے اصول قواعدِ فقہیہ الگ الگ ہیں، البتہ چند بنیادی اصولی قواعد مشترک ہیں۔ علمُ الاصول سے مجمل، مفصل، خاص، عام، قطعی، ظنی، مشترک، مؤول، امر، نہی، مطلق، مقید وغیرہ کے حقائق ومقتضیات کو معلوم کرنا، تاکہ تفسیرِ قرآن کے وقت احکام اور نتائج میں غلطی نہ ہو، اور استخراجِ مسائل میں گڑبڑ پیدا نہ ہو، اور احکام صحیح طور پر مستنبط ہوں، یہ بہت بڑا عمیق اور پیچیدہ علم ہے، مسائل اجتہادیہ کا اسی پر دار ومدار ہے۔ اگر مفسرِ قرآن اس علم سے نابلد اور عاری ہو تو اس کی تفسیر قابل قبول نہ ہوگی، اور اس کے لئے تفسیر کرنے کا جواز بھی نہ ہوگا۔

الخامس:

علمِ کلام، جس کو علم الٰہیات کہتے ہیں۔ یہ ایک بنیادی علم ہے، جس میں ذاتِ باری تعالیٰ، صفاتِ جمالیہ، اور جلالیہ کے متعلق بغیر کسی الحاد وزندقہ کے، اور بغیر کسی افراط وتفریط کے، نہایت احتیاط واعتدال کے ساتھ، کتاب وسنت اور فرمودات سلف کی روشنی میں ربُّ العزّت کی ذات وصفات کا تعارف وشناخت، اور اہلسنّت والجماعۃ کے متفقہ

مجموعی عقائد کی شرح وتفصیل کا بیان ہوتا ہے۔ یہ وہ نازک مسئلہ ہے جس میں ہزاروں لوگوں نے ٹھوکر کھائی، اور ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے۔ سلف نے اس مسئلہ میں اتنی احتیاط اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے جو قابل داد وتحسین ہے۔ الٰہیات کے معاملے میں گمراہی سے بچنے کا واحد ذریعہ وبنیاد یہی علمِ عقائد وعلمِ کلام ہے۔ جس مفسر کو اس علم میں وافر حصہ اور معلومات حاصل نہ ہوں اس کیلئے تفسیرِ قرآن لکھنا ممنوع وحرام ہے۔

السادس:

صفاءِ باطن، تقویٰ وطہارت، جذبۂ عشق ومحبت کا ہونا تمام شرائط پر مقدم ہے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرّہ اس کی تعبیر علمِ لدنّی سے کرتے ہیں۔ دنیوی امور اور عام چیزوں کیلئے طہارت وتقویٰ کا ہونا کوئی ضروری نہیں، مگر ان امورِ دینیہ کیلئے، اور خاص کر قرآن حکیم کا ترجمہ یا تفسیر وتشریح کیلئے بہت سے امور حسنِ نیت، تقویٰ وطہارت وغیرہ کی ضرورت ولزوم میں کسی کو تردّد وشک نہیں ہونا چاہیے۔ جس مقدس کتاب کو بغیر وضو ہاتھ لگانے پر پابندی ہو تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ بغیر باطنی طہارت کے اس کی شرح وتفسیر کی اجازت ہو۔ اقسامِ وحی میں واضح کیا گیا تھا کہ وحیِ عرفانی جو کہ الہام کے طور پر خواص کو ربُّ العزّت کی طرف سے عنایت ہوتی ہے، اور اس کی بنیاد تقویٰ وریاضت بتائی گئی تھی، پھر جہاں تفسیر کے انوار وبرکات جن کا مرکز کلامُ اللہ ہو، وہاں مفسّر کی باطنی خوبیوں کے ساتھ جب ان کا تبادلہ ہوگا تو قدرت کی طرف سے سربستہ خفیہ رازوں کا دروازہ کھل جائے گا، اور ایسی ایسی باتوں کا القاء ہو جائے گا جو کہ عام لوگوں کی دسترس سے ماوراء اور خارج ہوں۔ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ عَلَّمَهُ اللهُ مَالَمْ يَعْلَمْ۔ [الحدیث] جو شخص اپنے علم پر عامل ہوگا قدرت کی طرف سے انعام کے طور پر ایسی چیزوں کے علم سے نوازا جائے گا جو اسے معلوم نہ ہوں۔ دراصل یہی علم تفقُّہ اور حکمت سے موسوم ہوگا جہاں علم وعمل کا اجتماع ہو، اور اسی پر ذوقِ قرآن دانی کا اطلاق ہوگا۔ بہت سے بے عمل لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیر وتشریح میں نہایت محنت وعرق ریزی سے خدمات انجام دی ہیں، ان کی تحریروں میں زبان دانی، ادبیت، جغرافیائی، اور تاریخی حقائق بڑے عجیب انداز میں بیان ہوئے ہیں، اور کتب تفسیر وحدیث اور تاریخی نوادرات سے دفتر بھر دیئے ہیں، وہ لوگ خود کو مفسر، مؤرخ، پروفیسر، ڈاکٹر، ادیب، کہنے سے نہیں تھکتے، مگر للّٰہیت وتقویٰ کے فقدان کی وجہ سے ان کی تفاسیر کو شہرت اور ہردل عزیزی حاصل نہیں ہوئی، بجائے انوار وبرکات کے کچھ اور مسائل پیدا ہوئے۔ دوسری طرف نہایت سادہ، دوراز تکلفات وادبیت، اہل دل متقی لوگوں نے عام زبان میں، بغیر تصنُّع، بہت ہی مختصر تفسیر لکھی، لیکن بلا کی مقبولیت اور پزیرائی حاصل ہوئی، بڑے عجیب عقدے

حل ہوئے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
(اقبال)

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید کا قلبِ مفسر پر نزول ہو، پھر قلبِ مفسر بلا کی تفسیر وتشریح کا توازن و عروج قائم کرے گا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
(اقبال)

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مختصر موضح القرآن بہت سی تفاسیر پر فائق و بھاری ہے۔ اس میں اخلاص وللٰہیت موجزن ہے، اور کچھ نہیں۔ جو شخص قلبی روشنی کے ساتھ کلامُ اللہ کی تفسیر پر کچھ لکھتا ہے اس کی تفسیر عرش معلیٰ کے انوار و برکات کو سمیٹتی ہے، اور جو تفسیر قلبی روشنی کے بغیر ہو اس کا مؤلف ہر خیر و برکت سے محروم رہتا ہے۔ یہی حال مختلف فنون کی باقی کتب کا بھی ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور حاشیہ نہایت مختصر ہے، یہی حال حضرت حکیم الامت کی بیان القرآن کا ہے۔ اگر کوئی ان دونوں مختصر تفسیروں کو بار بار دیکھے اور مطالعہ کرے تو اس پر ہر بار دیکھنے کے ساتھ نئے اور جدید علوم کا انکشاف ہوتا رہے گا۔ تاریک دلوں میں انوار و برکات موجزن رہیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی کنز الایمان اور نعیم مراد آبادی کی تفسیر دیکھنے سے دلوں پر سیاہ پردہ اور نفرت پیدا ہونا معمول کی بات ہوگی، جہاں یاایھا النبی اور یاایھاالرسول کا ترجمہ ''اے غیب سے خبر دینے والا''، کوئی مناسبت نہیں، واللہ اعلم، تو مطلب ظاہر ہے کہ جس شخص کی ظاہری طہارت اور وضو نہ ہو وہ قرآن ظاہری پر ہاتھ نہیں لگا سکتا، اسی طرح جس کی طہارت باطنی وقلبی نہ ہو وہ باطنِ قرآن اور معانی ومطالب قرآن کو نہیں پا سکتا۔ یہ باطنی طہارت اور نور قلبی اطاعت الٰہی اور تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی البرہان سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اتقان میں ناقل ہیں:

اعلم أنه لايحصل الناظر فهم معانی القرآن ولايظهر أسراره وفی قلبه بدعة أو كبر أوهوى أوحب

الدنیا أو إصرار علی ذنب أوغیر متحقق الإیمان أو ضعیف التحقیق أویعتمد علی مفسر لیس عنده علم أو یرجع إلی معقوله وهذه کلها حجب وموانع بعضها أکبر من بعض۔ وهذامعنی قوله تعالیٰ: سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ قال سفیان بن عیینة: یقول أنزع عنهم فهم القرآن۔ أخرجه ابن أبی حاتم، قال سفیان الثوری: لایجمع فهم القرآن والاشتغال بالحکام فی قلب مؤمن۔ [الإتقان]

ترجمہ:

قرآن کے معانی واسرار اس شخص کو حاصل نہیں ہو سکتے جس کے دل میں بدعت، تکبر، اور خود پسندی اور دنیا کی محبت ہو، یا گناہ پر مصر ہو، یا اس کا ایمان پختہ نہ ہو، یا اس کی تحقیق کمزور ہو، یا غیر عالم مفسر پر اعتماد کرتا ہو، یا اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہو۔ یہ سب امورِ فہمِ قرآن کی رکاوٹیں ہیں، بعض دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ یہ معنی ہیں قرآن کے اس ارشاد کا کہ: ''میں قرآنی آیات کے مقاصد سے دور رکھوں گا، ہٹاؤں گا ان کو جو زمین میں ناحق بڑائی کرتے ہیں''۔ ابن ابی حاتم نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے فہمِ قرآن کا نور وروشنی نکالوں گا۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ: حکام پرستی، یعنی حاکموں کی دوستی اور فہمِ قرآن دونوں مؤمن کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔ [الإتقان جلد دوم]

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی رائے کے تحت قرآن حکیم کی تفسیر کرے، اور وہ ٹھیک بھی ہو، تو اس نے غلطی کی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ تفسیر بالرائے والا جہنم کا مستحق ہے۔ [رواہ الستة] تمام علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تفسیر بالرائے حرام اور ناجائز ہے۔ کسی انسان کے کلام کی بلاوجہ تفسیر وتشریح حتمی طور پر بالرائے بہتر نہیں، چہ جائیکہ کلام ربّ العٰلمین کی، اس بارے میں ایک وضاحت ضروری ہے، وہ یہ ہے:

تفسیر بالرائے کی تحقیق:

تفسیر بالرائے کیا ہے؟ یہ معنی تو قطعاً مراد نہیں ہیں کہ تفسیر قرآن میں رائے وفکر کو استعمال ہی نہ کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر تفسیر کرنا ممکن ہی نہیں، اور خود قرآن نے تدبّر وتفکّر کا حکم دیا ہوا ہے: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الحشر: ۲۱] ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ [النساء: ۸۲] یہ لوگ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے؟ الفاظ میں تدبّر وتفکّر فی القرآن کی ترغیب ہے، اس لئے نفس رائے وفکر مذموم نہیں ہے، بلکہ مراد تفسیر بالرائے سے یہ ہے:

☆اول اپنی پہلی ٹھہرائی ہوئی رائے کو اصل قرار دے، اور قرآن کو اپنی اس رائے پر منطبق کرنے کی کوشش کرے۔ایسی صورت میں رائے اصل ہوئی، اور قرآن کو تابع کے درجے میں رکھا گیا، جو کہ قلب موضوع ہے، اور مذموم وموجب جہنم ہے۔توتفسیر بالرائے میں اس صورت میں لفظ ''با'' سببیت کے لئے ہے۔اور اگر رائے کو استعمال کر کے سیاق وسباق اور قواعدِ عربیت کے تحت ایسی تفسیر کی جائے جو قرآن اور اسلام کے بنیادی مقاصد کے خلاف نہ ہو، تو یہ تفسیر محمود ہے، مذموم نہیں ہے، اور نہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے۔اس کو اگر تفسیر بالرائے کہا جائے، تو لفظ ''با'' کتبت بالقلم کی طرح رائے صرف آلہ کے معنی میں ہوگی، اور تفسیری عمل کا ایک مرجع ومحور نہیں ہوگی۔

☆دوم صورت یہ ہے کہ قرآنی تفسیر میں عقل ونقل کے دو الگ دائرے ہیں، قرآن کے مفردات کے معانی کا تعین، اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ، اور بیان مجملات، اور قراءات مختلفہ ایسی چیزیں ہیں جو محض نقل سے معلوم ہو سکتی ہیں، رائے کو ان میں دخل نہیں ہے، لہٰذا ان امور میں رائے کی مداخلت تفسیر بالرائے ہے، اور مذموم ہے۔باقی رائے کے ذریعہ آیت کے معانی متعددہ میں سے کسی ایک معنی کا تعیّن، یا اس سے استنباطِ حکم قواعد استنباط کے تحت، یا قرآنی حکم کی حکمت اور راز وغیرہ کا استخراج، یہ تفسیر بالرائے میں داخل نہیں ہے، کیونکہ یہ سب امور دائرۂ عقل ورائے سے متعلق ہیں نہ کہ نقل وروایت سے۔[الاتقان جلد دوم]

توتفسیر بالرائے سے اس صورت میں یہ مراد ہے کہ رائے دائرۂ نقل میں مداخلت کرے، اور موضع نقل میں بجائے تفسیر بالنقل والروایات کے تفسیر بالرائے کر ڈالے، جو تجاوز عن الحد ہے، اور حرام وممنوع ہے۔[علوم القرآن]

علم تفسیر کے بارے میں جو چیز سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی وہ یہی تفسیر بالرائے ہے، جس سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کی روحیں لرزتی تھیں، اور پوری امت اس کی حرمت پر متفق ہے۔

تفسیر بالرائے کی قسمیں:

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں ابن النقیب رحمۃ اللہ علیہ سے پانچ قسمیں نقل کی ہیں:

(۱)......قرآن کی تفسیر کیلئے جس قدر علوم کی ضرورت ہے ان کے حصول کے بغیر قرآن کی تفسیر کی جائے۔

(۲)......آیات صفات، مقطعات، اور متشابہات کی تفسیر کی جائے، جن کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳)......اپنی ٹھہرائی ہوئی غلط رائے کیلئے قرآن کی تفسیر کی جائے، جس میں رائے اصل ہو، اور قرآن کو اس کا تابع بنایا جائے۔

(۴)......اس طرح تفسیر کرنا کہ یقینی دعویٰ کیا جائے کہ اللہ جَلَّالُہٗ کی مراد یہ ہے، اور اس کی دلیل موجود نہ ہو۔

(۵)......قرآن کی کسی آیت کی تفسیر اپنی پسند اور میلان کے تحت کی جائے۔

یہ پانچوں صورتیں ممنوع، ناجائز اور حرام ہیں، اور تفسیر بالرائے میں داخل ہیں، جن پر دوزخ کی وعید آئی ہے۔ آج کل جدید رنگ کی تفسیروں میں بہت کم ایسی ہوں گی جو ان پانچ صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں داخل نہ ہوں۔ العیاذ باللہ! [علوم القرآن، الإتقان دوم]

تفسیر قرآن کے پانچ مراحل:

(۱) قرآن حکیم کا پہلا مفسّر خود قرآن ہے، یفسر بعضه بعضا۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ میں ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں منعم علیہم کا اجمال ہے، جبکہ سورۃ النساء میں اس کی تفصیل وبیان ہے: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء: ۶۹]

(۲) مفسر دوم حضرت رسالتمآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی ذات گرامی ہے، بحکم: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ۴۴] اسی طرح ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ [القيمة: ۱۹] تفسیر القرآن بالحدیث، یہ تمام قرآن کا جامع ترین تفسیری بیان ہے، دراصل قرآن حکیم ایک جامع ترین متن ہے، اور ذخیرۂ حدیث اس کی تفسیر ہے۔

(۳) مفسر سوم صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کی پاکباز جماعت ہے، جو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے کلام اور مواقع نزول قرآن سے خوب واقف ہیں، اور بالمشافہہ مطالب ومعانی قرآن اور فہم صحیح کی دولت سے مالا مال، اور علوم نبوّت کے وارث وامین ہیں۔ یہ قسم موسوم ہے: **تفسير القرآن بأقوال الصحابه** سے۔

(۴) مفسّر چہارم حضرات تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم ہیں، جنہوں نے مدتوں تک صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کی خدمت و معیت میں رہ کر دین سیکھا، اور قرآنی مطالب وعلوم ان سے حاصل کئے، اور دین وشریعت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کو **تفسير القرآن بأقوال التابعين** کا نام دیا گیا۔

(۵) پانچواں مفسر قرآن تبع تابعین حضرات رحمۃ اللہ علیہم کی جماعت ہے، جن کی توثیق ہوچکی ہے، ان کی تفسیر بھی عمدہ اور قابل اعتماد ہے، وهو تفسير القرآن بأقوال تبع التابعين، اور اسی دور میں کتبِ تفسیر کی جمع وتدوین بکثرت شروع ہوئی، ائمہ تفسیر نے باقاعدہ سند واسناد کا رواج قائم کیا، اور رجالِ سند کی چھان بین، اور صحت کی کسوٹی پر پرکھ کر تفسیر قرآن لکھی۔ تفسیر ابن جریر طبری اس کی زندۂ جاوید نمونہ ومثال ہے، اور قدیم ترین تفسیر ہونے میں اس

کا شمار ہے، علیٰ ہذا القیاس چند دیگر تفاسیر بھی۔

علومِ خمسہ کا بیان:

قرآنِ حکیم علوم ومعارف کا وہ خزانہ وسمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے، اور اس کے عجائبات نہایت بے حساب وبے شمار ہیں۔ وہ علومِ نظریہ، فوائدِ حکمیہ، واعمالِ حسنہ خواہ از قبیل تہذیبُ النفس ہوں، یا تدبیرِ منزل، یا سیاست مدنیہ، یا عقائدومعاملات، یا مبدأ ومعاد وحقوق اللہ وحقوق العباد، ودیگر بے شمار علوم ومعارف سے بحث کرتا ہے۔ حضرت الشیخ مسند الہند شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ان تمام علوم ومعارف کو بغرض سہولت وآسانی سمیٹ کر پانچ علوم میں اختصار کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا علومِ قرآن کے بارے میں رسالہ ''الفوز الکبیر فی أصول التفسیر'' قابلِ دید ہے۔

اول ''علم المخاصمة'':

عقائد باطلہ کی تردید، جس میں چاروں فرق ضالہ: مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے باطل وبے بنیاد عقائد واعمال، اور دیگر غلط خیالات کی مکمل تردید وابطال مقصود ہے، جس میں شرک اور شرک سے متعلق ہزاروں غلط عقائد کا جابجا ہر موقعہ ومحاذ پر اصالۃً وتبعاً وضمناً بہترین حکیمانہ انداز میں تردید ہے۔ اور اسی کے ساتھ احقاق حق اور صراط مستقیم کی تشریح وبیان ہے۔

دوم ''تذکیر بآلاء اللہ'':

خطاب ایزدی کا اسلوب وطریق اس قدر صاف اور واضح ہے کہ عام وخاص، شہری ودیہاتی، مرد وعورت، تعلیم یافتہ وناخواندہ، پیر وجوان ہر شخص سمجھ سکے، اور ادراک کرے، مثلاً تخلیق آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، روشنی، ہوا، بادل، بارش، میوہ، درخت، سبزہ، گھاس، حیوانات، بخشش وعنایت، سمع، بصر، تکلم، عقل، اولاد، ظاہری، باطنی نعمتیں وغیرہ، اسی طرح علم ہدایت، خیر وشر وغیرہ امور جن کا ہر متنفس اقرار کرتا رہتا ہے، اور ان چیزوں کا تعارف ہر کس وناکس کو حاصل ہے، اور شخصی واجتماعی طور پر پوری مخلوق متاثر ومحظوظ ہے، علی ہذا القیاس۔

سوئم ''تذکیر بأیام اللہ'':

ربّ العزّت سبحانہ نے قرآن حکیم میں برائے عبرت گزشتہ اقوام وامتوں کے واقعات، قصص وحالات بیان

فرمائے ہیں، فرمان برداروں پر مزید انعامات واکرامات، اور نافرمان قوموں پر گرفت وعذاب اور طرح طرح کی عقوبات، ان کی تباہی وبربادی کے حالات سادہ اسلوب کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، جنہیں ہر شخص ادنیٰ توجہ کے ساتھ سمجھ سکتا، اور عبرت حاصل کرسکتا ہے۔ اس سلسلے میں واقعات اقوام کے صرف وہ حصے بیان ہوئے ہیں جس سے نصیحت مقصود ہو، پورے قصے کہانیاں تفصیلاً بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بعض قصے ایک مرتبہ کبھی برائے افادہ و تذکیر مکرر دو تین مرتبہ یا اس سے بھی زائد، یہ سلسلہ نہایت طویل اور دل گداز وعبرت آموز ہے۔

چہارم ”تذکیر بمابعد الموت“:

بعد از مرگ واقعات، برزخ، قبر، قیامت، حشر، نشر، پل صراط، وزن اعمال، ہول وسختی قیامت، حساب و کتاب، جزاء وسزاء، جنت ودوزخ، شفاعت ذکر کر کے تنبیہ فرمائی، اور انذار وتبشیر کا سلسلہ جاری رکھا، تاکہ خلق خدا پر اتمام حجت کے ساتھ ساتھ ایمان واعمال کی پاسداری اور کفر وشرک ودیگر معاصی سے اجتناب کا سامان مہیا ہو، وهو الرحمن الرحيم على عباده۔

پنجم ”علم الأحكام“:

قرآن حکیم کا انداز بیان کبھی مشفقانہ ہوتا ہے، کبھی حاکمانہ، کبھی حکیمانہ، کبھی قاہرانہ، مگر شفقت ورحمت سب پر غالب وحاوی رہتی ہے۔ اگر کبھی قاہرانہ خطاب ہوتا ہے تو وہ بھی جراحی کے ساتھ مرہم کا کام دیتا ہے۔ ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم ☆ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

توبہ کا دروازہ دن رات کھلا ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، فرائض ہوں یا محرمات، واجبات ہوں یا سنن، قولی عبادات ہوں یا بدنی، مالی ہوں یا مرکبات، ان تمام احکام میں قدرت کا ایک ابتلاء وامتحان مقصود ہے۔ فائدہ بندوں کا ہے، جو ہر حکم شرعی میں ملحوظِ نظر ہے۔ ماں اگر بچے کو لٹا کر گرم پانی اور صابن سے اس کو نہلاتی ہے، تو بتاؤ فائدہ کس کا ہے؟ نادان بچہ ماں کو بدخواہ دشمن سمجھ کر چیخ رہا ہے، کیا ماں اس کی دشمن ہے؟ ہرگز نہیں، اسی طرح ربّ العزّت جس کی شفقت ورحمت کی ایک ادنیٰ جھلک سارے جہاں کی ماؤں کی شفقت پر غالب ہے، یہ احکامِ شریعت سراسر شفقت وتذکیہ پر مبنی ہیں، کاش ضعیف وکمزور انسان کو احساس ہو۔ یہ احکامِ شریعت یا مامور بہ ہوں گے، یا منہی عنہ، ان کی مثال معالج وڈاکٹر کی ادویہ اور پرہیز کی مانند ہے۔ دواء استعمال کرنے اور پرہیز پر عمل کرنے سے فائدہ

سراسر مریض کا ہے، ڈاکٹر کا نہیں، بلکہ مریض کو ڈاکٹر کی راہنمائی پر اس کا شکر اداء کرنا چاہئے، اور فرمان ماننا چاہئے۔
واللہ أعلم بالصواب

فائدۂ جلیلہ:

قرآن حکیم ربّ العزّت کا وہ آخری ابدی کلام ہے جسے خلاصہ کائنات اور دلیل کائنات اگر کہا جائے تو حقیقت ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ پوری کائنات علوی سفلی کے ہر ہر ذرہ، اور ان کی حقیقت کا حوالہ قرآن پاک میں مندرج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ازل سے ابد و معاد تک، پھر دخول جنت و نار تمام چیزوں تک کے احوال قرآن پاک میں موجود ہیں، کسی بھی حال و کیفیت کا فروگزاشت نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:۔

جمیع العلم فی القرآن لکن ★ تقاصر عنه أفهام الرجال

قرآن پاک پورے جہاں کیلئے دلیل ہے، اور سارا جہان اس کا مدلول ونمونہ ہے، جب مدلول ونمونہ کی ہزاروں چیزیں روز اول سے آج تک دنیا کے عقلمندوں کی عقل اور رسائی سے بالاتر ہیں، جن کا احاطہ کسی صورت میں ممکن نہیں، اور وہ بدیہی و مرئی موجود چیزیں جو عقلمندوں کے سامنے ان کے بدن، جسم و جان میں ظاہراً موجود ہیں، آج تک دنیا کے دانشوران کی معرفت و شناخت سے سراسر عاجز رہے ہیں، تو عمومی اور مخفی حقائق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں؟ اور قرآنی علوم و معارف، اور اس میں پوشیدہ مضمرات و اشارات تک کیسے رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟ جس طرح قرآن مجید کے ظاہری الفاظ عجیب وغریب اعجازی نظم وعبارت کی مثال پیش کرنے سے سارے عالم کے ادباء، شعراء، فصحاء عاجز رہے، اور رہیں گے، اسی طرح اس کے باطنی علوم و حقائق تک رسائی طوقِ بشر سے خارج ہے۔

البتہ یہ بات قابل غور وفکر ضرور ہے کہ اگر کوئی ان پوشیدہ حقائق کا کھوج لگائے، اور مسلسل محنت و تجربہ کرتا رہے، تو اسے قرآنی ہدایات سے ایک معتد بہ فائدہ حاصل ہوگا۔ بدقسمتی سے قرونِ اولیٰ کے ذہین و دانشور مسلمانوں نے اپنے صفاءِ باطن اور الہامی جدو جہد سے بہت کچھ حاصل کیا، اور امورِ عالم وحقائق عالم مابعد الطبیعیات اور ریاضی و جغرافیائی، ایجادات و مصنوعات تک رسائی حاصل کی، اور علم و معرفت کے درجے رکھ کر ان پر عمل کرنے کی تیاریاں کیں۔ ابھی وہ اپنے اس عملی میدان کو عبور نہیں کر سکے تھے کہ زمانہ کے خونی انقلابات نے انہیں بے بس کر دیا، اور علوم و معارف کے مرکزوں پر بغداد و تاشقند، سمرقند و بخارا، اور خاص کر اندلس پر اغیار کا قبضہ ہوگیا۔ یہ علمی ورثہ ہمارے

ہاتھوں سے نکل کر یورپ کے ہاتھوں لگ گیا۔ وہ مغرب جسے ایک ماچس بنانے پر قدرت حاصل نہیں تھی، اسے اچانک یہ نسخۂ کیمیا، جسے ابن سینا، زکریا، رازی، خوارزمی سائنسدان، ابن رشد اور دیگر ماہرین فن نے ترتیب دیا تھا، اور یہ سارے کارنامے انہوں نے قرآن مجید ہی سے ورثہ میں پائے تھے۔ وہ سارا خزانہ علم ومعرفت مغرب کے ہاتھ میں آیا۔ مغرب کی قسمت جاگ اٹھی، اور اس کی جہالت علم ومعرفت سے بدل گئی۔ آج جتنی مصنوعات، محیّر العقول قیمتی مصنوعات اور ایجادات دنیا میں ہو رہی ہیں وہ سب ہمارے ورثہ کی مرہون منت ہیں، اور قرآن حکیم ہی سے ماخوذ ہیں۔ مشہور ہے کہ دوران باخبر نزدیکان بے بصر، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید کی وہ بے شمار تفاسیر و حواشی، اور عالم اسلام کے علماء و محققین کی تصنیفات وتالیفات جو یورپ میں ہیں، جن کا نام مسلمانوں نے نہیں سنا، اور نہ دیکھا، سقوط اندلس کے بعد سب سے پہلے قرآن مجید کے تراجم وحواشی انگریزی، لاطینی، فرانسیسی، ہسپانوی، ودیگر یورپی زبانوں میں مرتب ہوئے، اور شائع کئے گئے۔ عجیب زمانہ کی نیرنگی ہے، کتاب ہماری ہے، اور اس کی مسلسل اشاعت مغرب میں ہو رہی ہے۔ وہاں مدارس قائم ہو رہے ہیں، اور ہمارے علوم کی تعلیم کا رواج زوروں پر چل رہا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ ہمارا ورثہ عربی زبان میں تھا، یورپ نے اسے اپنی زبانوں میں منتقل کیا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی گلستان، بوستان، ابن سینا کے علوم اور ابن رشد کی تالیفات انگریزوں کے کالجوں، یونیورسٹیوں کے نظام و نصابِ تعلیم کا حصہ رہے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات ان کے نصاب تعلیم میں شامل ہیں۔
علامہ اقبال نے دیکھا، اور کہا۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ
غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشہ کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را
(اقبال)

ایک تمثیل ہے کہ بیٹے نے باپ کو نابینا کیا، اور اغیار کو بینائی عطا کی۔

قرآن اور اس کی تعلیمات سے ہم بے بہرہ اور نابینا رہے، یورپ کے اندھوں کو روشنی اور بینائی حاصل ہوئی۔ اس وقت دنیا کی سات سو دو (۷۰۲) زبانوں میں قرآن حکیم کا ترجمہ ہو چکا ہے، آخر کس مقصد کیلئے؟ اس پر

غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سادہ لوح مسلمان تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ پاک کا کلام ہے، تکوینی طور پر اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مگر حقیقت کچھ اور ہے، سارا جہاں اس کے تراجم اور تفسیروں سے استفادہ کر رہا ہے، اور اسے ترقی کا ذریعہ سمجھ کر اپنی زبانوں میں ڈال کر استفادہ و ترقی کر رہا ہے، اور ہمیں نابینا رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، جیسے غنی شاعر نے کہا تھا۔



تاریخِ نزولِ قرآن

قرآن کریم دراصل کلام الٰہی ہے، اس لئے ازل سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:
﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ [البروج: ۲۲] (بلکہ یہ قرآن مجید ہے، لوح محفوظ میں)۔

پھر قرآن مجید کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے: ایک مرتبہ یہ پورا کا پورا آسمان سے دنیا کے ''بیت عزت'' میں نازل کردیا گیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ تیئس سال میں اس کی تکمیل ہوئی۔ قرآن کریم میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں: ایک اِنزال، اور دوسرے تنزیل۔ ''اِنزال'' کے معنی ہیں: کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کردینا۔ اور ''تنزیل'' کے معنی ہیں: تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا، چنانچہ قرآن کریم نے اپنے لئے پہلا لفظ جہاں کہیں استعمال کیا ہے اس سے مراد عموماً وہ نزول ہے جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہوا، ارشاد ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ [الدخان: ۳] (بلاشبہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے)۔ اور ''تنزیل'' سے مراد وہ نزول ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بتدریج ہوا، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۰۶] ''اور قرآن کو ہم نے متفرق طور سے اس لئے اتارا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا''۔

نزول قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآن کریم کے انداز بیان سے بھی واضح ہیں، اس کے علاوہ نسائی، حاکم، بیہقی، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ قرآن کریم کا پہلا نزول یکبارگی آسمان دنیا پر ہوا، اور دوسرا نزول بتدریج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ [الاتقان: ۱/ ۴۱]

پہلا نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے ایک مقام ''بیت عزت'' پر ہوا۔ ''بیت عزت'' میں قرآن کا نزول کس طرح ہوا؟ اور اس نزول کی حکمت کیا تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ بعض علماء مثلاً علامہ ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ

''اس سے قرآن کریم کی رفعتِ شان کو واضح کرنا مقصود تھا، اور اس مقام کے ملائکہ کو یہ بات بتائی گئی تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جو اہل زمین کی ہدایت کیلئے اتاری جانے والی ہے''۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ ''اس طرح دو مرتبہ اتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے: ایک لوح محفوظ میں، اور دوسرے ''بیت عزت'' میں۔ واللہ اعلم

بہر کیف! اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟ اسی کو صحیح علم ہے کہ اس کی اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی، اور ہمیں ان کی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ ہمیں اتنا وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ یہ پہلا نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا۔

دوسرا نزول:

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی۔ اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی سے ہوا ہے، اور یہی وہ تاریخ تھی جس میں گیارہ سال بعد غزوۂ بدر پیش آیا، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ﴾ [الأنفال: ۴۱] ''اور جو ہم نے نازل کیا اپنے بندے پر فیصلے کے دن، جس دن دو جماعتیں ٹکرائی تھیں''۔

اس طرح نزول قرآن کے آغاز کے بارے میں مندرجۂ ذیل باتیں تو خود قرآن کریم سے ثابت ہیں:

(۱) اس کی ابتداء رمضان کے مہینے میں ہوئی۔

(۲) جس رات نزولِ قرآن کا آغاز ہوا وہ شب قدر تھی۔

(۳) اسی تاریخ کو بعد میں غزوۂ بدر پیش آیا۔

لیکن یہ رات رمضان کی کونسی تاریخ میں تھی؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بعض روایات سے رمضان کی سترہویں، بعض سے انیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت:

صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اُتریں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کی

ابتداء تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلوت میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں کئی کئی راتیں گزارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا، اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ: اِقْرَاْ (یعنی پڑھو) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا، اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہاء ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ اِقْرَاْ، میں نے جواب دیا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ فرشتے نے مجھے پکڑا، اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہاء ہوگئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ اِقْرَاْ، میں نے جواب دیا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ اس پر اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا، اور بھینچ کر چھوڑ دیا، پھر کہا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣﴾ [العلق : ۱] ''پڑھو، اپنے پروردگار کے نام سے، جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے''۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات کو لے کر واپس گھر کی طرف چلے، تو آپ کا مبارک دل دھڑک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے، اور فرمایا: زمّلونی زمّلونی (مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ) گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمبل اڑھایا، یہاں تک کہ آپ سے خوف جاتا رہا۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھی۔ اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس زمانہ کو ''فترتِ وحی'' کا زمانہ کہتے ہیں۔ پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان و زمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اس نے سورۂ مدثر کی آیات آپ کو سنائیں۔

یہ واقعہ صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ کے علاوہ تقریباً تمام کتب حدیث میں صحیح سندوں کے ساتھ منقول ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی آیات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں، ان کے بعد سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ لیکن اس سلسلے میں تین اقوال اور بھی ہیں، جن پر یہاں ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا:

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ نزول

کے اعتبار سے سورۂ مدثر سورۂ علق سے مقدم ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مغالطہ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ درحقیقت بخاریؒ کی کتاب التفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مختصر ہے، اور اس میں دو جملے نقل نہیں کیے گئے، یہی روایت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے باب بدء الوحی میں نقل کی ہے، اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مدثر کے نزول کا واقعہ بتاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ صراحۃً نقل فرمائے ہیں کہ: فإذاالملک الذی جاء نی بحراء جالس علی الکرسی۔ ''پس اچانک (میں نے دیکھا کہ) جو فرشتہ میرے پاس غار حراء میں آیا تھا وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے''۔

اس سے صاف واضح ہے کہ غار حراء میں سورۂ اقرأ کی آیتیں پہلے نازل ہو چکی تھیں، سورۂ مدثر بعد میں نازل ہوئی۔ البتہ یہ کہنا درست ہے کہ ''فترت وحی'' کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورۂ مدثر کی ہیں، لہٰذا جن روایات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ پہلی نازل ہونے والی وحی يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہے، اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''فترت وحی'' کے زمانہ کے بعد پہلی وحی یہ تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی سورت جو مکمل نازل ہوئی وہ سورۂ مدثر تھی، کیونکہ سورۂ اقرأ پوری ایک مرتبہ نازل نہیں ہوئی۔

(۲) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمرو بن حبیل رضی اللہ عنہ سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے کہ میں جب بھی خلوت میں جاتا ہوں تو کوئی مجھے یامحمد یامحمد کہہ کر پکارتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن جب میں خلوت میں پہنچا تو اس نے کہا: یامحمد بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہاں تک کہ پوری سورۂ فاتحہ پڑھ دی۔

اس روایت کی بناء پر علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت سورۂ فاتحہ ہے، بلکہ اسی کو انہوں نے اکثر مفسرین کا قول قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا درست نہیں ہے، سورۂ فاتحہ کو پہلی وحی قرار دینے والے بہت کم ہیں، اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ سورۂ اقرأ سب سے پہلے نازل ہوئی۔

جہاں تک بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ روایت کا تعلق ہے، اس کے بارے میں خود امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر یہ روایت درست ہو تو یہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ سورۂ اقرأ اور سورۂ مدثر کے نزول کے بعد کا ہو۔ اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال بھی ظاہر فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ بعض دوسری آیات کی طرح دو مرتبہ نازل

ہوئی ہو، ایک مرتبہ سورۂ اقرأ کے نزول سے پہلے، اور دوسری بار اس کے بعد۔ اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ سورۂ فاتحہ کا نزول پہلی بار قرآنیت کی صفت کے ساتھ نہیں ہوا تھا، بلکہ ایک فرشتہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سورت سنادی تھی، بعد میں اپنے وقت پر باقاعدہ قرآن کے جزء کی حیثیت میں نازل ہوئی۔

بہرکیف، ان تین روایتوں کو چھوڑ کر باقی اکثر روایات اس بات پر متفق ہیں کہ سورۃ اقرأ کی ابتدائی آیات سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کی تائید میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی صورت کے ساتھ ''مکی'' اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔

اکثر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق ''مکی آیت'' کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی۔ بعض لوگ مکی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ میں نازل ہوئی، اور مدنی کا یہ کہ وہ شہر مدینہ میں اُتری۔ لیکن اکثر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے، چنانچہ مِنٰی، عرفات، وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، یہاں تک کہ سفر ہجرت کے دوران جو آیتیں راستے میں نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں۔ اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر انہیں مدنی کہا جاتا ہے، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سے سفر پیش آئے، جن میں آپؐ مدینہ سے سینکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیات مدنی ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ ان آیتوں کو بھی مدنی ہی کہا جاتا ہے کہ جو فتح مکہ یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ، یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چنانچہ آیت قرآنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا﴾ [نساء: ۵۸] مدنی ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکی اور مدنی تقسیم اگرچہ بظاہر مقاماتِ نزول کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت وہ زمانۂ نزول کے اعتبار سے ہے، ہجرت کی تکمیل سے قبل کی آیات مکی ہیں، اور بعد کی مدنی ہیں۔

اگرچہ آنحضرت ﷺ سے براہ راست ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے جس میں آپ ﷺ نے کسی آیت، یا سورت کو مکی، یا مدنی قرار دیا ہو، لیکن جن صحابہؓ اور تابعینؒ نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی کی حفاظت میں اپنی عمریں کھپائی ہیں، انہوں نے ہی سورتوں اور آیات کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے کونسی مکی ہے، اور کونسی مدنی؟ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں: ''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کی کتاب کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟'' اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن کو، میدانی علاقہ میں اتری یا پہاڑ پر؟''

اکثر و بیشتر تو انہی حضرات صحابہؓ نے قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کے بارے میں یہ بتلایا ہے کہ وہ مکی ہیں، یا مدنی۔ اس کے علاوہ بعض آیات یا سورتوں کے بارے میں دوسرے شواہد کے ذریعہ بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے، مثلاً جن آیات میں غزوۂ بدر کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ وہ مدنی ہی ہوسکتی ہیں، یا جن آیتوں میں خصوصی طور پر مشرکین مکہ سے خطاب کرنے کو کہا گیا ہے، ان میں سے بیشتر کو مکی ہی سمجھا جاسکتا ہے، لہٰذا بعض مرتبہ اس قسم کے قیاسات اور شواہد کی بنیاد پر بھی کسی آیت کو مکی یا مدنی قرار دیا جاتا ہے، پھر چونکہ قیاسات مختلف ہوسکتے ہیں، اس لئے بعض آیات کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہو گیا ہے، کہ بعض کے نزدیک وہ مکی اور بعض کے نزدیک مدنی ہیں۔

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی، یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورۂ مدثر پوری مکی ہے، اور سورۂ آل عمران پوری مدنی ہے۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت تو مکی ہے، لیکن اس میں چند آیات مدنی آگئی ہیں، مثلاً سورۂ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں: ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ سے لے کر ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ [الأعراف: ۱۶۳-۱۷۲] تک کی آیات مدنی ہیں۔ اسی طرح بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، مثلاً سورۂ حج مدنی ہے، لیکن اس کی چار آیتیں، یعنی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى﴾ سے لے کر ﴿عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝۵۵﴾ [الحج: ۵۲-۵۵] تک مکی ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی آیات کی اکثریت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور عموماً ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے قبل نازل ہوگئیں، اسے مکی قرار دیدیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔

مکی ومدنی آیتوں کی خصوصیات:

علماءِ تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلے میں بعض قواعد کلی ہیں، اور بعض اکثری۔ قواعد کلیہ یہ ہیں:

(۱) ہر وہ سورت جس میں لفظ ''کَلَّا'' (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکی ہے۔ یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے، اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے آخری نصف حصہ میں ہیں، چنانچہ علامہ دیرینی کا شعر ہے۔

وما نزلت کلا بیثرب فاعلمن ★ ولم تأت فی القرآن فی نصفه الأعلی

(۲) ہر وہ سورت جس میں کوئی سجدے کی آیت آئی ہے، مکی ہے۔

(۳) سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت جس میں آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ آیا ہے، وہ مکی ہے۔

(۴) ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت، یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔

(۵) ہر وہ سورت جس میں منافقین کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے۔ بعض علماء نے اس قاعدہ سے سورۂ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت بحیثیت مجموعی تو مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے، وہ مدنی ہیں۔

سورتوں کی مندرجہ ذیل خصوصیات عمومی اور اکثری ہیں، یعنی کبھی کبھی ان کے خلاف بھی ہو جاتا ہے، لیکن اکثر وبیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔

(۱) مکی سورتوں میں عموماً یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ (اے لوگو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے، اور مدنی سورتوں میں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے۔

(۲) مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں، اور مدنی آیات وسور طویل اور مفصل ہیں۔

(۳) مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر ونشر کی منظر کشی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر وتسلی کی تسکین، اور پچھلی اُمتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام وقوانین کم بیان ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے، اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

(۵) مکی سورتوں کا بیانِ اسلوب زیادہ پرشکوہ ہے، اس میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں، اور

ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے۔ اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبۃً سادہ ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کے انداز اور اسلوب میں یہ فرق دراصل حالات، ماحول اور مخاطبوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چونکہ زیادہ تر عرب کے بت پرستوں سے تھا، اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی، اس لئے اس دور میں زیادہ تر عقائد کی درستی، اخلاق کی اصلاح، بت پرستوں کی مدلل تردید اور قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے اظہار پر دیا گیا۔ اس کے برخلاف مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی، لوگ جوق در جوق اسلام کے سایہ تلے آرہے تھے، علمی سطح پر بت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا، اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا، اس لئے احکام وقوانین، اور حدود وفرائض کی تعلیم، اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی، اور اسی کے مناسب اسلوب بیان اختیار کیا گیا۔ ہر منصف مزاج انسان حالات کی تدریج کی روشنی میں قرآنی مضامین واسلوب کے اس اختلاف کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جن مستشرقین کے دل میں اسلام دشمنی کی آگ سلگتی ہی رہتی ہے، انہوں نے مکی ومدنی اسلوب کے اس فرق سے بھی من گھڑت نتائج نکالنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ بعض مستشرقین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ قرآن (معاذ اللہ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، اسی لئے وہ حالات اور ماحول کے اختلاف سے مختلف اسلوب اختیار کرتے رہے، اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا، تو اس کا اسلوب گرد وپیش سے متاثر نہ ہوتا۔

لیکن جس شخص کے دل میں انصاف اور معقولیت کی ادنیٰ رمق موجود ہو وہ اس معاندانہ اعتراض کی لغویت محسوس کر سکتا ہے۔ علم بلاغت کی اصل روح یہ ہے کہ کلام اپنے مخاطب اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ ہر قسم کے مخاطب کے سامنے، اور ہر قسم کے ماحول میں ایک ہی انداز اور اسلوب پر جمے رہنا، پرلے درجے کی بدمذاقی، اور بلاغت کے بنیادی آداب تک سے نابلد ہونے کی دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس بدمذاقی کی توقع وہی شخص کر سکتا ہے، جس نے اعتراض برائے اعتراض کی قسم ہی کھا رکھی ہو۔

نزول کا وقت اور مقام:

آیاتِ قرآنی میں مکی اور مدنی کی تقسیم کے علاوہ نزول کے مقام اور وقت کے لحاظ سے مفسرین نے کچھ اور قسمیں بھی بیان فرمائی ہیں، مثلاً حضری آیات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن میں نازل ہوئیں، اور اکثر قرآنی آیات ایسی ہی ہیں۔ اور سفری آیات وہ ہیں جو سفر کی حالت میں نازل ہوئیں، مثلاً ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا﴾ [نساء: ٥٨] فتح مکہ کے سفر میں اتری۔ علامہ سیوطیؒ نے اس قسم کی تقریباً چالیس آیتیں شمار کی ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل قسمیں بھی انہوں نے بیان فرمائی ہیں:

(۱) نہاری

یہ وہ آیات ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں، بقول علامہ ابن حبیبؒ اکثر آیات اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) لیلی

یہ وہ آیات ہیں جو رات کے وقت نازل ہوئیں، مثلاً سورۃ آل عمران کی آخری آیت: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ رات کے وقت نازل ہوئی تھیں۔ علامہ سیوطیؒ نے اس کی مزید ایک درجن مثالیں اتقان میں ذکر کی ہیں۔

(۳) صیفی

یہ وہ آیات ہیں جو گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں، مثلاً سورۂ نساء کی آخری آیت: ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ﴾۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کی روایت کے مطابق گرمی میں نازل ہوئی تھی۔ اور دوسری روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ آیتیں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جتنی آیات نازل ہوئیں ہیں وہ سب صیفی ہیں، مثلاً ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ﴾ [مائدہ: ۳] وغیرہ۔

(۴) شتائی

یہ وہ آیات ہیں جو سردی کے موسم میں اُتریں، مثلاً سورۂ نور کی آیات: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ الخ۔ جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی تردید کی گئی ہے، سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے بارے میں سورۂ احزاب کی آیات بھی اس میں داخل ہیں، کیونکہ یہ غزوہ بھی سردی کے موسم میں ہوا تھا۔

(۵) فراشی

یہ وہ آیات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر تھے، چنانچہ آیت: ﴿وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدۃ: ٦٧] اسی حالت میں نازل ہوئی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس

کی دو مثالیں اور ذکر کی ہیں۔

(۶) نومی

بعض حضرات نے آیات کی ایک قسم "نومی" بھی ذکر کی ہے، یعنی وہ آیات جو نیند کی حالت میں اتریں، اور اس کی مثال میں صحیح مسلم کی وہ روایت پیش کی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے سر مبارک اٹھایا، اور فرمایا کہ مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ: ﴿اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۝۱﴾ تلاوت فرمائی۔

لیکن محقق بات یہ ہے کہ نیند کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آیت قرآنی نازل نہیں ہوئی، اوپر کی روایت میں جس کیفیت کو "نیند کے جھونکے" سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے لئے اصل حدیث میں "اغفاءۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد نیند نہیں، بلکہ وہ مخصوص حالت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کے وقت طاری ہوجایا کرتی تھی۔ اس لئے اس حدیث سے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ نزول قرآن نیند میں بھی ہوا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی ہے۔

(۷) سماوی

یعنی وہ آیات جو معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئیں۔ ان کے بارے میں صرف ایک صحیح مسلم کی روایت ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات شب معراج سدرۃ المنتہیٰ کے قریب نازل ہوئیں۔

(۸) فضائی

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قسم ایسی بھی ذکر کی ہے جو نہ زمین پر نازل ہوئی، نہ آسمان پر۔ ان کا کہنا ہے کہ سورۂ صافات کی تین آیتیں: ﴿وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ﴾ الخ [الصافات:۱۶۴]۔ اور سورۂ زخرف کی ایک آیت: ﴿وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ﴾ [الزخرف:۴۵] اسی قسم میں داخل ہیں۔ لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی۔

قرآن کریم کا تدریجی نزول

پیچھے آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم دفعۃً اور یکبارگی نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً

تئیس سال میں اتارا گیا ہے۔ بعض اوقات جبرئیل امین علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت ...... بلکہ آیت کا کوئی ایک جزء لے کر بھی تشریف لے آتے۔ اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں۔ قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا، وہ: ﴿ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ ﴾ [نساء: ۹۴] ہے، جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، جبکہ پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

بعض حضرات کو ابن عساکرؒ کی ایک روایت سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام ایک مرتبہ میں پانچ سے زائد آیتیں لائے۔ لیکن علامہ سیوطیؒ نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نازل تو اس سے زائد آیتیں بھی ہوئی ہیں، مثلاً واقعہ افک میں بیک وقت دس آیتوں کا نزول صحیح احادیث سے ثابت ہے، لیکن ہونا یہ تھا کہ جبرئیل امینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانچ پانچ آیتیں یاد کرایا کرتے تھے، جب پانچ آیتیں یاد ہو جاتیں تو مزید آیتیں سنا کر یاد کرا دیتے تھے، چنانچہ امام بیہقیؒ نے حضرت ابو العالیہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: ''قرآن کی پانچ پانچ آیتیں سیکھا کرو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیلؑ سے پانچ پانچ آیتیں ہی یاد کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کو یکبارگی نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکین عرب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا؟ کیونکہ وہ ایک قصیدہ پورا کا پورا ایک وقت میں سننے کے عادی تھے، اور یہ تدریجی نزول ان کے لئے ایک اچنبھی سی بات تھی۔ اس کے علاوہ قرآن سے پہلے تورات، زبور، اور انجیل تینوں ایک ہی مرتبہ نازل ہو گئی تھیں، ان میں یہ تدریج کا طریقہ نہیں تھا۔ باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝﴾ [الفرقان: ۳۲و۳۳] ''اور کافروں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے قرآن کو تدریجاً اتارا ہے) تا کہ ہم آپ کے دل کو مطمئن کر دیں، اور ہم نے اس کو رفتہ رفتہ پڑھا ہے، اور وہ کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائیں گے، مگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حق لائیں گے، اور (اس کی) عمدہ تفسیر پیش کریں گے''۔

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس تدریجی نزول میں کئی حکمتیں تھیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو

اس کو یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا۔ اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے ان پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

(۲) اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت میں ملحوظ رہی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلہ کو سہل بنا دیتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقویت قلب کا سبب بنتا تھا۔

(۴) قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب، اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ان آیات کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآن کے غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔

ترتیب نزول، اور موجودہ ترتیب

یہ بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم جس ترتیب کے ساتھ اس وقت موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا، بلکہ ضرورت اور حالات کے مطابق نزول کی ترتیب اس سے مختلف تھی۔ ہوتا یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لیا جائے، چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے مقام پر درج ہو جاتی تھی۔ ترتیب نزول کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی، اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے، اس لئے جب قرآن مکمل ہو گیا تو لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ کونسی آیت کس ترتیب سے نازل ہوئی تھی؟ لہٰذا جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی؟ لیکن پورے قرآن کی ترتیب نزول یقین کے ساتھ بیان نہیں کی جا سکتی۔ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں بعض روایات کی مدد سے سورتوں کی ترتیب نزول بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کونسی سورت مکی اور کونسی مدنی ہے؟ ترتیبِ نزول کی تفصیلات ان سے معلوم نہیں ہوتیں۔

ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی ترتیب نزول معین کرنے کی کوشش کی ہے۔ سب سے پہلے مشہور جرمن مستشرق نولڈ یکے نے اس کام کا آغاز کیا، اور اس کے بعد یہ بہت سے مغربی مصنفین کی دلچسپی کا موضوع بنا رہا۔

ولیم میور نے بھی اس سلسلے میں ایک جداگانہ کوشش کی ہے، بلکہ جے ایم راڈویل نے قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ شائع کیا، اس میں سورتوں کو معروف ترتیب سے ذکر کرنے کی بجائے نولڈ یکے کی مزعومہ تاریخی ترتیب سے ذکر کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ہارٹ وگ ہرشفیلڈ نے نہ صرف سورتوں بلکہ ترجمہ میں اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ رچرڈ بیل نے بھی اس سلسلے میں مغربی دنیا میں کافی نام پیدا کیا۔ مستشرقین کی یہ کوشش اب بھی جاری ہے، اور شاید انہی سے متاثر ہو کر بعض مسلمانوں نے بھی ترتیب نزول کی تحقیق کرنی شروع کی ہے۔

لیکن ہماری نظر میں یہ ساری کوششیں ایک ایسے کام میں اپنا وقت صرف کرنے کے مترادف ہیں جس میں کبھی یقینی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مذکورہ بالا مستشرقین نے جو کوششیں کی ہیں وہ زیادہ تر متن کے بارے میں ان کے ذاتی قیاسات پر مبنی ہیں، اور چونکہ ہر شخص کے قیاسات دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی بیان کردہ ترتیبوں میں بھی فرق ہے، لہٰذا ہزار کوشش کے باوجود ان قیاسات سے کوئی خاص عملی فائدہ حاصل کرنا مشکل ہے۔

دراصل مستشرقین کی ان کوششوں کے پیچھے ایک مخصوص ذہنیت کارفرما ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ابھی تک غیر مرتب ہے، اس کی اصل ترتیب وہ ہے جس پر وہ نازل ہوا تھا، لیکن چونکہ نازل ہونے کے ساتھ اسے کتابی شکل میں لکھنے کی بجائے متفرق چیزوں پر لکھا گیا، اس لئے وہ ترتیب محفوظ نہ رہ سکی۔ راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآن کے متفرق چیزوں پر لکھا ہے کہ موجودہ ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب متفرق تحریریں جمع کیں تو وہ انہیں جس ترتیب سے ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے چلے گئے، لہٰذا اس میں کسی تاریخی یا معنوی ترتیب کا لحاظ نہیں رہ سکا۔ اب قرآن کریم کی موجودہ ترتیب ان کے خیال میں (معاذ اللہ) ایک نقص ہے، جسے وہ بزعم خود اپنی ”تحقیق“ سے دور کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ واقعات کی یہ تصویر نہ صرف خیالی، بلکہ واضح دلائل کے بالکل خلاف ہے، اس لئے کہ آیات قرآنی کی ترتیب بالاتفاق وحی سے ثابت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھی جائے گی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو اسی ترتیب سے یاد کیا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جس ترتیب سے آیتیں ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے گئے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو موجودہ قرآن میں سب سے آخری آیت ”مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا“ الخ ہونی چاہئے تھی، کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ آیت

سب سے آخر میں ملی، حالانکہ یہ آیت سورۂ احزاب میں درج ہے۔اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے سامنے جب کوئی آیت لائی جاتی تھی تو وہ اس کو اسی مقام پر لکھتے جس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تھا۔

البتہ! سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اہل علم کی دو رائیں ہیں: بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ بھی بذریعۂ وحی بتائی گئی ہے۔ اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اُسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے معین کیا ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب تو بذریعۂ وحی ہی بتادی گئی تھی۔ البتہ! بعض سورتوں، مثلاً سورۂ توبہ کے بارے میں کوئی صریح ہدایت موجود نہ تھی، اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے اُسے سورۂ انفال کے بعد رکھا۔

اسباب نزول

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ، یا کوئی سوال وغیرہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے، یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے۔ یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ''سبب نزول'' یا ''شان نزول'' کہلاتا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ [البقرة: ۲۲۱] (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور بلاشبہ ایک مؤمن کنیز ایک مشرکہ سے بہتر ہے، خواہ مشرکہ تمہیں پسند ہو)۔

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ کسی کام سے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے ان کو گناہ کی دعوت دی، تو حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کرکے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہوچکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کرسکتا ہوں۔ مدینہ طیبہ تشریف لاکر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی اجازت طلب کی، اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کردی۔ یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا ''سبب نزول'' یا ''شان نزول'' ہے۔

☆☆☆

شانِ نزول کی اہمیت، اوراس کے فوائد:

بعض ایسے لوگوں نے جنہیں علم میں پختگی اور رسوخ حاصل نہیں ہے، اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قرآن کریم بذات خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح کے لئے اسبابِ نزول کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ خیال بالکل باطل اور غلط ہے۔ اسبابِ نزول کا علم تفسیرِ قرآن کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے، اوراس کے فوائد بے شمار ہیں، جن میں سے چند یہاں بیان کئے جاتے ہیں:

(۱) علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ اسبابِ نزول جاننے کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے کن حالات میں اور کیوں نازل فرمایا؟ مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [نساء: ۴۳] (اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو)۔ اگر شانِ نزول کی روایات سامنے نہ ہوں تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب شراب ازروئے قرآن بالکل حرام ہے تو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔ اس سوال کا جواب صرف شانِ نزول سے مل سکتا ہے، چنانچہ اس کے سبب نزول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابہؓ کو کھانے پر مدعو کیا، وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی، اسی حالت میں نماز کا وقت آ گیا، تو ایک صحابی نے امامت کی، اوراس میں نشے کی وجہ سے قرآنی آیات کی تلاوت میں غلطی کر گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) بسا اوقات سببِ نزول کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا، اوراگر سببِ نزول سامنے نہ ہو تو انسان آیت کا بالکل غلط مطلب سمجھ سکتا ہے۔ یہ بات چند مثالوں سے واضح ہوگی۔ سورۂ بقرہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ۱۱۵] (اور مشرق ومغرب اللہ ہی کی ہیں، پس جدھر بھی تم رخ کرلو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے)۔ اگر اس آیت کا شانِ نزول پیش نظر نہ ہو تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، مشرق ومغرب سب اللہ کی ملکیت میں ہیں، اور وہ ہر سمت میں موجود ہے، اس لئے جس طرف بھی رخ کرلیا جائے نماز ہوجائے گی، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے، خود قرآن کریم ہی نے دوسرے مقام پر کعبہ کی طرف رخ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔

یہ عقدہ صرف شانِ نزول کو دیکھ کر ہی حل ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب

مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا، تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے، اور اللہ ہر طرف موجود ہے، لہٰذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دیدے ادھر رخ کرنا واجب ہے، اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ [المائدة: ۹۳] (جو لوگ ایمان رکھتے ہوں، اور نیک کام کرتے ہوں، ان پر کسی چیز میں کوئی گناہ نہیں، جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں، جبکہ وہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہوں، اور ایمان رکھتے ہوں)۔

اگر اس آیت کے صرف ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسی بھی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں ہے، اگر دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہو، اور عمل نیک ہوں تو انسان جو چاہے کھا پی سکتا ہے، اور چونکہ یہ آیاتِ تحریم شراب کے متصل بعد آئی ہیں، اس لئے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس آیت نے ایماندار اور نیک لوگوں کے لئے (معاذ اللہ) شراب کی بھی اجازت دیدی ہے، اور یہ صرف شبہ اور احتمال نہیں ہے۔ بعض صحابہؓ تک کو اس آیت سے غلط فہمی ہوگئی تھی، اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت سے استدلال کرکے یہ خیال ظاہر کیا کہ شراب پینے والا اگر ماضی میں نیکوکار رہا ہو، اور اس کی عام زندگی نیکیوں میں گزری ہو، تو اس پر حد (شرعی سزا) نہیں ہے۔ بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے شان نزول کے حوالہ سے ان کی اس غلط فہمی کو رفع کیا۔

درحقیقت آیت کا پسِ منظر یہ ہے کہ جب شراب اور قمار کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابہؓ نے یہ سوال کیا کہ جو صحابہؓ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے، اور اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے مرتکب ہوئے، ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، کہ جن مؤمنوں نے حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی، یا قمار کا مال کھایا، ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کے پابند رہے ہوں۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [البقرة: ۱۵۸] (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے، یا عمرہ کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ ان دونوں (صفا اور مروہ) میں چکر لگائے)۔

اس آیت کے یہ الفاظ "اس پر گناہ نہیں ہے" ان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا اور

مروہ کے درمیان سعی کرنا صرف جائز ہے، کوئی فرض یا واجب نہیں ہے، چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اسی غلط فہمی میں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ درحقیقت زمانۂ جاہلیت سے ان پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، ایک کا نام اساف تھا، دوسرے کا نائلہ، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے سعی کرنا ناجائز نہ ہو گیا ہو، ان کا یہ اشکال رفع کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ چند مثالیں محض نمونہ کے طور پر پیش کی گئی ہیں، ورنہ ایسی اور بھی مثالیں دی جا سکتی ہیں، جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بہت سی آیتوں کا صحیح مفہوم علمِ سببِ نزول کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔

(۳) قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال فرماتا ہے جن کا شانِ نزول سے گہرا تعلق ہوتا ہے، اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو وہ الفاظ (معاذ اللہ) بے فائدہ، اور بعض اوقات بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں، جس سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے۔ مثلاً سورۂ طلاق میں ارشاد ہے: ﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ﴾ [الطلاق: ۴] (اور تمہاری وہ عورتیں جو حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تم کو (ان کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدّت تین مہینے ہیں، اور جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہیں آیا تھا، ان کی بھی)۔ اس آیت میں یہ الفاظ کہ ''اگر تم کو شک ہو'' ان کا بظاہر کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا، یہاں تک کہ بعض اہل ظاہر نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر سن رسیدہ عورت کو، جس کا حیض بند ہو چکا ہو، حمل کے بارے میں کوئی شک نہ ہو، تو اس پر کوئی عدّت واجب نہیں ہے۔

لیکن سببِ نزول ان الفاظ کی وجہ بتاتا ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ نساء میں عورتوں کی عدّت بیان کی گئی، تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کی عدّت قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئی، ایک تو چھوٹی بچیاں ہیں، جنھیں حیض نہیں آتا، دوسری وہ سن رسیدہ عورتیں ہیں، جن کا حیض بند ہو گیا ہے، اور تیسری حاملہ عورتیں ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس میں تینوں قسموں کا حکم بیان کر دیا گیا۔ یا مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ﴾ [البقرة: ۲۰۰] (پس جب تم افعال حج پورے کر چکو، تو اللہ کو یاد کرو، جیسے اپنے آباء کو یاد کرتے ہو)۔

اگر سببِ نزول سامنے نہ ہو، تو اس آیت کا یہ حصہ کہ ''جیسے اپنے آباء کو یاد کرتے ہو'' بے جوڑ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس خاص مقام پر اللہ کی یاد کو آباء واجداد سے تشبیہ دینے کا کیا مطلب ہے؟

لیکن سبب نزول سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہاں مزدلفہ کے وقوف کا ذکر ہو رہا ہے، اور مشرکین عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اپنے اپنے آباء واجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اب یہاں باپ دادوں کی شیخیاں بگھارنے کی بجائے اللہ کا ذکر کیا کرو۔

(۴) قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی کم نہیں ہیں جن میں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصراً اشارہ کیا گیا ہے، اور جب تک واقعہ معلوم نہ ہو ان آیات کا مطلب سمجھا ہی نہیں جا سکتا، مثلاً ارشاد ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الأنفال: ۱۷] (اور جس وقت آپ نے (خاک کی مٹی) پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی)۔ دراصل اس آیت میں غزوۂ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے نرغے کے وقت خاک کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تھی، اور اس کے بعد نرغہ ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن غور فرمائیے کہ اگر یہ سبب نزول ذہن میں نہ ہو تو آیت کا مطلب کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

یہاں اسباب نزول کے فوائد بیان کرنا مقصود نہیں ہیں، لیکن مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کریم کی تفسیر میں اسباب نزول کی کیا اہمیت ہے، اسی وجہ سے امام مہدیؒ فرماتے ہیں:

"جب تک آیت کا سبب نزول اور متعلقہ واقعہ معلوم نہ ہو، اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔" لہٰذا جن لوگوں نے تفسیر قرآن کریم کے معاملہ میں اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کیا ہے، وہ یا تو ناواقف ہیں، یا اسباب نزول سے آزاد ہو کر قرآن کے مضامین کو اپنا من مانا مفہوم پہنانے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔

اسبابِ نزول اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں اسباب نزول پر جو محققانہ بحث کی ہے، بعض لوگ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکے، اس لئے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفسیر میں اسباب نزول کو اہمیت نہیں دی، یا اس کی اہمیت کو کم کر دیا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ خیال حضرت شاہ صاحبؒ کا مطلب نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہور اُمت کی طرح وہ بھی اسباب نزول کے علم کو تفسیر کے لئے لازمی شرط قرار دیتے ہیں، لیکن انہوں نے جو بات لکھی ہے وہ یہ ہے:

ويذكر المحدثون في ذيل آيات القرآن كثيراً من الأشياء ليست من قسم سبب النزول في الحقيقة مثل استشهاد الصحابة في مناظراتهم بآية أو تمثيلهم بآية، أو تلاوته صلى الله عليه وآله وسلم آية للاستشهاد في

كلامه الشريف أو رواية حديث وافق الأية في أصل الغرض أوتعيين موضع النزول أوتعيين أسماء المذكورين بطريق الإبهام أو بطريق التلفظ بكلمة قرانية أو فضل سور وأيات من القرأن أو صورة امتثاله ﷺ بأمر من أوامر القرأن ونحو ذلک، وليس شئ من هذا في الحقيقة من أسباب النزول۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں ایک ایک آیت کے تحت بعض اوقات دسیوں روایات لکھی ہوتی ہیں، یہ تمام روایات اسباب نزول سے متعلق نہیں ہوتیں، بلکہ اس میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہوجاتی ہیں:

(۱) بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل پیش کردی، مفسرین یہ واقعہ اس آیت کے تحت ادنیٰ مناسبت سے ذکر کرتے ہیں۔

(۲) بعض مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کسی موقع پر اس آیت سے استشہاد فرمایا، مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کرتے ہیں۔

(۳) جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے، بعض مرتبہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی، تفسیر کی کتابوں میں وہ بھی اس آیت کے تحت روایت کردی جاتی ہے۔

(۴) بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ آیت کس مقام پر نازل ہوئی، یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہوجاتی ہے۔

(۵) بعض دفعہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر فرماتا ہے، اور ان کا نام ذکر نہیں کرتا، مفسرین روایتوں کے ذریعہ ان لوگوں کے نام متعین کردیتے ہیں۔

(۶) بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتی ہیں۔

(۷) بعض احادیث اور آیات میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر نقل کردیتے ہیں۔

(۸) بعض مقامات پر ایسی احادیث بھی تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے ان احکام پر آنحضرت ﷺ نے کس طرح عمل فرمایا؟

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی روایات نہ سبب نزول کی تعریف میں داخل ہیں، اور نہ مفسر

کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے پوری طرح واقف ہو۔

البتہ! جو روایات واقعۃً آیت کا سبب نزول ہیں، ان کا جاننا مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے، اور اس کے بغیر علم تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ آگے لکھتے ہیں: **وإنما شرط المفسر أمران: الأول ماتعرض به الأيات من القصص فلايتيسر فهم الإيماء بتلک الأيات إلابمعرفة تلک القصص۔ والثانی مایخصص العام من القصة أومثل ذلک من وجوه صرف الکلام عن الظاهر فلايتيسر فهم المقصود من الأيات بدونها۔** (البتہ مفسر کے لئے دو باتوں کا جاننا لازمی کی حیثیت رکھتا ہے: ایک تو وہ واقعات ہیں جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے، اور جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ دوسرے کسی قصہ وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں، لیکن شان نزول سے اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، یا کلام کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے، اور سبب نزول کوئی دوسرا مفہوم متعین کرتا ہے، اس جیسی روایات کا علم حاصل کئے بغیر آیات قرآنی کو سمجھنا مشکل ہے۔

سببِ نزول، اور احکام کا عموم وخصوص:

کسی سبب نزول کے تحت قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں، وہ اپنے عموم وخصوص کے لحاظ سے چار قسم کی ہیں:

(۱) وہ آیتیں جن میں کسی خاص شخص کا نام لے کر یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ آیت کا مضمون اسی کے حق میں ہے۔ ایسی آیتوں کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان کا مضمون صرف اسی معین شخص کے بارے میں قرار دیا جائے گا، اور وہ دوسروں کو شامل نہیں ہوگا، مثلاً ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١﴾ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں''۔ اس آیت کا شان نزول معروف ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، تو اس پر ابولہب نے کہا تھا: **تبالک ألهذا دعوتنا**۔ تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا تم نے ہمیں اِسی لئے بلایا تھا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس میں خاص ابولہب کا نام لے کر اس کیلئے وعید بیان فرمائی گئی ہے، اس لئے یہ وعید خاص اسی کے لیے ہے۔

(۲) آیتوں کی دوسری قسم وہ ہے جن میں کسی خاص شخص، یا گروہ، یا چیز کا نام لیے بغیر اس کے کچھ اوصاف بیان کیے گئے ہیں، اور ان اوصاف پر کوئی حکم لگایا گیا ہے، لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد فلاں

معین شخص، یا فلاں معین گروہ، یا فلاں معین چیز ہے، اس صورت کے بارے میں بھی تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مضمون یا حکم صرف اسی شخص یا گروہ یا چیز کی حد تک مخصوص رہے گا، جو قرآن کریم کی مراد ہے، اور کوئی دوسرا اس میں داخل نہیں ہوگا، خواہ وہ اوصاف اس میں بھی پائے جاتے ہوں، مثلاً سورۃ اللیل میں ارشاد ہے: ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾﴾ اور اس (آگ) سے وہ متقی ترین شخص بچالیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کی غرض سے (مستحقین کو) دیتا ہے۔

یہ آیت باتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو مفلس غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ یہاں اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن اوصاف انہی کے بیان کئے گئے ہیں، اور روایاتِ حدیث سے ثابت ہے کہ ان سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، لہٰذا اس آیت کی فضیلت بلا شرکت غیرے انہی کو حاصل ہے۔ اسی لئے امام رازیؒ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ اس آیت میں انہیں اَتْقٰی (متقی ترین شخص) کہا گیا ہے۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [حجرات: ۱۳] ''بلاشبہ تم میں سب سے زیادہ قابل اکرام شخص وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو''۔

بہر حال! باوجودیکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہاں نام نہیں لیا گیا، لیکن جمہور مفسرین نے آیت کو انہی کے حق میں خاص قرار دیا ہے، کیونکہ تخصیص کی دو دلیلیں موجود ہیں: (ایک یہ ''الْأَتْقَى'' کا لفظ (الف لام عہد کے ساتھ) صرف ایک ہی شخص کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔ دوسرے روایات حدیث نے ان کی تعیین کردی ہے، لہٰذا اگر کوئی اور شخص بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے، تو وہ اس کے لئے کتنا ہی باعث اجر کیوں نہ ہو، لیکن آیت بالا کا مصداق ہونے کی فضیلت اُسے حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۳) تیسری وہ آیت آتی ہے جو نازل تو کسی خاص واقعہ میں ہوئی تھی، لیکن الفاظ عام ہیں، آیت کے صریح الفاظ، یا اور کسی خارجی دلیل سے بھی یہ معلوم ہوگیا ہے، کہ آیت کا حکم اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس نوعیت کے ہر ایک واقعہ کا یہی حکم ہے۔ اس قسم کے بارے میں بھی تمام اہلِ علم متفق ہیں کہ اس صورت میں آیت کا حکم اس کے الفاظ کے تابع ہوکر عام رہے گا، صرف سبب نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوگا، مثلاً سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات کے بارے میں یہ ثابت ہے وہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جن کے شوہر نے ان

سے یہ کہہ دیا تھا کہ: ’’أنت عليَّ کظهر أمي‘‘ (تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو) لیکن آیت میں جن الفاظ کے ذریعے حکم بیان کیا گیا وہ اس بات کی صراحت کر رہے ہیں کہ یہ حکم صرف خولہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کے لئے نہیں ہے، بلکہ تمام ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں۔ (یعنی مذکورہ بالا الفاظ کہہ دیں) (ایسے تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت کرنے سے قبل ایک غلام آزاد کریں، یا ساٹھ (۶۰) روزے رکھیں، یا ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلائیں)۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ آیت کسی خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی لیکن الفاظ عام استعمال کئے گئے، اور آیت یا کسی خارجی دلیل سے یہ صراحت معلوم نہیں ہوتی کہ آیت کا حکم یا مضمون صرف اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے، یا اس نوعیت کے ہر واقعہ کے لئے عام ہے۔ اس صورت میں اہلِ علم کا تھوڑا سا اختلاف رہا ہے: بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس صورت میں آیت کو صرف سببِ نزول کے واقعہ کے ساتھ مخصوص رکھا جائے گا۔ لیکن جمہور علماء و فقہاء کی رائے اس کے برخلاف یہ ہے کہ مذکورہ شکل میں سببِ نزول کے خاص واقعے کی بجائے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا، اور آیت کے الفاظ جس جس صورت کو شامل ہوں ان کا حکم بھی ان سب پر نافذ کیا جائے گا۔ اس قاعدہ کے لئے علماء اصول فقہ وتفسیر میں یہ جملہ مشہور ہے کہ: ’’العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب‘‘۔ ’’اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا، نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا‘‘۔

لیکن درحقیقت یہ اختلاف نظریاتی نوعیت کا ہے، عملاً اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ جو حضرات آیاتِ قرآنی کو ان کے سبب نزول کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں، وہ بھی عملاً آیت کا حکم اس نوعیت کے دوسرے واقعات میں جاری کردیتے ہیں، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک تو اس حکم کا مأخذ وہی آیت ہوتا ہے، اور یہ حضرات اس کا مأخذ کسی دوسری دلیل شرعی مثلاً حدیث، اجماع، یا قیاس وغیرہ کو قرار دیتے ہیں۔

وضاحت کے لئے ایک مثال پر غور فرمائیے، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [البقرة: ۲۸۰] ’’اور اگر (قرض دار) تنگدست ہو تو اُسے کشادہ گی تک مہلت دیدو‘‘۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بنو عمرو بن عمیر کا کچھ قرض بنو مغیرہ پر واجب تھا، جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو بنو عمرو نے اپنے مقروض قبیلے سے کہا کہ ہم سود تو چھوڑتے ہیں، لیکن اصل قرضہ واپس کرو، بنو مغیرہ نے کہا کہ اس وقت ہمارا ہاتھ تنگ ہے، اس لئے ہمیں کچھ مہلت دیدو، بنو عمرو نے مہلت دینے سے انکار کیا، تو اس پر یہ آیت نازل

ہوئی۔

اب آیت کا یہ حکم تو سب کے نزدیک عام ہے، ہر قرض خواہ کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مقروض کو تنگ دست دیکھے تو اسے مہلت دیدے، لیکن فرق اتنا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ عام حکم اسی آیت سے ثابت ہوا ہے۔ اور جو لوگ آیت کو سبب نزول کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا حکم تو صرف بنو عمرو کے لیے تھا، لیکن دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ حکم ان احادیث سے ثابت ہوا ہے جن میں مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ اس اختلاف کا عملی طور پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا۔

سببِ نزول، اور اختلافِ روایات:

اسباب نزول کے سلسلے میں تفسیر کے دوران ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں کئی کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں، اور جو شخص تفسیر کے اصول سے واقف نہ ہو وہ اُلجھن اور طرح طرح کے شبہات میں مبتلاء ہو جاتا ہے، اس لئے یہاں اس اختلاف روایت کی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے۔

اصول تفسیر اور اصول فقہ کے علماء نے اس سلسلے میں بڑے کارآمد قواعد بیان فرمائے ہیں، یہاں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ استعمال فرماتے ہیں کہ: "نزلت الآیۃ فی کذا" (یہ آیت فلاں مسئلہ یا معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی)۔ ان الفاظ سے بظاہر یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ آیت کا سبب نزول بیان فرما رہے ہیں، حالانکہ ان الفاظ سے ان کا مقصد ہمیشہ سبب نزول بیان کرنا نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا معاملہ آیت کے حکم کے تحت داخل ہے، مثلاً سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ [النساء: ۱۱۸] (اور میں ان (انسانوں) کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالیں گے)۔

اس کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اختصاء (خصیتین نکلوا دینے) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عہدِ رسالت میں کسی نے خصیتین نکلوا دیئے تھے، اور یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اختصاء کا عمل بھی انہی شیطانی افعال میں داخل ہے جنہیں شیطان نے اللہ کی تخلیق بدل ڈالنے سے تعبیر کیا ہے، ورنہ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ: "اللہ تعالیٰ

کی تخلیق کو بدل دینا'' اختصاء میں منحصر ہے، بلکہ اس کی اور بھی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، جن کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے۔ صحابہؓ وتابعینؒ کا یہ اسلوب بیان معلوم ہونے سے شان نزول کے باب میں دو قاعدے واضح ہوتے ہیں۔

(الف)......ایک قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو مختلف روایتیں ہوں، دونوں میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوں کہ: ''نزلت الآية في كذا'' (یہ آیت فلاں مسئلہ یا معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی) لیکن دونوں نے الگ الگ معاملات ذکر کئے ہوں، تو درحقیقت دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا کہ یہ معاملہ آیت کا سبب نزول ہے، بلکہ منشاء یہ ہوتا ہے کہ معاملہ آیت کے مفہوم اور حکم میں داخل ہے۔ یہ بات ایک الگ مثال سے واضح ہوگی، باری تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ [السجدة:۱۶] (ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں)۔ اس کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفلیں پڑھتے رہتے تھے۔ ایک اور روایت میں انہی سے مروی ہے کہ یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نمازِ عشاء کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے۔ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے تہجد گزار حضرات کے بارے میں قرار دیتے ہیں۔ اب بظاہر یہ اختلاف شانِ نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ آیت کے مختلف مصداق ہیں، اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(ب)......دوسرا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو روایتیں ہوں: ایک میں: ''نزلت الآية في كذا'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں، اور دوسری میں صراحۃً کسی واقعہ کو آیت کا سبب نزول قرار دیا گیا ہو، تو دوسری روایت پر اعتماد کیا جائے گا، اور پہلی روایت میں چونکہ شان نزول کا مفہوم صریح نہیں ہے، اس لئے اسے راوی کے اپنے اجتہاد واستنباط پر محمول کیا جائے گا، مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [البقرة:۲۲۳] (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس اپنی کھیتی میں آؤ جہاں سے چاہو)۔

اس آیت کے بارے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''أنزلت في إتيان النساء في أدبارهن''۔ (یہ آیت عورتوں کے ساتھ پشت میں صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے) لیکن حضرت جابرؓ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اس کا سبب نزول صراحۃً یہ بتاتے ہیں کہ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اگر

مباشرت پیچھے کی جانب سے اگلے ہی حصہ میں کی جائے، تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے، اس تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے یہ واضح کر دیا کہ مباشرت کی جگہ تو ایک ہی ہے (یعنی اگلا حصہ) جس سے اولاد پیدا ہو سکے، لیکن اس کے لئے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت چونکہ مفصل اور صریح ہے، اس لئے اس کو ترجیح ہوگی، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو ان کا استنباط قرار دیا جائے گا۔ اور در حقیقت ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پشت میں صحبت کرنا اس آیت کی رو سے جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے (کیونکہ اس میں عورت کو کھیتی، یعنی پیدائش اولاد کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، اور وہ لواطت میں ممکن نہیں)۔

(۲) سبب نزول معین کرنے کے لیے دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر ایک روایت صحیح سند کے ساتھ آئی ہو، اور دوسری ضعیف یا مجروح سند کے ساتھ، تو صحیح روایت کو اختیار کر لیا جائے گا، اور ضعیف کو ترک کر دیا جائے گا، مثلاً سورۂ ضحیٰ کی ابتدائی آیات ہیں: ﴿وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣﴾ (قسم وقت چاشت کی، اور رات کی، جب وہ چھا جائے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے، اور نہ خفا ہوا ہے)۔

اس آیت کے شان نزول میں بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی تکلیف کی وجہ سے ایک یا دو راتیں تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے، اس پر ایک کافر عورت نے طعن دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے (معاذ اللہ) شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، اس پر یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ دوسری طرف طبرانی اور ابن شیبہ نے حفص بن میسرہ کی نانی خولہ رضی اللہ عنہا سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ تھیں) یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتے کا پلا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آ کر چارپائی کے نیچے بیٹھ گیا، اور وہیں اسے موت آ گئی، اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل نہ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو جبرئیلؑ میرے پاس نہیں آ رہے؟ میں نے دل میں کہا کہ مجھے گھر میں جھاڑ پونچھ کرنی چاہئے، چنانچہ میں نے جھاڑو چارپائی کے نیچے مار کر صفائی کی، تو پلا نکل آیا، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

لیکن یہ دوسری روایت سنداً صحیح نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں، لہٰذا قابل اعتماد شان نزول وہی ہے جو صحیح بخاری میں مروی ہے۔

(۳) بعض مرتبہ شانِ نزول کی دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں، لیکن کسی ایک روایت کے حق میں کوئی وجہِ ترجیح پائی جاتی ہے، مثلاً یہ کہ ایک کی سند دوسری کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے، یا ایک کا راوی ایسا ہے جو واقعہ کے وقت موجود تھا، اور دوسری روایت کا راوی واقعہ کے وقت موجود نہیں تھا، ایسی صورت میں اس روایت کو اختیار کیا جائے گا جس کے حق میں وجہِ ترجیح موجود ہے، اس کی مثال سورۂ اسراء کی یہ آیت ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [الإسراء: ۸۵] (یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے، اور تمہیں نہیں دیا گیا علم کا حصہ، مگر تھوڑا)۔

اس آیت کے شانِ نزول میں ایک روایت تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اور آپ کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لے کر چل رہے تھے، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس سے ہوا، تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ان (حضور) سے کچھ سوالات کرنے چاہئیں، چنانچہ انہوں نے آکر آپ سے کہا کہ: ''ہمیں روح کے بارے میں بتادیئے''، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک گئے، اور تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرِ اقدس اٹھایا، میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ الخ۔

دوسری روایت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ قریشِ مکہ نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم ان صاحب (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھ سکیں، اس پر یہودیوں نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اور دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، سند کے اعتبار سے بھی دونوں روایتیں صحیح ہیں، لیکن پہلی روایت کے حق میں یہ وجہِ ترجیح موجود ہے کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے وقت خود موجود تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ خود اس واقعہ کے وقت حاضر ہوں، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قابلِ ترجیح ہے۔

(۴) بعض مرتبہ ایک آیت کے اسبابِ نزول ایک سے زائد ہوتے ہیں، یعنی ایک جیسے کئی واقعات یکے

بعد دیگرے پیش آتے ہیں، اور ان سب کے بعد آیت نازل ہوتی ہے، اب کوئی راوی اس آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ ذکر کرتا ہے، اور دوسرا کوئی اور واقعہ ذکر کرتا ہے، بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت تعارض نہیں ہوتا، کیونکہ دونوں ہی واقعات سبب نزول ہوتے ہیں، مثلاً سورۂ نور کی آیات لعان کے بارے امام بخاریؒ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ دوسری طرف امام بخاریؒ ہی نے ایک روایت حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ ملوث دیکھے، اور اس شخص کو قتل کر دے، تو کیا اس سے قصاص لیا جائے گا؟ ایسے شخص کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں، اور پھر یہی آیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنائیں۔ تیسری طرف مسند بزار میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اسی قسم کا سوال و جواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

واقعہ درحقیقت یہ ہے کہ تینوں واقعات ان آیات کے نزول سے قبل پیش آچکے تھے، اس لئے ان میں سے ہر ایک کو سبب نزول قرار دینا درست ہے۔

(۵) بعض اوقات اس کے برعکس ایسا ہوتا ہے کہ واقعہ ایک ہوتا ہے، مگر اس کے سبب سے کئی آیتیں نازل ہوجاتی ہیں، اب ایک راوی اس واقعہ کو نقل کر کے کہتا ہے کہ اس پر فلاں آیت نازل ہوئی، اور دوسرا اسی واقعہ کو نقل کر کے کسی دوسری آیت کا حوالہ دیتا ہے، اس سے بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں کوئی تضاد نہیں ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرآن کریم میں ہجرت وغیرہ کے باب میں مجھے عورتوں کا ذکر نہیں ملتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ [آل عمران: ۱۹۵] (پس ان کے ربّ نے ان کی دعا کو قبول کرلیا، اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو تم میں سے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت)۔

امام حاکمؒ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرآن کریم میں مردوں ہی کا ذکر ہے، عورتوں کا کہیں تذکرہ نہیں؟ اس پر ایک آیت تو: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾

اِلخ نازل ہوئی، اور دوسری: ﴿اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ نازل ہوئی۔

تکرار نزول اور اس کی حقیقت:

(۶) چھٹی صورت تکرار نزول کی ہے، یعنی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی آیت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئی، اور ہر مرتبہ اس کا نزول کسی نئے واقعہ کے پس منظر میں ہوا، اب کسی راوی نے ایک نزول کا واقعہ ذکر کر دیا، اور کسی نے دوسرے نزول کا، اس سے ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں تضاد اس لئے نہیں ہوتا کہ آیت دونوں واقعات میں دو مرتبہ نازل ہوئی، مثلاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا، تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ چچا جان! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے آپ کی سفارش کروں گا۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ ابن امیہ بھی موجود تھے، انہوں نے ابو طالب کو ایمان کی طرف مائل ہوتے دیکھا تو فوراً بولے: ''کیا تم عبدالمطلب کے دین سے برگشتہ ہونا چاہتے ہو؟''، اس کے بعد وہ دونوں بولتے ہی رہے، یہاں تک کہ ابو طالب یہ کہہ اٹھے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں آپ کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے''، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ﴾ [التوبہ: ۱۱۳] (نبی کو اور مسلمانوں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں)۔

دوسری طرف امام ترمذیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بسند حسن نقل کیا ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے سنا، میں نے اس سے کہا کہ تمہارے والدین تو مشرک تھے، ان کے لیے استغفار کیسے کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، حالانکہ ان کے والد بھی مشرک تھے، یہ بات میں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کی، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تیسری طرف امام حاکمؒ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن قبرستان تشریف لے گئے، اور ایک قبر کے پاس بیٹھ کر دیر تک مناجات کرتے اور روتے رہے، پھر فرمایا کہ جس قبر کے پاس میں بیٹھا تھا وہ میری والدہ کی قبر تھی، میں نے اپنے پروردگار سے ان کے لئے دعا کرنے کی اجازت چاہی، تو مجھے اجازت نہیں ملی، اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ الخ۔

یہاں تینوں واقعات میں ایک ہی آیت کا نزول بیان کیا گیا ہے، چنانچہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت

تینوں مرتبہ الگ الگ نازل ہوئی۔

اب یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب ایک آیت ایک مرتبہ نازل ہو چکی، اسے لکھ کر محفوظ کرلیا گیا، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یاد ہو گئی، تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ اسے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا بہترین جواب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے دیا ہے، وہ یہ کہ تکرار نزول کی مذکورہ بالا صورت میں آیت کا اصلی نزول تو ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے، لیکن وہ آیت جس واقعہ میں نازل ہوئی تھی، جب اسی جیسا کوئی اور واقعہ پیش آتا ہے، تو وہی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں دوبارہ ڈال دی جاتی ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں بھی اسی آیت سے راہنمائی ملے گی۔ یہ آیت کا قلب مبارک میں مستحضر ہو جانا چونکہ منجانب اللہ ہوتا ہے، اس لئے یہ وہی ''نفث فی الروع'' ہے جو وحی کی ایک قسم ہے، اور جس کا مفصل بیان وحی کے طریقوں میں پیچھے گزر چکا ہے، اسی کو مفسرین نزول مکرر سے تعبیر فرمادیتے ہیں، گویا جتنی مرتبہ وہ آیت قلب میں منجانب اللہ وارد ہوئی، اتنی ہی مرتبہ اس کا نزول ہوا۔

اسباب نزول کے سلسلے میں روایات کے اندر جو تعارض یا اختلاف ہوتا ہے وہ مذکورہ بالا چھ اصولوں کے تحت عموماً بآسانی دور ہو جاتا ہے، اور یہ چھ اصول ذہن میں رہیں تو اختلاف روایات کی صورت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔

(ماخوذ از ''علوم القرآن'' لشیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم)

سبحان اللہ وبحمدہ

ناسخ ومنسوخ

نسخ کی حقیقت:

علوم قرآن میں ایک اور اہم بحث ناسخ ومنسوخ کی ہے۔ یہ بحث بڑی پہلو دار اور طویل الذیل ہے، لیکن یہاں اس کی تمام تفصیلات بیان کرنے کی بجائے اس کے متعلق صرف بنیادی معلومات پیش خدمت ہیں۔

''نسخ'' کے لغوی معنی ہیں: ''مٹانا، ازالہ کرنا''۔ اور اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے: ''رفع الحکم الشرعی بالدلیل الشرعی'' کسی حکم شرعی کو کسی دلیل شرعی سے ختم کردینا۔

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے، پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کرکے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرمادیتا ہے، اس عمل کو ''نسخ'' کہا جاتا ہے، اور اس طرح جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اُسے ''منسوخ'' اور جو نیا حکم آتا ہے اُسے ''ناسخ'' کہتے ہیں۔

نسخ کا عقلی ونقلی ثبوت:

یہودیوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں ''نسخ'' نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر ''نسخ'' کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی اپنی رائے میں تبدیلی کرلیتا ہے۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ اگر احکام الٰہی میں ناسخ ومنسوخ کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کو مناسب سمجھا تھا، بعد میں (معاذ اللہ) اپنی غلطی واضح ہونے پر اُسے واپس لے لیا، جسے اصطلاح میں ''بداء'' کہتے ہیں۔

لیکن یہودیوں کا یہ اعتراض بہت سطحی نوعیت کا ہے، اور ذرا سا بھی غور کیا جائے تو اس کی غلطی واضح ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ ''نسخ'' کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا، بلکہ ہر زمانے میں اُس دور کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے۔ ناسخ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ منسوخ کو غلط قرار دے، بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدت نفاذ متعین کردے، اور یہ بتادے کہ پہلا حکم جتنے زمانے تک نافذ رہا اُس زمانے کے لحاظ سے تو وہی مناسب تھا، لیکن اب حالات کی تبدیلی کی بناء پر ایک نئے حکم کی ضرورت ہے۔ جو شخص بھی سلامتِ فکر کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجے پر

پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تبدیلی حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے، اور اسے کسی بھی اعتبار سے کوئی عیب نہیں کہا جاسکتا۔ حکیم وہ نہیں ہے جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے، بلکہ حکیم وہ ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری کے ساتھ غور کرکے نسخہ میں اُن کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہے۔

اور یہ بات صرف شرعی احکام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، کائنات کا سارا کارخانہ اسی اصول پر چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے موسموں میں تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے، کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی برسات، کبھی خشک سالی، یہ سارے تغیرات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عین مطابق ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اسے ''بداء'' قرار دے کر اس پر یہ اعتراض کرنے لگے کہ اس سے معاذ اللہ خدا کی رائے میں تبدیلی لازم آتی ہے، کہ اس نے ایک وقت سردی کو پسند کیا تھا، بعد میں غلطی واضح ہوئی، اور اس کی جگہ گرمی بھیج دی، تو اُسے احمق کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ بعینہٖ یہی معاملہ شرعی احکام کے نسخ کا ہے، کہ اُسے ''بداء'' قرار دے کر کوئی عیب سمجھنا انتہاء درجہ کی کوتاہ نظری، اور حقائق سے بیگانگی ہے۔

چنانچہ ''نسخ'' صرف اُمت محمدیہ کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ جاری رہا ہے، جس کی بہت سی مثالیں موجودہ بائبل میں بھی ملتی ہیں، مثلاً بائبل میں ہے کہ: ''حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو (۲) بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا، اور خود حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں لیاہ اور راحیل آپس میں بہنیں تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دیدیا گیا''۔ ''حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام کردیئے گئے''۔ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے زناکار ہونے کے سوا اُسے طلاق دینے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی گئی''۔ غرض بائبل کے عہد نامہ جدید وقدیم میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن میں کسی پرانے حکم کو نئے حکم کے ذریعہ منسوخ کردیا گیا۔

نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق:

لفظ ''نسخ'' کے استعمال میں علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان اصطلاح کا ایک فرق رہا ہے، جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔ متقدمین کی اصطلاح میں لفظ ''نسخ'' ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا، اور اس میں وہ بہت سی صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں ''نسخ'' نہیں کہلاتیں، مثلاً متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید

وغیرہ بھی ''نسخ'' کے مفہوم میں داخل تھیں، چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اور دوسری میں انہیں کسی خاص صورت سے مخصوص کر دیا گیا ہے، تو علمائے متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیدیتے ہیں، جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اس کو ختم کر دیا ہے۔

مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط [بقرہ:۲۲۱] ''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

اس میں ''مشرک عورتوں'' کا لفظ عام ہے، اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں، یا اہل کتاب، لیکن ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ [المائدة:۵] اور (تمہارے لئے حلال ہیں) اہل کتاب میں سے باعفّت عورتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں ''مشرک عورتوں'' سے مراد وہ مشرک عورتیں ہیں جو اہل کتاب نہ ہوں، لہٰذا اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے عام الفاظ میں تخصیص پیدا کر دی ہے، اور بتا دیا ہے کہ ان الفاظ سے مراد مخصوص قسم کی مشرک عورتیں ہیں۔ متقدمین اس کو بھی ''نسخ'' کہتے ہیں، اور پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک ''نسخ'' کا مفہوم اتنا وسیع نہیں ہے، وہ صرف اس صورت کو ''نسخ'' قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو، محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید پیدا ہو جائے تو اُسے وہ ''نسخ'' نہیں کہتے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں متاخرین یہ کہتے ہیں کہ اس میں نسخ نہیں ہوا، کیونکہ اصل حکم (مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت) بدستور باقی ہے، صرف اتنا ہوا ہے کہ دوسری آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ پہلی آیت کا مفہوم اتنا عام نہیں تھا کہ اس میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل ہو جائیں، بلکہ وہ صرف غیر اہل کتاب کے ساتھ مخصوص تھا۔

اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور وہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیدیتے تھے، لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔

☆☆☆

قرآن کریم میں نسخ کی بحث:

اس بات میں تو امت کے کسی فرد کا اختلاف ہمیں معلوم نہیں ہے کہ شرعی احکام میں نسخ کا سلسلہ پچھلی امتوں کے وقت سے جاری رہا ہے۔ اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے ہیں، مثلاً پہلے حکم یہ تھا کہ نماز میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے، بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدیا گیا، اور اس میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اس میں آراء کا کچھ اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں نسخ ہوا ہے یا نہیں؟ دوسرے الفاظ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ کیا قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت موجود ہے جس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو، اور اس کی تلاوت اب بھی کی جاتی ہو؟ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن معتزلہ میں سے ابو مسلم اصفہانی کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی، بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں۔ ابو مسلم اصفہانی کی اتباع میں بعض دوسرے حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، اور ہمارے زمانے میں اکثر تجدد پسند حضرات اسی کے قائل ہیں، چنانچہ جن آیتوں میں نسخ معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ان کی ایسی تشریح کرتے ہیں جس سے نسخ تسلیم نہ کرنا پڑے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے، اور اسے اختیار کرنے کے بعد بعض قرآنی آیت کی تفسیر میں ایسی کھینچ تان کرنی پڑتی ہے جو اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔

جو حضرات قرآن کریم میں نسخ کے وجود کے قائل نہیں ہیں، دراصل ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ''نسخ'' ایک عیب ہے، جس سے قرآن کریم کو خالی ہونا چاہئے، حالانکہ آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ ''نسخ'' کو عیب سمجھنا کتنی کوتاہ نظری کی بات ہے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ ابو مسلم اصفہانی اور ان کے متبعین عموماً یہود و نصاریٰ کی طرح اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام میں نسخ ہوا ہے، بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں نسخ نہیں ہے۔ اب اگر ''نسخ'' کوئی عیب ہے تو غیر قرآنی احکام میں یہ عیب کیسے پیدا ہو گیا؟ جبکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔ اور اگر یہ کوئی عیب نہیں ہے تو جو چیز غیر قرآنی احکام میں عیب نہیں تھی، وہ قرآنی احکام میں عیب کیسے قرار دی گئی؟ کہا جاتا ہے کہ یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں کوئی آیت محض تبرّکاً تلاوت کے لئے باقی رہ جائے، اور اس پر عمل کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہو۔

لیکن نہ جانے اس بات کو حکمت الٰہیہ کے خلاف کس بناء پر قرار دیدیا گیا ہے، حالانکہ قرآن کریم کی منسوخ

آیات کے باقی رہنے میں بہت سی مصلحتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً اس سے احکام شرعیہ میں تدریج کی حکمت واضح ہوتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام کا پابند بنانے میں کس حکیمانہ طریقے سے کام لیا ہے؟ نیز اس سے شرعی احکام کی تاریخ کا علم ہوتا ہے، اور یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کب اور کیا حکم نافذ کیا گیا تھا؟ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر پچھلی امتوں کے اُن احکام کا ذکر فرمایا ہے جو امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ و السلام) میں منسوخ ہو گئے، مثلاً ارشاد ہے: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ [الأنعام:٦:١٤٦] (اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کردیئے تھے، اور گائے اور بکری (کے اجزاء میں سے) ان دونوں کی چربیاں اُن پر ہم نے حرام کردی تھیں، مگر وہ (چربی) جو اُن (دونوں) کی پشت پر، یا آنتوں میں لگی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو)۔

ظاہر ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک منسوخ حکم کا تذکرہ اسی لئے فرمایا ہے کہ اس سے عبرت و موعظت حاصل کی جائے۔ اگر قرآن کریم میں بعض منسوخ الحکم آیات کی تلاوت اسی مقصد کے لئے باقی رکھی گئی ہو تو اس میں کون سی بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے؟ پھر یہ دعویٰ کون کرسکتا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے ہر کام کی حکمت معلوم ہے؟ یا وہ ہر آیت قرآنی کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ اُس کے نزول میں کیا کیا حکمتیں تھیں؟ اگر کسی شخص کا یہ دعویٰ درست نہیں ہوسکتا، اور یقیناً نہیں ہوسکتا، تو پھر اللہ تعالیٰ کے کسی کام سے محض اس بناء پر کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ اس کی حکمت ہمیں معلوم نہیں ہوسکی، جبکہ اس کام کا وقوع شرعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات قرآن کریم میں نسخ کے قائل نہیں ہیں، اُن کا وہ بنیادی مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے جس پر انہوں نے اپنے نظریئے کی ساری عمارت کھڑی کی ہے۔ انہوں نے بعض قرآنی آیات کو دور دراز کے معانی صرف اسی لئے پہنائے ہیں کہ اُن کی نظر میں "نسخ" ایک عیب ہے، جس سے وہ قرآن کریم کو خالی دیکھنا اور دکھانا چاہتے تھے۔ اور اگر اُن پر یہ بات واضح ہوجائے کہ نسخ کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ حکمت الٰہیہ کا عین تقاضا ہے، تو وہ ایسی آیتوں کی تفسیر وہی کریں گے جو عام طور سے کی جاتی ہے، کیونکہ ظاہر اور متبادر تفسیر وہی ہے، مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے: مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾ [البقرة] (جس آیت کو بھی ہم منسوخ کریں گے، یا بھلائیں گے، اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آئیں

گے، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟)۔

اس آیت کو جو شخص بھی غیر جانبداری کے ساتھ خالی الذہن ہو کر پڑھے گا وہ اس سے یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قرآن کریم کی آیات میں نسخ کا سلسلہ خود قرآن کریم کی تصریح کے مطابق جاری رہا ہے۔ لیکن ابو مسلم اصفہانی اور ان کے ہمنوا جو نسخ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک عیب سمجھ کر قرآن کریم کو اس سے خالی قرار دینا چاہتے ہیں، وہ مذکورہ آیت میں دُور از کار تاویلات کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایک فرضی صورت کا بیان کیا گیا ہے، اور مطلب ہے یہ کہ اگر بالفرض ہم نے کسی آیت کو منسوخ کیا تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت نازل کردیں گے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی کوئی آیت ضرور منسوخ کی جائے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک آیت میں ارشاد ہے: اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ [الزخرف:۸۱] (اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی لڑکا ہوتو میں سب سے پہلے اس کی پرستش کروں گا)۔

منکرین نسخ کہتے ہیں کہ جس طرح یہاں ایک فرضی صورت کا بیان ہوا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی لڑکا ہوگا، اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں نسخ کا ذکر صرف ایک فرضی صورت کے طور پر کیا گیا ہے، جس کا واقعہ میں موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

لیکن آیت مذکورہ کی یہ تشریح ایک دور از کار تاویل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اس لئے کہ اگر قرآن کریم کے آیات میں کبھی نسخ واقع نہیں ہونا تھا تو اللہ تعالیٰ کو بطور فرض ہی سہی اس کا ذکر فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ قرآن کریم کا یہ منصب ہرگز نہیں ہے کہ جو واقعات کبھی پیش نہ آنے والے ہوں انہیں بلاوجہ فرض کرکے ان پر کوئی حکم لگائے۔ رہی اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ ...الخ والی آیت، سو اس میں اور نسخ کی مذکورہ آیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) کسی لڑکے کی پیدائش ایک بالکل ناممکن چیز ہے، لہٰذا اس آیت کو پڑھنے والا ہر شخص فوراً یہ سمجھ لے گا کہ یہ بات محض ایک مفروضہ کے طور پر کہی گئی ہے، جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا، لیکن چونکہ اس کی اولاد نہیں ہوسکتی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کا سوال ہی نہیں ہے۔ اس کے برعکس ''نسخ'' کا وقوع خود ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک عقلی طور پر ناممکن نہیں ہے، اس لئے اسے محض ایک فرضی صورت قرار دینے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

یہ بات مذکورہ آیت کے شان نزول سے اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔ کتب تفسیر میں مروی ہے کہ بعض کفار

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں، پھر اس کی ممانعت کر دیتے ہیں، اور کوئی نیا حکم لے آتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں نسخ کو تسلیم کر کے اس کی حکمت بیان کی گئی ہے، نسخ کا انکار نہیں کیا گیا۔

منسوخ آیات قرآنی کی تعداد:

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس لئے انہوں نے منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ بتائی ہے۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے متاخرین کی اصطلاح کے مطابق لکھا ہے کہ پورے قرآن میں کُل انیس آیتیں منسوخ ہیں، پھر آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلویؒ نے ان انیس آیتوں پر مفصل تبصرہ کر کے صرف پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے، اور باقی آیات میں ان تفسیروں کو ترجیح دی ہے جن کے مطابق انہیں منسوخ ماننا نہیں پڑتا۔ ان میں سے اکثر آیتوں کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہات نہایت معقول اور قابل قبول ہیں۔ لیکن بعض توجیہات سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال جن پانچ آیتوں کو انہوں نے منسوخ تسلیم کیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾ [البقرہ ۱۸۰] ''جب تم میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے، اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اس پر والدین اور اقرباء کیلئے وصیت بالمعروف کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، یہ حکم متقیوں پر لازم ہے''۔

یہ آیت اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اور اس میں ہر شخص کے ذمہ یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ترکہ کے بارے میں وصیت کر کے جائے، کہ اس کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو کتنا کتنا مال تقسیم کیا جائے۔ بعد میں آیت میراث یعنی يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ [النساء:۱۱] نے اس کو منسوخ کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں میں ترکہ کی تقسیم کا ایک ضابطہ خود متعین کر دیا، اب کسی پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا فرض نہیں رہا۔

(۲) سورۂ انفال میں ارشاد ہے: إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۶۵﴾ [الأنفال: ۶۵] (اگر تم میں سے بیس آدمی استقامت رکھنے والے ہوں گے، تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو

ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیونکہ یہ کافر ایسے لوگ ہیں جو صحیح سمجھ نہیں رکھتے)۔

یہ آیت اگرچہ بظاہر ایک خبر ہے، لیکن معنیٰ کے لحاظ سے ایک حکم ہے، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا زائد دشمن کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، یہ حکم اگلی آیت کے ذریعہ منسوخ کیا گیا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ [الأنفال: ٦٦]

’’اب اللہ نے تمہارے لئے آسانی پیدا کردی ہے، اور اللہ کو علم ہے کہ (اب) تم میں کچھ کمزوری ہے، پس (اب) اگر تم میں سے سو افراد استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے‘‘۔

اس آیت نے پہلی آیت کے حکم میں تخفیف پیدا کردی، اور دس گنے دشمن کی بجائے دو گنے کی حد مقرر کردی، کہ اس حد تک راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) تیسری آیت جسے حضرت شاہ صاحبؒ نے منسوخ قرار دیا ہے، سورۂ احزاب کی یہ آیت ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ [الأحزاب: ٥١] (اے نبی) آپ کے لئے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں ہیں، اور نہ یہ حلال ہے کہ ان (موجودہ ازواج) کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کریں، خواہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے)۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے منع فرمادیا گیا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ کردیا گیا، اور اس کی ناسخ آیت وہ ہے جو قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں مذکورہ بالا آیت سے پہلے مذکور ہے، یعنی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ [الأحزاب: ٥٠] (اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ ازواج حلال کردی ہیں جنہیں آپ نے ان کا مہر دیدیا ہو)۔

حضرت شاہ صاحبؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعہ سابقہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ لیکن حقیقت یہ کہ اس آیت میں نسخ یقینی نہیں ہے، بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی بڑی حد تک بے تکلف اور سادہ ہے جو حافظ ابن جریر طبریؒ نے اختیار کی ہے، یعنی یہ کہ یہ دونوں آیتیں اپنی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی نازل ہوئی ہیں، يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے، کہ ان کے ساتھ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے حلال ہے، پھر اگلی آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡ بَعۡدُ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حلال نہیں ہیں۔

(۴) چوتھی آیت جو حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک منسوخ ہے، سورۂ مجادلہ کی یہ آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [المجادلة:۱۲] ''اے ایمان والو! جب تم کو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرگوشی کرنی ہو تو سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو، یہ تمہارے لئے باعث خیر وطہارت ہے، پھر اگر تمہارے پاس (صدقہ کرنے کے لئے) کچھ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے''۔ یہ اگلی آیت سے منسوخ ہوگئی: ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ [المجادلة:۱۳] ''کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو، پس جب تم نے ایسا نہیں کیا، اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی، تو (اب) نماز قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو''۔ اس طرح سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم منسوخ کیا گیا۔

(۵) پانچویں آیت سورۂ مزمل کی مندرجہ ذیل آیت ہے: يٰۤاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ‏ ① قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ‏ ② نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انْقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا ۙ‏ ③۔ ''اے مزمل (مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) رات کو (تہجد میں) کھڑے رہیے، مگر تھوڑا سا حصہ، آدھی رات یا اس میں سے کچھ بھی کچھ کم کر دیجیے''۔

اس آیت میں رات کے کم از کم آدھے حصہ میں تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا تھا، بعد میں اگلی آیتوں نے اس میں آسانی پیدا کر کے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا، وہ آیتیں یہ ہیں: عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ [المزمل: ۲۰] (اللہ کو معلوم ہے کہ تم (آئندہ) اس حکم کی پابندی نہیں کر سکو گے، اس لئے اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، پس (اب) تم قرآن کا اتنا حصہ پڑھ لیا کرو، جو تمہارے لئے آسان ہو)۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ تہجد کا حکم واجب تو پہلے بھی نہیں تھا، لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی، اور اس کا وقت بھی زیادہ وسیع تھا، بعد میں تاکید بھی کم ہوگئی، اور وقت کی اتنی پابندی بھی نہ رہی۔

یہ ہیں وہ پانچ آیتیں جن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قول کے مطابق نسخ ہوا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ یہ پانچ مثالیں صرف اس صورت کی ہیں جس میں ناسخ اور منسوخ دونوں قرآن کریم کے اندر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ

ایسی مثالیں قرآن کریم میں باتفاق بہت سی ہیں جن میں ناسخ تو قرآن کریم میں موجود ہے، لیکن منسوخ موجود نہیں ہے، مثلاً تحویل قبلہ کی آیات وغیرہ۔

نتیجہ بحث:

مذکورہ بالا بحث سے ہمارا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں میں نسخ کا وجود (معاذ اللہ) کوئی عیب نہیں ہے، جس سے قرآن کریم کو خالی دکھانے کی کوشش کی جائے، بلکہ یہ حکمت الٰہی کا عین تقاضا ہے، لہٰذا کسی آیت کی کسی تفسیر کو محض اس بناء پر رد نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے مطابق قرآن کریم میں نسخ لازم آتا ہے، بلکہ اصول تفسیر کے مطابق جو تفسیر راجح ہواُسے اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، خواہ اس میں آیت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہو۔ واللہ اعلم

تاریخ حفاظت قرآن

نزول قرآن کی تاریخ، اور اس کے متعلقہ مباحث سے ضروری حد تک فارغ ہونے کے بعد ''تاریخ حفاظت قرآن'' کے موضوع پر گفتگو پیش نظر ہے، جس میں یہ بتایا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے زمانوں میں قرآن کریم کی حفاظت کس طرح کی گئی؟ اُسے کس طرح لکھا گیا؟ اور یہ کوششیں کتنے مراحل سے گزری ہیں؟ نیز اس سلسلے میں ملحدوں اور غیر مسلموں کی طرف سے جو شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اُن کا ان شاء اللہ مکمل اور اطمینان بخش جواب دیا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حفاظت قرآن:

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لئے عہد رسالتؐ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز عطا فرمایا تھا کہ اس کی حفاظت قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: ومنزل علیک کتابا لایغسله الماء۔ (یعنی میں تم پر ایک ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا)۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام کتابوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیوی آفات کی وجہ سے ضائع ہوجاتی ہیں، چنانچہ

تورات، انجیل اور دوسرے آسمانی صحیفے اسی طرح نابود ہو گئے، لیکن قرآن کریم کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائے گا کہ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ [القیامة] (آپ قرآن کریم کو جلدی سے یاد کر لینے کے خیال سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے (کیونکہ) اس (قرآن) کو جمع کرنا، اور پڑھوانا تو ہم نے اپنے ذمے لے لیا ہے)۔

ان آیات میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآن کریم کو یاد رکھنے کے لیے آپ ﷺ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خود آپ ﷺ میں ایسا حافظہ پیدا فرما دے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ ﷺ اسے بھول نہیں سکیں گے، چنانچہ یہی ہوا کہ ادھر آپ ﷺ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں، اور اُدھر وہ آپ ﷺ کو یاد ہو جاتیں۔ اس طرح سرکار دو عالم ﷺ کا سینۂ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیلؑ کو قرآن سنایا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور کیا۔

پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کے صرف معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا۔ بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے۔ سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی، وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے، بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ ﷺ اسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے، اور مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوت حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے، اور انہیں صدیوں تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی وہ منزل ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کی سب سے عزیز پونجی تصور کرتے تھے، اس لئے انہوں اسے یاد رکھنے کے لئے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ ہر وہ شخص کرسکتا ہے جو ان کے مزاج اور افتادِ طبع سے واقف ہے، چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی تعداد تیار ہوگئی جسے قرآن کریم ازبر یاد تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت سالم مولا ابی حذیفہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن السائب، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام ورقہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوحلیمہ معاذ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت مجمع بن جاریہ، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت انس بن مالک، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت تمیم داری، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم جیسے حضرات شامل تھے۔

پھر یہ تو صرف ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی ہیں جن کا نام ''حافظِ قرآن'' کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گیا، ورنہ ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بے شمار ہوں گے جنہوں نے پورا قرآن کریم یاد کیا تھا، لیکن اس حیثیت سے ان کا نام روایات میں محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اوقات ایک قبیلے میں ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لئے بھیجے ہیں، چنانچہ صرف غزوہ بئر معونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کا ذکر روایات میں موجود ہے۔ اور حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقریباً اتنی ہی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی، بلکہ ایک روایت تو یہ ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو قراء صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ یہ تو صرف ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے جن کو پورا قرآن کریم یاد تھا، اور ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے جنہوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے۔

غرض ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یاد کرادیا گیا۔ اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ سب سے زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، اس لئے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ

کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوسکتی ،اور نہ اس کی قابل اعتماد حفاظت، اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو حافظہ کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی، کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں ان کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لئے قرآن کریم کی حفاظت میں اس قوت حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعے قرآن کریم کی آیات، اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

اس طریقہ سے قرآن کریم کی نشر واشاعت کس تیزی کے ساتھ ہوئی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت ؐ کے ایک کمسن صحابی تھے، ان کا گھر ایک چشمہ کے کنارے واقع تھا، جہاں آنے جانے والے مسافر آرام کیا کرتے تھے، ان کی عمر سات سال تھی، اور ابھی مسلماں بھی نہیں ہوئے تھے ،لیکن آنے جانے والوں سے قرآن کریم کی مختلف آیتیں اور سورتیں سن سن کر انہیں مسلمان ہونے سے پہلے ہی قرآن کریم کا ایک اچھا خاصا حصہ یاد ہوگیا تھا۔

عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کتابتِ قرآن

پہلا مرحلہ:

حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔ کتابت کا طریقِ کار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ: **كنت أكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وكان إذا نزل عليه الوحي أخذته برحاء شديدة وعرقا مثل الجمّان ثم سرّى عنه، فكنت أدخل عليه بقطعة الكتف أو كسوة فأكتب وهو يملي عليّ فما أفرغ حتى تكاد رجلي تنكسر من نقل القرأن حتى أقول لا أمشي على رجلَي أبدا فإذا فرغت قال اقرأ فأقرءه فإن كان فيه سقط أقامه ثم أخرج به إلى الناس۔**

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت گرمی لگتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی، تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی (یا کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھواتے رہتے، اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے

بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہرحال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ''پڑھو'' میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی اصلاح فرما دیتے، اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے''۔

کتابت وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد نہ تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس مقصد کیلئے مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسبِ ضرورت کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ کاتبین وحی کی تعداد چالیس (۴۰) تک شمار کی گئی ہے، لیکن ان میں سے زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں:

حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت اُبیّ بن کعب، حضرت عبداللہ بن ابی سرح، حضرت زبیر بن عوّام، حضرت خالد بن سعید بن العاص، حضرت ابان بن سعید بن العاص، حضرت حنظلہ بن الرّبیع، حضرت معیقب بن ابی فاطمہ، حضرت عبداللہ بن ارقم الزہری، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت۔ رضی اللہ عنہم اَجمعین۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے، چنانچہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتّوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں۔ البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔

اس طرح عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی یادداشت کیلئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا، جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر غصہ

میں بھرے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ رکھا ہوا تھا، جس میں سورۂ طٰہٰ کی آیات درج تھیں، اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انہیں پڑھا رہے تھے۔

اس کے علاوہ متعدّد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر اپنے پاس قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے لکھ رکھے تھے، مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: إنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نهى أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدوّ۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا''۔

نیز معجم طبرانیؒ میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قراءة الرّجل في غير المصحف ألف درجة وقراءته في المصحف تضاعف على ذالك ألفي درجة۔

''کوئی شخص قرآن کریم کے نسخہ میں دیکھے بغیر تلاوت کرے تو اس کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے، اور اگر قرآن کے نسخہ میں دیکھ کر تلاوت کرے تو دو ہزار درجے ہے''۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس عہدِ رسالت ہی میں قرآن کریم کے لکھے ہوئے صحیفے موجود تھے، ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنے، یا اسے لے کر دشمن کے علاقہ میں جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن

دوسرا مرحلہ:

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرّق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی پاس دس پانچ سورتیں، اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرّکات کے تحت، اور جس طرح انجام دیا، اس کی

تفصیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بُلوایا، میں اُن کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی آکر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہوجائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کردیں''۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ''جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہوگیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی ہے''۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا آپ قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کرکر کے انہیں جمع کرلو''۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کررہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں، اور لوگوں کی سینوں سے قرآن کو جمع کیا۔

اس موقع پر جمعِ قرآن کے سلسلہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے طریقِ کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے۔ وہ خود حافظِ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، ان کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اس وقت موجود تھے، ان کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن کریم لکھا جاسکتا تھا۔ نیز قرآن کریم کے جو مکمل نسخے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھ لئے گئے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ ان سے بھی قرآن کریم نقل فرماسکتے تھے، لیکن انہوں نے احتیاط کے پیشِ نظر ان میں سے صرف کسی ایک طریقہ پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اُس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اُس کے متواتر ہونے کی

تحریری اورزبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں اوروہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس محفوظ تھیں،حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں یک جا فرمایا،تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلان عام کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی ہوئی موجود ہو، وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے،اور جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کرآتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:

(۱) سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے تھے۔

(۲) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظِ قرآن تھے،اورروایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لگادیا تھا،اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کرآتا تھا،توحضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں مشترک طور پراُسے وصول کرتے تھے،لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے حافظہ سے اُس کی توثیق فرماتے تھے۔

(۳) کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہ کی جاتی تھی جب تک دو قابلِ اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دیدی ہو کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ گواہیاں اس بات پر بھی لی جاتی تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات کے سال آپ ﷺ پر پیش کردی گئی تھی،اورآپ ﷺ نے اس بات کی تصدیق فرمادی تھی کہ یہ اُن حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔علامہ سیوطیؒ کی اس بات کی تائید متعدّد روایات سے بھی ہوتی ہے۔

(۴) اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیاتوں کا اُن مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔امام ابوشامہؒ فرماتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے،اورصرف حافظہ پر اکتفاء کرنے کی بجائے بعینہٖ اُن آیات سے نقل کیا جائے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کا یہ طریقِ کار ذہن میں رہے توحضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ: ''سورۂ براۃ کی آخری آیت: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ مجھے صرف ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملی،اُن کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملی''۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں

ہے کہ یہ آیت سوائے حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی اور کو یاد نہیں تھی، یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھی، اور اُن کے سوا کسی کو اُن کا جُزوِ قرآن ہونا معلوم نہ تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرّق آیتیں لے لے کر آرہے تھے اُن میں سے یہ آیت سوائے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی پاس نہیں ملی، ورنہ جہاں تک اس آیت کے جزوِ قرآن ہونے کا تعلق ہے، یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی، اوّل تو جن سینکڑوں حفاظ کو پورا قرآن کریم یاد تھا، انھیں یہ آیت بھی یاد تھی، دوسری بات یہ کہ آیاتِ قرآنی کے جو مکمل مجموعے مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے ان میں بھی یہ آیت لکھی ہوئی تھی، لیکن چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے لئے مذکورہ بالا ذرائع پر اکتفاء کرنے کی بجائے متفرّق طور سے لکھی ہوئی آیتوں کو جمع کرنے کا بیڑا بھی اُٹھایا تھا، اس لئے اُنہوں نے یہ آیت اس وقت تک اس نئے مجموعہ میں درج نہیں کی جب تک اس تیسرے طریقہ سے بھی وہ آپ کو دستیاب ہوگئی، دوسری آیات کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ حفّاظ صحابہؓ کو یاد ہونے، اور عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل مجموعوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ کئی کئی صحابہؓ کے پاس الگ سے لکھی ہوئی بھی تھیں، چنانچہ ایک ایک آیت کئی کئی صحابہؓ لے کر آرہے تھے، اس کے برعکس سورۂ برأت کی یہ آخری آیت سینکڑوں صحابہؓ کو یاد تو تھی، اور جن حضرات کے پاس آیاتِ قرآنی کے مکمل مجموعے تھے اُن کے پاس لکھی ہوئی بھی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، کسی اور کے پاس نہیں ملی۔

بہرحال! حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیاتِ قرآنی کو جمع کرکے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتّب شکل میں تحریر فرمایا، لیکن ہر سورۃ کو علیٰحدہ صحیفے میں لکھا گیا، اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو "اُمّ" کہا جاتا ہے، اور اس کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱) اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتّب تھیں، لیکن سورتیں مرتّب نہ تھیں، ہر سورت الگ لگ لکھی ہوئی تھی۔

(۲) اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔

(۳) یہ نسخہ خطِ حیری میں لکھا گیا تھا۔

(۴) اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

(۵) اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتّب نسخہ تمام اُمّت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہوجائے،

تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمعِ قرآن سے متعلق یہ تفصیلات ذہن میں رہیں، تو اس روایت کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع کرلیا تھا، اس لئے کہ جہاں تک آیاتِ قرآنی کے انفرادی مجموعوں کا تعلق ہے وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی نہیں، اور بھی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیار کررکھے تھے، لیکن ایسا معیاری نسخہ جو پوری اُمت کی اجماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو، سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تیار کروایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپؓ کی حیات میں آپؓ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کی وصیّت کے مطابق اُنہیں اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کردیا گیا۔ پھر مروان بن حَکَم نے اپنے عہدِ حکومت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ صحیفے طلب کئے، تو انہوں نے دینے سے انکار کردیا، یہاں تک کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو مروان نے وہ صحیفے منگوائے، اور انہیں اس خیال سے نذرِ آتش کردیا کہ اب اس بات پر اجماع منعقد ہوچکا تھا کہ رسم الخط اور ترتیبِ سُوَر کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتّباع لازمی ہے، اور کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہنا چاہئے جو اُن کے رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن

تیسرا مرحلہ:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر رُوم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی۔ ادھر آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا، اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا، اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس

وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔ ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی کوئی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں، اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کونسی قراءت صحیح اور کونسی غلط ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس کارنامہ کی تفصیل روایات حدیث کے ذریعے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ارمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچے، اور جا کر عرض کیا کہ امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو آپ اس کا علاج کیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا، وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے ہیں، جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی، اور اہل عراق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے ہیں، جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی، اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا، اور دوسرے معلم نے دوسری قراءت کے مطابق، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا، اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا، اور وہ بھی ایک دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دیتے۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس خبر کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا، اور فرمایا کہ: ''مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے

ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے، اور یہ بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے، لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: ''آپ نے کیا سوچا ہے؟''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں، تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ: ''تم لوگ مدینہ طیبہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں تو وہ اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے، لہٰذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو''۔ اس غرض کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے) صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی، جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ انصاری تھے، اور باقی تینوں حضرات قریشی تھے، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اور زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگا دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، جن میں حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن ابی عامر رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ

الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(۲) قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اس لئے ان پر نہ نقطے لگائے، اور نہ حرکات (زبر، زیر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، کیونکہ یہ دونوں قراءتیں درست ہیں۔

(۳) اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کُل سات نسخے تیار کئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔

(۴) مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے ان حضرات نے بنیادی طور پر توانہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لئے وہی طریقہ کار اختیار فرمایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں انہیں دوبارہ طلب کیا گیا، اور ان کے ساتھ از سرِ نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کئے گئے۔ اس مرتبہ سورۂ احزاب کی ایک آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، پیچھے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور شخص کو یاد نہیں تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **فقدت أية من الأحزاب حين نسخنا المصحف قد كنت أسمع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقرأ بها ،فالتمسناها فوجدناهامع خزيمة بن ثابت الأنصاری رضی اللہ عنہ** (مجھے مصحف لکھتے وقت سورۂ احزاب کی آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا، ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی)۔ [بخاری]

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہؓ کو اچھی طرح یاد تھی، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو صحیفے لکھے گئے ظاہر ہے کہ یہ آیت ان میں موجود تھی۔ نیز دوسرے صحابہؓ کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی طور پر لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان میں یہ آیت بھی شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی طرح اس مرتبہ بھی ان تمام متفرق

تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابہ کرامؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں، اس لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کوئی آیت ان مصاحف میں اس وقت تک نہیں لکھی جب تک ان تحریروں میں بھی وہ نہ مل گئی۔ اس طرح دوسری آیتیں تو متعدد صحابہ کرامؓ کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت سوائے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہیں ہوئی۔

(۵) قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذر آتش کردیئے جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھے، تاکہ رسم الخط، مسلمہ قراءتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہوجائیں، اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بہ نظر استحسان دیکھا، اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت فرمائی، صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں کچھ رنجش ہوئی تھی، جس کے اسباب ''سبعہ احرف'' کی بحث میں گزر چکے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ولاتقولوا في عثمان إلا خيرا فوالله مافعل الذی فعل في المصاحف إلا عن ملأمنا۔ (عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں (اور مشورہ سے) کیا)۔

تسہیلِ تلاوت کے اقدامات

چوتھا مرحلہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کارنامہ کے بعد امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقہ کے مطابق لکھے گئے، اور صحابہؓ وتابعینؒ نے مصاحف عثمانی کی نقول تیار کرکر کے قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

لیکن ابھی تک قرآن کریم کے نسخے چونکہ نقطوں اور زیر زبر پیش سے خالی تھے، اس لئے اہل عجم کو ان کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، چنانچہ جب اسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کرسکیں، اس مقصد کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے، جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

نقطے:

اہل عرب میں ابتداءً حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ لکھنے والا خالی حروف لکھنے پر اکتفاء کرتا تھا، اور پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انہیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بآسانی ہوجاتا تھا، بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مؤرخ مدائنیؒ نے ایک ادیب کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: كثرة النقط في الكتاب سوء ظن بالمكتوب إليه۔ (خط میں کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ (کی فہم) سے بدگمانی کے مرادف ہے)۔

چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے، اور عمومی رواج کے علاوہ اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا اس رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما سکیں، لیکن بعد میں عجمی اور کم پڑھے لکھے مسلمانوں کی سہولت کے لئے قرآن کریم میں نقطے ڈالے گئے۔ اس میں روایات مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا، بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلقین کے تحت کیا، اور بعض کہتے ہیں کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیانؒ نے ان سے یہ کام کرایا، اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر یہ کام کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسن بصریؒ، یحیٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ کے ذریعے انجام دیا۔

بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہی نقطوں کا موجد بھی ہے ، اس سے پہلے نقطوں کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن علامہ قلقشندیؒ نے (جو رسمُ الخط اور فن انشاء کے محقق ترین عالم ہیں) اس کی تردید کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ نقطوں کی ایجاد اس سے بہت پہلے ہوچکی تھی۔ ایک روایت کے مطابق عربی رسمُ الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرامر بن مرہ اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ ہیں۔ مُرامر نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل ووصل کے طریقے وضع کئے، اور عامر نے نقطے بنائے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ نقطوں کے سب سے پہلے استعمال کا سہرا حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے دادا ابوسفیان ابن امیہ کے سر ہے، انہوں نے یہ حیرہ کے باشندوں سے سیکھے تھے، اور حیرہ کے باشندوں نے اہل انبار سے، لہٰذا نقطے ایجاد تو بہت پہلے ہوچکے تھے، لیکن قرآن کریم کو متعدد مصلحتوں کے تحت ان سے خالی رکھا گیا تھا، بعد میں جس نے بھی قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہ نقطوں کا موجد نہیں ہے، بلکہ صرف قرآن کریم میں ان کا استعمال سب سے پہلے اس نے کیا۔

حرکات:

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زبر، زیر، پیش) بھی نہیں تھیں، اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحیٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ سے کرایا۔ اس سلسلے میں تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے وضع کیں، لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل معروف ہیں، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ (ـٚ) زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ (ـِ) پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ (ــ•) اور تنوین کے لئے دو نقطے (ـً یا ـٍ یا ــ••) مقرر کر لئے۔ بعد میں خلیل احمدؒ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں، اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحیٰ بن یعمرؒ، نصر بن عاصمؒ اور حسن بصریؒ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی، اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لئے نقطوں کی بجائے زیر، زبر، پیش کی موجودہ سورتیں (ـَ ـِ ـُ) مقرر کی گئیں، تا کہ حروف کے ذاتی نقطوں سے ان کا التباس پیش نہ آئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اَعلم

اَحزاب، یا منزلیں:

صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی، جسے ''حزب'' یا ''منزل'' کہا جاتا ہے، اس طرح قرآن کریم کو کُل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔ حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا آپ نے قرآن کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک حزب تین سورتوں کا، دوسرا حزب پانچ سورتوں کا، تیسرا سات سورتوں کا، چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا، چھٹا تیرہ سورتوں کا، اور آخری حزب مفصل میں قٓ سے سے آخر تک کا۔

اجزاء، یا پارے:

آج کل قرآن کریم اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات

بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہوجاتا ہے، یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپؓ ہی کے زمانے کی ہے۔ لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی۔ البتہ! علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے جو تیس پارے مشہور چلے آتے ہیں، اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اَعلم

اَخماس اور اَعشار:

قرونِ اُولیٰ کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا، اور وہ یہ کہ ہر پانچ آیتوں کے بعد (حاشیہ پر) لفظ ''خمس یا خ'' اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ ''عشر یا ع'' لکھ دیتے تھے۔ پہلی قسم کی علامتوں کو ''اَخماس'' اور دوسری قسم کی علامتوں کو ''اَعشار'' کہا جاتا تھا۔ علماء متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض حضرات ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے تھے۔ یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا۔ لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتے کہ خود صحابہؓ کے زمانے میں ''اَعشار'' کا تصور ملتا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے: ''**عن مسروق عن عبداللہ أنه كره التعشير في المصحف**''۔ (مسروقؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصحف میں اَعشار کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اَعشار'' کا تصور صحابہؓ کے زمانے ہی میں پیدا ہو چکا تھا۔

رکوع:

ایک اور علامت جس کا رواج بعد میں ہوا، اور آج تک جاری ہے، رکوع کی علامت ہے۔ اور اس کی تعیین معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا، وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ''ع'') بنادی گئی۔ احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان رکوعات کی تعیین بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں ہو چکی تھی، لیکن روایات سے اس دعوے کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی۔ البتہ! یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسطہ مقدار کی تعیین ہے جو

ایک رکعت میں پڑھی جا سکے، اور اس کو ''رکوع'' اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: إن المشائخ رحمهم الله جعلوا القرآن على خمس مأة وأربعين ركوعا وأعلموا ذلك في المصاحف حتى يحصل الختم في الليلة السابع والعشرين۔ (مشائخ نے قرآن کریم پانچ سو چالیس رکوعوں پر تقسیم کیا ہے، اور مصاحف میں اس کی علامتیں بنادی ہیں، تاکہ (تراویح میں) قرآن کا ختم ستائیسویں شب میں ہو سکے)۔

رموز اوقاف:

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارات لکھ دیئے گئے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو ''رموز اوقاف'' کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کر سکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، ان میں اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد طیفور سجاوندیؒ نے وضع فرمائے ہیں ان رموز کی تفصیل یہ ہے:

ط ...... یہ **وقف مطلق** کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج ...... یہ **وقف جائز** کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز ...... یہ **وقف مجوز** کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا تو درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص ...... یہ **وقف مرخص** کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی لیکن جملہ چونکہ طویل ہوگیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دوسرے مقامات کی بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے۔

م ...... یہ **وقف لازم** کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ بعض حضرات اسے وقف واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں ہے، جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لا ...... یہ ''لاتقف'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''یہاں نہ ٹھہرو''۔ لیکن اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ

یہاں وقف کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتداء کرنا مستحسن نہیں ہے۔

ان رموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندیؒ کے وضع کئے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رموز قرآن کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:

مع ...... یہ **معانقة** کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کر درست نہیں، مثلاً: ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ. اس میں اگر التَّوْرٰىةِ پر وقف کرلیا تو الْإِنْجِيْلِ پر وقف درست نہیں، اور اگر الْإِنْجِيْلِ پر وقف کرنا ہے تو التَّوْرٰىةِ پر درست نہیں۔ ہاں! دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے۔ اس کا ایک نام ''مقابلہ'' بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشاندہی امام ابوالفضل رازیؒ نے فرمائی ہے۔

سکتہ ...... یہ ''سکتہ'' کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں مل کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ ...... اس جگہ ''سکتہ'' سے قدرے زیادہ دیر تک رکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق ...... یہ ''قيل عليه الوقف'' کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے، اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف ...... یہ لفظ ''قف'' ہے، جس کے معنی ہیں: ٹھہر جاؤ، اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے ...... ''الوصل أولى'' کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں: ''ملا کر پڑھنا بہتر ہے''۔

صل ...... ''قد يوصل'' کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں، اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ رموز کافی مشہور ہیں، لیکن احقر کو یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا واضع و موجد کون ہے۔

(ماخوذ از ''علوم القرآن''، الشیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله العلي الأعظم الكريم الأ كرم يارب بک نستعصم فيمايجري به القلم و نشهدأن لاإله إلا أنت وحدک لاشريک لک الحكيم الأحكم بارئ النسم ومفيض النعم وباسط الوجود على العدم شهادة تكون للنجاة وسيلة ولرفع الدرجات كفيلة إذااشتدت الغمم ونتقي بها النار ذات الضرم ونشهدأن سيدناو كريمنا محمّداً عبدک ورسولک سيّد العرب والعجم وسيّدمن دعا إلى توحيدک من بين الأمم وسلطان من طهر الأرض من عبادة الصنم المنزل عليه كلامک الموصوف بالقدم المبعوث بالأيات الباهرات البينات و الحكم. اللّهم صلّ وسلّم وبارک عليه و على اله معادن الجود ومصابيح الظُلم وعلى أصحابه مفاتيح الكرم و حملة الكتاب وليوث الغابة و أسد الكتائب في المزدحم الذين أشرقت شموسهم في الشرق والغرب فأماطت الظَلم وأنارت الظُلم وسلّم تسليماً كثيراً وشرف وكرم.

أمابعد

قرآن حکیم وہ لازوال ابدی سرچشمۂ ہدایت وایمان ہے جس کے فضائل طوقِ بشراور انسانی استعداد سے باہر ہیں، اور بے شمار بھی۔ روز اوّل سے آج، اور پھر قیام قیامت تک لاکھوں کی تعداد میں علماء اُمت اور برگزیدہ ہستیاں مسلسل اس کے علوم ومعارف بیان کرتی چلی آرہی ہیں، مگراس کے علوم ومعارف کا احاطہ نہیں ہوسکا ہے، اور اس کے زرّین نوادرات اور قیمتی جواہرات وعجائبات کبھی ختم نہیں ہوئے، اور نہ ہوں گے۔ یہ وہ کلام قدیم ہے جس کو ساری خدائی کیلئے ابدی جامع کامل آئین ایزدی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس میں ازل سے لے کر ابد، اور دخول جنت تک کے علوم ومعارف کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ مجھ جیسے بے علم وبے بصیرت کیا اصحاب علم وبصیرت بھی اس کی تفسیر و تشریح لکھنے سے خائف وقاصر اور خوفزدہ رہے ہیں کہ کہیں کوئی کمی اور خلاف منشا الٰہی کسی جملے کا قلم سے صدور نہ ہو۔

مگر اصحاب علم وبصیرت نے ہمارے جیسے بے علموں کیلئے ایک دروازہ کھول کر ہمت افزائی فرمائی ہے کہ حتیٰ المقدور اور حسب استطاعت قرآن پاک کی خدمت سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ عمل نہیں، اور یہ عمل اگر للہ فی اللہ ہو تو ذریعۂ نجات وسعادت یقینی ہوگا۔ اس بناء پر میں نے ضائع شدہ عمر کی تلافی کرنے کے ارادے سے قرآن پاک پر

حاشیہ بنام "منازل العرفان فی تفسیر القرآن" لکھنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں مَیں چاہتا ہوں کہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الملک سے آخر قرآن مجید تک کی تفسیر قدرے تفصیل کے ساتھ ہو، اس کے بعد سورۃ البقرہ سے سورۃ تحریم تک کی تفسیر تفصیل مع اختصار کے۔ جن خوش قسمت علماء امت نے قرآن حکیم کی تفسیری خدمات انجام دی ہیں، امید ہے کہ ان کی فہرست میں نام شامل کرنے سے متاع کاسد کو بھی شرف قبولیت سے نوازا جائے گا، بمصداق هم قوم لايشقى جليسهم۔ جس طرح ایک بوڑھی عورت خریداران حضرت یوسف علیہ السلام کی فہرست میں شامل ہونے کی غرض سے چند سیر معمولی دھاگے کو لے کر میدان میں آئی، اور لوگوں کے جواب میں کہا:

بگفتا گرچہ من کاسد قماشم ☆ کہ در سلک خریدارانش باشم

الحمدللہ رب العلمین وہی کارساز، توفیق وامداد کا حقیقی مالک اس ناقص خدمت کو قبول فرمائے، اور ہمارے لئے ابدی سعادت کا ذریعہ وسامان بنائے۔ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، اور قرآن حکیم کو پوری امت کا شافع بنائے۔ آمین۔ توكلاً على الله واعتماداً عليه بمنه وحسن توفيقه، وهو الملهم للصواب والموفق لخدمة الكتاب۔ آمین

روز قیامت ہر کسے با خویش دارد نامۂ ☆ من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

باذنہٖ تعالیٰ وحسن توفیقہٖ وعونہٖ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، جس میں ان شاء اللہ میری بھی نجات کا سامان ہوگا۔

احقر سید عبدالستار شاہ

۱۰ ربیع الثانی / ۱۴۳۱ھ

اعوذ باللہ من الشّیطٰنِ الرّجیم

استعاذہ کے متعلق سات مباحث ہیں:

بحث اول کلمات استعاذہ:

(۱) أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم (۲) أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم (۳) أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن اللعین الرجیم (۴) أعوذ باللہ العظیم من الشیطٰن الرجیم (۵) أعوذ باللہ القادر من الشیطٰن الغادر (۶) أستعیذ باللہ من الشیطٰن الرجیم (۷) أعوذ باللہ القوي من الشیطٰن الغوي (۸) أعوذ باللہ المجید من الشیطٰن المَرید [اللباب]

بحث دوم استعاذہ کے احکام:

اس پر اجماع ہے کہ استعاذہ قرآن کریم کا جزء نہیں ہے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ استعاذہ صرف ابتداء تلاوت قرآن کے ساتھ مخصوص ہے، نماز میں ہو، یا اس کے علاوہ، ابتداء سورت سے ہو، یا درمیان سورت۔ تلاوت قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کیلئے استعاذہ مسنون نہیں ہے۔ اور استعاذہ شروع تلاوت میں صرف مسنون ہے، واجب وفرض نہیں ہے، بالإجماع، إلا في قول وھو شاذ۔

بحث سوم مذاہب الائمۃ فی الاستعاذہ:

امام اعظم اور امام شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک صرف شروع تلاوت میں بہ سبب توارث أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کے کلمات کے ساتھ استعاذہ مسنون ہے، نماز وغیر نماز ہر حال میں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استعاذہ صرف صلوٰۃ تراویح میں مسنون ہے، باقی اوقات میں نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بعض شوافع کے نزدیک أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم کے کلمات کے ساتھ استعاذہ بہتر ہے، وہ بھی شروع تلاوت میں، نماز وغیر نماز ہر حال میں۔ امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمہا اللہ کے نزدیک أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم إن اللہ ھو السمیع العلیم کے کلمات کے ساتھ استعاذہ اولیٰ ہے، اور یہ بھی شروع تلاوت میں۔

امام داؤد ظاہری اور امام ابراہیم نخعی رحمہا اللہ کے نزدیک ابتداء تلاوت اور اختتام تلاوت دونوں جگہ استعاذہ

بہتر ہے۔امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عمر میں صرف ایک مرتبہ استعاذہ واجب ہے، باقی اوقات میں مستحب ہے۔ جمہور کا مذہب گزر چکا کہ استعاذہ مسنون ہے، وجوب کا قول شاذ ہے۔

بحث چہارم استعاذہ کی حکمت:

اللہ ربّ العزّت سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام پر جو آسمانی کتب وصحیفے نازل فرمائے ہیں، ان کی تعداد تقریباً ایک سو چار ہے، ان تمام کتابوں اور صحیفوں پر کلام اللہ کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ انہیں صرف آسمانی کتب کے القاب سے یاد کرتے ہیں، کلامُ اللہ صرف قرآنِ حکیم کا لقب ہے، جسے ربّ العزّت سبحانہ نے تلاوت فرمایا ہے، اور یہی کلام نفسی بھی ہے، اور قدیم وغیر مخلوق بھی۔ یہ شرف ومقام صرف قرآن حکیم کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر کتب ابدی نہیں ہیں، اور انسانی تحریف وتبدیلی، اور ہر قسم کے دست وبرد سے محفوظ نہیں ہیں، بخلاف قرآن حکیم کے کہ وہ ابدی بھی ہے، اور عالمگیر بھی، اور ہر قسم کی تحریف وتبدیلی، زیادت ونقصان سے محفوظ بھی ہے، جس کی حفاظت کی ضمانت من جانب اللہ ثابت ومسلم ہے، قولہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾[الحجر: ۹] ''ہم ہی نے ذکر (قرآن) کو اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ اور اسی نکتہ کی بناء پر اس کا نزول تدریجی ہے، اور لاکھوں کی تعداد میں ہر زمانہ وہر جگہ اس کے حفاظ اور تلاوت کنندگان کی کثرت ہے، اور لاکھوں کی تعداد میں کتب تفاسیر موجود ہیں۔ جبکہ تورات، انجیل اور زبور کو یہ مقام حاصل نہیں ہے۔ اور سارے عالم میں جس کتاب کی سب سے زیادہ تلاوت ہوتی ہے وہ صرف قرآن حکیم ہی ہے۔ قرآن حکیم آخری آسمانی بابرکت وباعظمت وپراز حکمت عالمگیر جامع کتاب ہے، جسے ربّ العزّت سبحانہ نے سیدُ الرُّسل خاتمُ الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال کی مدت میں بتدریج نازل فرمایا، اور یہ باعظمت کتاب تمام آسمانی کتابوں کے لئے جامع بھی ہے، اور خلاصہ بھی۔ ازل سے لے کر ابد تک دنیوی، برزخی، اخروی اور زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کو قرآن حکیم نے نظر انداز کر کے بیان نہ کیا ہو، بقول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

جمیع العلم فی القرآن لکن ★ تقاصر عنہ أفھام الرجال

رئیس المفسرین حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ابتداء آفرینشِ دنیا سے لے کر دخولِ جنت تک کے تمام معاملات، واقعات وحالات قرآن حکیم میں موجود ہیں، اور کسی بھی جزء کا فروگزاشت نہیں۔

بحث پنجم:

چونکہ یہ کلام اللہ ہے، اور کلام الملوک ملوک الکلام کا اطلاق صرف اسی باعظمت کتاب پر ہوتا ہے، اور یہی صحیح مصداق ہے، اسی بناء پر اس کی تلاوت بغیر مطلب و معنی سمجھنے کے بھی باعث اجر و ثواب اور سبب خیر و برکت ہے، اور فرائض کے بعد تمام اعمال خیر میں اس کی تلاوت کا مقام و مرتبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر طہارت اس کو ہاتھ لگانے پر پابندی ہے، ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ [الواقعہ: ۷۹] ''اور اس کو نہ چھوئے مگر وہ لوگ جو خوب پاک ہوں''۔ اور جب اس کی تلاوت ہو رہی ہو تو عام حالات میں خاموش رہنا، چپ چاپ رہنا اور کان لگا کر اس کو سننا ضروری اور فرض ہے۔ اگر تلاوت کے درمیان آیت سجدہ آجائے تو قاری اور سامعین سب پر سجدہ واجب ہوگا، چونکہ اس کی تلاوت خیر کثیر اور اجر عظیم پر مشتمل ہے، اس لئے یہ افضل الاعمال، اور افضل الاذکار کہلاتی ہے، جس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا وعدہ ہے، جبکہ نماز میں تلاوت کرنے پر ہر حرف کا ثواب ایک سو بن جاتا ہے۔ [درمنثور]

انسان فطری طور پر فائدہ مند چیزوں کا طالب رہتا ہے، اور نقصان دہ اشیاء سے بچنے کی تدبیر کرتا ہے، تو ابتداءِ تلاوت میں اعوذ باللہ پڑھنے میں دفع مضرت، اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے میں جلب منفعت کا راز مضمر ہے۔ دفع مضرت جلب منفعت پر اکثر و بیشتر مقدم ہوتا ہے۔ انسانی دشمن کبھی ظاہر ہوتا ہے، کبھی مخفی و پوشیدہ رہتا ہے۔ ظاہری دشمن جتنا بھی طاقتور اور خطرناک ہو مگر کسی طرح (بسا اوقات) طمع، لالچ، سفارش، رشوت، لحاظ یا کسی احسان کے ذریعہ صلح و مصالحت پر آمادہ ہوسکتا ہے، یا کسی بیرونی دباؤ کی وجہ سے بھی مصالحت پر راضی ہوسکتا ہے، مگر شیطان لعین جو کہ طاقتور اور ازلی دشمن ہے، اور مخفی و پوشیدہ بھی ہے، خاص کر دینی امور کی بجا آوری میں نہایت عیاری و چالاکی سے پیش آتا ہے، اور نہایت خطرناک چالوں پر اتر آتا ہے، اور کسی طرح کسی بھی مصلحت پر آمادہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ربّ العزّت سبحانہ کے حضور میں شدّ و مدّ کے ساتھ بڑی جرأت و دلیری کے ساتھ قسم کھا کر وعدہ کر چکا ہے کہ: ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [ص: ۸۲] ''تیری عظمت و عزّت کی قسم میں اولاد آدم کو گمراہ کر کے رہوں گا''۔

اسی طرح قرآن حکیم نے اسے نسل آدم کیلئے عدو مبین کہہ کر اس کی چالوں سے بچنے کا حکم دیا ہوا ہے، اور بے شمار آیات قرآنی و احادیث نبوی اس کی دشمنی اور شرارتوں پر وضاحت کے ساتھ اولاد آدم کو خبردار کئے ہوئے ہیں کہ تمام کائنات میں شیطان سے بڑھ کر تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے، اور اس جیسا عیار و مکار چالباز و بدخواہ نہیں ہے۔

ایک طرف سے یہ مکار، ازلی دشمن، دوسری طرف سے اس کا وزیر بے تدبیر، باطنی دشمن نفس امارہ، جو کہ شیطان سے بھی دو قدم آگے ہے، اور اتنا قریب ونزدیک ہے جو دونوں پہلوؤں کے درمیان موجود ہے، اور شیطان کا معاون واستاد اور حقیقی رفیق کار بھی ہے۔

جب یہ دونوں مخفی، بے رحم، طاقتور دشمن، جو کہ ہر قسم کے آتشیں اسلحہ سے لیس ہیں، اور انسانی اعمال خاص کر دینی امور کی ادائیگی اور بجا آوری میں خلل ونقصان، اور ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور کسی صلح و مصالحت پر آمادہ بھی نہیں ہوتے، اور ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾[نساء:۲۸] (اور انسان کو ناتواں پیدا کیا گیا ہے) یہ کمزور انسان بذات خود براہ راست ان کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے؟ اور عرف عام میں مشہور ہے کہ قوت پیدا کرو یا کسی صاحب قوت کی پناہ تلاش کرو۔ جب اپنی قوت کچھ نہ ہو، تو ربّ العزّت سبحانہ کی پناہ میں آنا، اعوذ باللہ پڑھ کر اس کے حصار وقلعہ میں داخل ہونا، تریاقِ اعظم، اور سببِ نجات ہی ہے، جس کی پیش کش اور راہنمائی خود اسی ذات کریم رحمن ورحیم نے متعین فرمائی۔

لُذْبِالْاِلٰهِ وَلَاتَلُذْبِسِوَاهُ ★ مَنْ لَاذَبِالْمَلِكِ الْجَلِيْلِ كَفَاهُ

قال سبحانه: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾[الزمر:۳۶] (کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے؟) قُلْنَا بَلٰى ثُمَّ بَلٰى وَبَلٰى، وقال أیضاً: ﴿فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾[النحل:۹۸] جب تم اس عظیم الشان نعمت تلاوت قرآن کا ارادہ کرو تو شیطان رجیم سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اپنے مہربان، حامی وناصر، ربّ کریم کی محکم ومضبوط پناہ میں آؤ، اور اس کی آغوشِ رحمت میں داخل ہو جاؤ۔

فائدہ:

کہتے ہیں کہ حکیم افلاطون نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے استفسار کیا تھا کہ بتاؤ اگر سارے آسمان تیر کمان بن جائیں، اور سارے ستارے اس کے گولے قرار پائیں، اور چلانے والا ربّ العزّت سبحانہ ہو، اور تیروں کا رخ زمین کی طرف ہو، تو اس گولہ باری میں نجات کی کیا صورت ہوگی؟ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب ارشاد فرمایا کہ نجات کی واحد صورت تیر چلانے والے کا قرب، اور اس کی گود میں آنا ہے (پناہِ الٰہی میں) اس کے علاوہ نجات کی کوئی صورت متصور نہیں ہے، صرف صاحبِ کمان کا قرب وجوار ہی ذریعہ سلامتی ہے۔ افلاطون نے جواب کو سراہا، اور کہا کہ ایسا جواب صرف نبی ہی دے سکتا ہے، اور کوئی نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کا ازلی اور چالباز دشمن شیطان ہے، اور وہ کسی مصالحت پر آمادہ نہیں، اور نظر سے پوشیدہ بھی ہے، اور مکروفریب میں بڑا ماہر بھی ہے، اور تدبیر انسانی میں اس کی چالوں کا کوئی توڑ بھی نہیں ہے، اور وہ انسانی رگ وخون میں پیوست بھی ہے، اور پورے بدن میں خون کی طرح مکمل جاری وساری بھی ہے، اور اپنے کام سے غافل بھی نہیں ہے، اور ہوا کی طرح تیز رفتار بھی ہے، تو پھر ایسے دشمن سے نجات کا ذریعہ وسامان قرب الٰہی اور پناہ باری تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہی وہ ایزدی قرب وجوار ہے جس کا توڑ شیاطین کے پاس نہیں ہے، یہی قرب وپناہ ایزدی تمام شیطانی چالوں سے نجات وخلاصی کا سامان ہے، اور بس۔

جب قرآن پاک کی تلاوت جیسا عظیم انقلابی عمل کا ارادہ ہوگا، تو شیاطین پوری قوت کے ساتھ اس عظیم عمل کو ناکارہ بنانے، اور سبوتاژ کرنے کی کوشش کریں گے، اور جب تالی قرآن ایزدی پناہ کے حصار اور حصن حصین میں داخل ہوگا، اور استعاذہ پڑھے گا، تو شیاطین کے نرغے اور گرفت سے محفوظ ہوجائے گا۔

بحث ششم:

اس کے علاوہ سرور دو عالم ﷺ نے رب العزت سبحانہ کی پناہ میں آنے، اور اس کو ہر وقت حاصل کرنے کے بے شمار مقامات اور زندگی کے مختلف لمحات کی نشاندہی فرمائی ہے، اور ہر شر وبرائی جو کہ نفس امارہ اور شیاطین کے توسط سے واقع ہوتی رہتی ہے، ان سب سے پناہ الٰہی اور حفظ رحمانی کے حصول کو لازمی قرار دیا ہے، جن کی مختصر نشاندہی اس طرح ہے، اور ذخیرۂ احادیث میں بکثرت استعاذوں اور تعوذات کا مکمل بیان کتب الدعوات میں موجود ہے۔

مثلاً ہر وہ چیز جس میں کوئی شر، یا فتنہ، یا برائی، یا کوئی نقصان ہو، ظاہری طور پر، یا باطنی طور پر ایسی تمام چیزوں سے احادیث میں پناہ مانگی گئی ہے، مثال کے طور پر دوزخ سے، عذاب قبر سے، سوء خاتمہ اور سوء حساب سے، بیماریوں سے، ہم وغم، حزن وپریشانیوں سے، عورتوں، بچوں اور اولاد، حاکم، پڑوسیوں کے شر سے، کفر، شرک، نفاق، بداخلاقی وغیرہ سے، اور ہر قسم کی جانی مالی شر سے، بدعملی وبے علمی کے شر سے، جہالت سے، شماتت اعداء سے، اور ہر قسم کے نقصانات سے، مثلاً بے بسی، بے کسی، فقروفاقہ، بھوک اور پیاس کے شر سے، سوء قضاء، ذلت، رسوائی، بدنامی، ناکامی، خواری، تباہی، قحط سالی، ضیق تنگدستی، غلبہ اعداء، دشمنی، قرضداری، بزدلی، خیانت، سستی وکاہلی، جہالت، نامردی، کثرت مال، اسراف، تبذیر، کذب، غیبت، بہتان، بے انصافی، ظلم، اتباع نفس، خواہشات، شراب، زنا، بے نمازی، عدم قبولیت دعاء، قسوت قلب، بخل، حرص، کنجوسی، مردوں اور زندوں کے شر سے، ناشکری، بے صبری،

حماقت اور اسی طرح مصائب، بلیات، طاعون، زلزلہ، طمع، لالچ، الغرض بے شمار اس قسم کے فتنوں اور شرور و فسادات اور نقصانات، گناہوں، معصیتوں کے شر سے بکثرت احادیث میں پناہ مانگنے کا تذکرہ قرآن کریم اور احادیث مقدسہ میں تفصیلاً مذکور ہے۔ بلکہ ہر شر و فتنہ سے سید کائنات ﷺ نے پناہ مانگی ہے، اور امت کو تعلیم دی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ عوام کیا، خواص، بلکہ اخص الخواص انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ایسی چیزوں سے پناہ مانگی ہے۔ "الدعاء مخ العبادة" دعاء عبادت کا مغز ہے، دعاء کے دو ہی رکن ہیں: خیر کی طلب کرنا، اور شر سے پناہ مانگنا۔ قال الإمام علي القاري رحمہ اللہ إن النبي صلى الله عليه وسلم لم يترک خصلةً حميدةً ولا خلّةً سعيدةً إلا طلبها من الله عزّ وجلّ وسألها ولا فعلةً قبيحةً وفطرةً رديةً إلا استعاذ به منها إجمالاً أو تفصيلاً۔ [مرقات]

سرور کائنات ﷺ نے نہیں چھوڑی دنیا و آخرت کی کوئی خیر و ستودہ خصلت اور پسندیدہ عادت، مگر وہ مانگی اور طلب کی اللہ ربّ العزّت سبحانہ سے، اور نہ چھوڑا دنیا و آخرت کا کوئی شر و فعل بد اور خراب عادت، مگر پناہ مانگی اس سے، کبھی اجمال اور کبھی تفصیل کے ساتھ۔ تفصیلی طلب کی مثال اور تفصیلی استعاذہ کی مثالیں گزر چکیں، اجمالی طلب اور استعاذہ کی مثال جیسے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَسأَلُکَ مِنْ کُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهُ بِيَدِکَ وَأَعُوذُبِکَ مِنْ کُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهُ بِيَدِکَ۔ وغیرہ۔

الخلاصة:

بے چارہ انسان ایک حد تک قابل رحم بھی ہے، اور ناعاقبت اندیش بھی، کیونکہ جب وہ قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ حیوانیہ کی گرفت میں آجاتا ہے، تو اس میں بے حد غرور و سرکشی پیدا ہو جاتی ہے، وہ ناعاقبت اندیشی کے عالم میں اپنی اصلیت بھول جاتا ہے، کبھی کبھار ایسی حرکتیں شروع کرتا ہے کہ ابلیس سے بھی چند قدم آگے نکلتا ہے، وہ کبھی خدا بننے، اور کبھی پیغمبر و فرشتہ بننے کا خواب دیکھتا ہے، وہ شتر بے مہار کی طرح اپنی موت و فناء اور ہر قسم کے حوادثات زمانہ سے لاتعلق اور غافل رہتا ہے، وہ اپنی فطرت اور مقصد تخلیق اور ہر قسم کے زوال سے بیگانہ رہتا ہے، اور کسی بھی نشیب و فراز کو درخور اعتناء نہیں سمجھتا، جس کے نتیجے میں وہ خوار و ذلیل ہو کر خسر الدنیا والآخرة کے طوفانوں کی نذر ہو جاتا ہے، نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ!

اس کے برعکس اہل ایمان کو اللہ ربّ العزّت ایسی حرکتوں سے بدولتِ ایمان روک دیتا ہے، ایمان باللہ تعالیٰ اپنے پیروکاروں کو اس طرح کی فضول شیخی و شوخی اور ہر قسم کی گمراہیوں سے محفوظ فرماتا ہے، اور ان کی پیشانی نیاز کو ربّ العزّت سبحانہ کے حضور جھکا دیتا ہے، اور تمام شیطانی حرکتوں سے ان کی حفاظت کا انتظام کرتا ہے۔ جبکہ یہ

دنیا مصیبتوں، پریشانیوں، آلام ومصائب اور ہزاروں قسم کی تکلیفوں کی آماجگاہ ہے، اس کی پریشانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر جرار انسان کے نرم ونازک کندھوں اور دل ودماغ پر ہمہ وقت ہر لحہ حملہ آور رہتا ہے، انسان بے چارہ ہمہ وقت ان مصائب کا شکار اور ہزاروں پریشانیوں کی زد میں ہے۔ اس کی راحت وخوشی نہایت محدود اور قلیل بھی ہے، اور بے بھروسہ بھی، جبکہ زمانہ ہر وقت اس کی تباہی اور بربادی پر مصر وآمادہ ہے، وہ ان تمام آفات وبلیات کے گھیراؤ کا کہاں تک دفاع یا مقابلہ کرسکتا ہے؟ اس لئے اسے تعوّذ کا حکم ملا ہے، کہ ربّ العزّت سبحانہ کی پناہ میں آؤ، اور ہر وقت اس کی پناہ تلاش کرو، کیونکہ یہی ہر قسم کی نجات اور کامیابی کیلئے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک پرندہ دو شکاریوں کے نرغے میں پھنس گیا تھا، اور دشمنوں کی مکمل زد میں آگیا تھا، درخت کے اوپر شہباز شکاری تھا، اور نیچے شکاری انسان بندوق تھان کرا سے تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا، اس نے اللہ ربّ العزّت کی پناہ مانگی، اور نجات پائی۔ ؎

مرغکے بیچارہ برشاخے رسید ☆ زیر آن صاحب کمان تیرے کشید
زیر تیر انداز وبالا چرغ بود ☆ درمیان ہر دو ظالم مرغ بود
مرغکے بیچارہ چوں چارہ ندید ☆ از سر بیچارگی آہے کشید
گفت اے رحمن اے مشکل کشا ☆ خواستگارم ہم نجات وہم پناہ
بین عجائب قدرت پروردگار ☆ ناگہان بگزید پائے مرد مار
دست اولغزید وتیرش چرغ خورد ☆ از میان ہر دو دشمن جان ببرد
اے برادر گر زحق جوئی پناہ ☆ زود بینی از مصائب رستگاہ

(مثنوی)

فائدہ:

شیطان کا اصلی نام عزازیل ہے، شیطان اور ابلیس اس کے القاب میں سے ہے۔ نسلی طور پر یہ جنات میں سے ہے، کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں رہا، اور انہیں میں شمار ہوتا رہا۔ اللہ ربُّ العزّت سے دوری اور اس کی رحمتوں سے محرومی اور ہلاکت وتباہی، نیز راندہ درگاہ ہونے کی وجہ سے اسے ابلیس اور شیطان کہا گیا۔ ''ابلیس کی سوانح عمری'' نامی کتاب اس سلسلے میں گرانقدر تالیف اور قابل مطالعہ ہے۔ قرآن حکیم میں مجموعۃ الخیر ملائکہ کا تذکرہ ۸۸ مقامات پر ہے، جبکہ مجموعۃ الشر شیاطین کا تذکرہ بھی ۸۸ مقامات پر ہے۔

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾

تسمیہ میں باری تعالیٰ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے تین نام مذکور ہیں: اول اسم ذات، باقی دو اسمائے صفات۔ اسم ذات سے صفتِ تخلیق وایجاد کی طرف، اور صفت رحمٰن سے قیام وبقاء عالم کی طرف، اور صفت رحیم سے انتاج وثمرات عالم کی طرف اشارہ ہے۔ تمام عالم ان تینوں صفات میں ربّ العزّت سبحانہ کا محتاج ہے۔ یہ سارا کارخانۂ عالم جس طرح اپنی تخلیق وپیدائش میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا محتاج ہے، کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ ذرّہ وجود میں نہیں آتا، جب تک ربّ العزّت سبحانہ اس کی تخلیق کا حکم نہ دے۔ اسی طرح تمام موجودات کا قیام وبقاء بغیر اس کی نگرانی اور نگہبانی کے ممکن نہیں ہے۔ تیسرے مرحلے میں تمام موجودات پر جو ثمرات مرتب ہوتے ہیں وہ صرف اسی کے حکم و فرمان سے ہوتے ہیں، جسے حساب وکتاب اور جزاء وسزاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ تسمیہ میں یہ تینوں حقائق اجمالاً مذکور ہیں، اور سارا قرآن حکیم اس اجمال کی تفصیل وتشریح ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک عظیم بابرکت ذکر ہے، جس کے ۱۹ حروف ہیں، جو کہ جہنم پر مامور ۱۹ فرشتوں کی تعداد کے موافق ہیں، اور یہ مبارک ذکر جب باطنی عقیدہ توحید کے ساتھ زبانِ مؤمن سے ادا ہوگا تو جہنم سے نجات کی ضمانت کے ساتھ ہوگا۔ جب مسلمان ہر کارِ خیر کے شروع میں عقیدت وبیداری کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے ربّ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں، اور اسی کے اعتماد وبھروسہ پر یہ کام شروع کرتا ہوں، تو اس میں اعتماد وتوکل، اور ایمان ویقین کے ساتھ اقرار موجود ہے، اور یہی خالص توحید ہے، جو کہ نجات عن النار اور کامیابی و فلاح کی ضمانت کا پروانہ ہے۔

اس کی تفصیل اور پوری وضاحت یہ ہے کہ اقوام عالم کا قبل از اسلام ونزول قرآن یہ دستور رہا ہے، اور فی زماننا اب بھی اس کا رواج ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء اپنے باطل معبودوں کے نام سے کرتے ہیں، اور یہی بے بنیاد عقیدہ ان کے ہاں کارفرما ہے، کہ ان باطل معبودوں کے طفیل ہمارے کام انجام پاتے ہیں، یہی عقیدہ یہودیت، نصرانیت، بدھ مت، ہندومت اور دیگر اقوام عالم وادیان باطلہ میں مشہور ومروّج ہے۔ مشرکین مکہ، اور ہمارے زمانے کے اہل شرک وبدعت شاید دوسری اقوام سے چند قدم آگے ہوں، یہی مشرکین اہل زیغ وبدعت بجائے اوثان واصنام کے نیک لوگ، صلحاء، اولیاء، قبور، شجر، حجر اور دوسرے ہزاروں برگزیدہ ناموں کا سہارا لے کر انہیں حاجت روا، مشکل کشا،

فریادرس گمان کرتے ہوئے اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، سواری پر سوار ہوتے وقت، کسی کام پر روانگی کے وقت اور کوئی کام شروع کرتے وقت بڑی عقیدت و دلیری کے ساتھ فخریہ اور مباہات کے ساتھ کہتے ہیں: یاغوث الاعظم، یاغوث، یاوالی بغداد، یادستگیر، یاداتا گنج بخش، یاچشتی بابا، یاقلندر، یاحق باہو، یارسول، یانبی، یاولی، یاحسین۔ اندازہ لگایئے یاموسیٰ، یاعیسیٰ اور اسی طرح یالات، یامنات، یاہبل، یاعزّیٰ اور مذکورۃ الصدر نداؤں میں کیا فرق ہے؟ ہوسکتا ہے کہ مکان وزمان، نداء کنندگان اور نداء کی ہوئی ہستیوں میں کوئی معمولی فرق ہو، مگر عقیدہ وتلفّظ سب میں برابر ومساوی ہے۔ حضرت حالی رحمۃ اللہ علیہ انہی حقائق وعقائد کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، اور فرمایا: ؎

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق ☆ زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق ☆ اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ ☆ جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں ☆ پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں ☆ اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پر دن رات نذریں چڑھائیں ☆ شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے ☆ نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے
سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں ☆ سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

قرآن حکیم نے اسی رسم بد، ونداء ملحدانہ، وعقیدۂ کفریہ شرکیہ پر کاری ضرب لگا کر اسے شرک والحاد قرار دیا، اور سرِ عام اعلان فرمایا کہ ہر کام کی ابتداء اس ذات پاک کے نامِ مبارک اور اسم مقدس سے ہو جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا، اور پورے جہاں کو عدم سے شہود پر قائم فرمایا، جو مالک مختار اور ربّ جبّار ہے، اور ہر قسم کی عبادتوں کا لائق وحدہٗ لاشریک لہ رہا ہے، جو ازلی بھی ہے، ابدی بھی، اول وآخر، ظاہر وباطن بھی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے ایک وہی باقی بتان آزری

اور سید کائنات، حامل لواء توحید ربانی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی تفسیر وترجمانی کرتے ہوئے واضح اعلان فرما کر، پوری اُمت کی سمت قبلہ درست فرما کر ارشاد فرمایا: "كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَهُوَ أَقْطَعُ وَأَجْذَمُ"۔ [رواہ أحمد] اسی طرح ربّ کائنات نے نمازوں کی سمت قبلہ درست فرما کر: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرہ: ١٤٤] (پس اپنا رخ پھیر دیں مسجد حرام کی طرف) کا حکم نازل فرما کر دیگر تمام جہات کے استقبال کا قلع قمع فرمایا، اور دیگر امور کار خیر، کلیات وجزئیات، واحوال بشریہ کی ابتداء وشروعات پر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کی تلقین وحکم شرعی جاری کرتے ہوئے غیر اللہ خواہ کوئی بھی ہو، انہیں ممنوع قرار دے کر شرک وکفر کی پوری عمارت کو منہدم فرما کر زمین کے ساتھ برابر کر دیا۔ فصلی اللہ علیہ وعلی آلہ الطہرۃ وأصحابہ البررۃ۔

قبروں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، مزاروں، بتوں کو تیغ نبوت اور سیف رسالت سے پاش پاش کیا۔ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ [اسراء: ٨١] (اور کہہ دیجئے کہ حق آ گیا، اور باطل مٹ گیا) کا پیغام الٰہی چار دانگ عالم میں متعارف کرایا، اور علم توحید ربّ العٰلمین سارے عالم میں بلند فرما کر اعلان فرمایا: کل أمر ذي بال۔ لفظ "کلّ" ایک بے نیام تلوار ہے، اس کی زد میں جو بھی آئے گا، ریزہ ریزہ پاش پاش ہوگا۔ کلمہ "کلّ" کسی بھی ملحد، بت پرست، قبر پرست، بندہ پرست، غیر اللہ پرستوں کیلئے تازیانہ عقوبت اور درس عبرت ہے، جو بھی اس کے تحت آئے گا جہنم کی آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ کلمہ "کلّ" تمام چیزوں پر محیط ہے، اس کی تلوار نہایت برّان وقاطع ہے۔ بقول ابن مالکؒ: "لا" نفی جنس نفی میں، اور کلمہ "کلّ" اثبات میں برابر ومساوی ہیں۔ "لا" نے تمام معبودان باطلہ کا خانہ خراب کر دیا، اور "کلّ" نے مشرکین کا ستیاناس کیا، لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾ [نساء: ٧٨] (کہہ دیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے) کل أمر ذي بال وغیرہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فضائل:

اکثر وبیشتر مفسرین حضرات خصوصاً امام رازی اور سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم ربّ العزت سبحانہ کی آخری اور ابدی کتاب ہے، جہاں وہ ابدی ہے، اور محفوظ بھی ہے، اور پورے جہاں کیلئے قیامِ قیامت تک ذریعۂ رشد وہدایت کے ساتھ نسخۂ شفاء بھی ہے۔

اس سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں اتری ہیں، ان میں جتنے احکام ومسائل اور علوم ومعارف بیان ہوئے ہیں، قرآن حکیم میں ان سب کا بیان واضح طور پر موجود ہے، اور قرآن حکیم ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور ان کے علوم ومعارف کا جامع ہے۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ تمام قرآنی علوم کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ پھر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سورۃ الفاتحہ اور اس کے علوم ومعارف کا خلاصہ، اور مغز وجوہر ہے۔ پھر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کا مغز وجوہر حرف ''باء'' ہے۔ حرف ''باء'' بہت سے معانی میں مستعمل ہے، مگر یہاں مصاحبت اور استعانت کے معنیٰ میں ہے۔ اسی معنی استعانت کی بدولت شرک وکفر کے تمام مندر زمین بوس ہو جائیں گے، اور توحید کا معنی نکھر کر خوب واضح وروشن ہو جائے گا۔ اور معنی مصاحبت کی بدولت وہ ہزاروں سالوں سے خالق ومخلوق کا منقطع رشتہ دوبارہ جڑ جائے گا، اور یہ حرف ''باء'' ہی ہے جس نے ربّ العزّت سبحانہ کے ساتھ گم گشتہ مخلوق کا تعلق پھر سے جوڑ دیا، اور پوری انسانیت کو صنم خانوں سے نکال کر کعبۃ اللہ شریف کا مجاور و پاسبان بنایا، اور شرک کی لعنت اور ظلمتوں سے سارے جہاں کو پاک کیا۔ پھر حرف ''باء'' کا مدّعا ومقصد اور تمام جوہر ''باء'' کی زیر اور نقطے میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس ابتدائی حرف ''باء'' کو قرآن حکیم کے آخری حرف والناس کے سین کے ساتھ جوڑنے سے کلمہ ''بس'' مترشح ہوگا۔ ؎

اول وآخر قرآن از چہ با آمد وسین
یعنی اندر راہ دین رہبر ما قرآن وبس

بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن حکیم کی ۶۲۳۶ آیتوں کی پہلی آیت ہے۔ پورے قرآن حکیم، اور تمام اعمال خیر، اور انسانی مہمات ومقاصد کی افتتاح کا ایک مضبوط ومحکم دروازہ اور بابُ الابواب ہے۔ اس کے نزول کے ساتھ آسمانی بادل شرقی سمت دوڑنے لگے، اور ہوائیں رک گئیں، سمندروں میں جوش وخروش پیدا ہوا، سارے برّی وبحری حیوانات خاموش اور گوش برآواز ہو گئے، شیاطین منتشر ہو کر بھاگ نکلے، ربّ العزّت سبحانہ نے اپنی عزّت وجلال کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ جس چیز پر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی جائے گی میں ضرور اس میں برکت نازل کروں گا۔ [مردویہ، درمنثور]

قرآن حکیم کی یہ پہلی آیت اس قدر جامع ہے کہ پورے جہاں پر حاوی ہے، جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ رات دن ۲۴ گھنٹے مسلسل ہر حال میں مسجد، مدرسہ، گھر، بازار، شہر، صحرا، ہر محل ومقام میں اس کا ورد وترانہ زندگی کے ہر شعبے قیام، طعام، پانی، چلنے، پھرنے، خواب، استراحت، کام، کاج اور سارے اعمال میں بچوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں ہر قسم کے انسانوں کی زبان پر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کا وظیفہ بلا توقف وانقطاع جاری ہے۔ پوری

دنیا میں یہ واحد وظیفہ ہے جس کے ذکر وظیفہ میں کبھی انقطاع نہیں آتا، ہر ہر عمل و ہر قدم پر جاری وساری رہتا ہے، دراصل یہ ایک نادر اور مخفی راز ہے، جس کا چشمہ عرش الٰہی کے نیچے سے جاری ورواں ہے، جس سے امت مسلمہ کی سمت وقبلہ اور مرکز ایمان وہدایت وابستہ ہے، اور یہ بسم الله الرحمن الرحيم کلمۂ توحید کے گلشن کی رونق اور سدا بہار پھول ہے، اور کلمہ توحید لا إله إلا الله محمد رسول الله کا شقیق وہم معنی ہے۔

یہ نغمہ فصل گل لالہ کا نہیں محتاج ☆ بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

(اقبال مرحوم)

معارف ومسائل

بسم الله الرحمن الرحيم باجماع اُمت قرآن کریم سورة النمل کا جزء ہے، باین سبب مکتوب بین الدفتین ہے، اور ہر سورت کے شروع میں لکھی ہوئی ہے، بخلاف استعاذہ اور آمین کے۔ سورة التوبة کے شروع میں بسم الله الرحمن الرحيم کا نہ ہونا بھی اجماعی ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم کے بارے میں جزئیت وعدم جزئیت لجمیع السور قدرے اختلافی ہے، یعنی ماسوائے سورة البراة دیگر تمام سورتوں کی ابتداء میں بسم الله الرحمن الرحيم جو لکھی ہوئی ہے، اس کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں مشہور مذاہب دو ہیں:

پہلا مذہب:

حضرت امام اعظم، امام مالک، امام اوزاعی اور جمیع فقہاء احناف رحمہم اللہ علیہم کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بسم الله الرحمن الرحيم نہ سورة الفاتحة کا جزء ہے، نہ دیگر سورتوں کا، سوائے سورة النمل کے، بلکہ سورتوں کے شروع میں بطور تبرک اور امتیاز وفصل بین السورتین کی خاطر مصحف امام (مصحف عثمانی) میں لکھی ہوئی ہے، اور چونکہ یہ بات تواتر وتوارث پر مبنی ہے، لہٰذا قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، اور کسی سورت کا شروع بسم الله الرحمن الرحيم کے بغیر نہیں ہوگا۔ اس بناء پر ان حضرات کے نزدیک کسی بھی جہری نماز میں فاتحہ سے پہلے بسم الله الرحمن الرحيم کا جہر مشروع نہیں ہوگا۔ اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کا عمل رہا ہے۔ [رواه الشيخان عن أنس رضي الله عنه]

طبرانی، ابوداؤد، ابن خزیمہ اور دیگر ائمہ حدیث رحمہم اللہ علیہم نے روایت کی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جہری نمازوں میں سورة الفاتحة جہر سے پڑھتے تھے، اور بسم الله الرحمن الرحيم آہستہ اخفاء کے ساتھ پڑھتے تھے، تو اس سے یہی ثابت

ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ الفاتحہ کا جزء نہیں ہے، اور کسی دوسری سورت کا بھی جزء نہیں ہے، سوائے سورۃ النمل کے، کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ سورت کے ایک حصہ کو جہر کے ساتھ، اور ایک حصہ کو اخفاء کے ساتھ تلاوت کیا جائے، لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اخفاء اور سورۃ الفاتحہ میں جہر عدم جزئیت کی دلیل ہے۔ امام ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو سورتوں کا فاصلہ معلوم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی۔ [رواہ الحاکم في المستدرک]

دراصل اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ ہر کارِ خیر کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ افتتاح مسنون ہے، اور یہی عمل ہر سورۃ کی ابتداء کے ساتھ منطبق ہے، اور اس میں جزئیت کی نفی ہے، کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی بھی عمل خیر کا بالاتفاق جزء نہیں ہے۔

دوسرا مذہب:

حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام عبداللہ بن المبارک اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جزء ہے، یہاں تک تو چاروں متفق ہیں، اس کے علاوہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور قول منقول ہے، کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ البراءۃ کے علاوہ ہر سورت کا (یعنی تمام سورتوں کا) جزء ہے، پس اس قول کی بناء پر قرآن حکیم کی آیتوں میں (۱۱۳) آیتوں کا اضافہ ہوگا، اور جہری نمازوں میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر بھی لازمی وضروری ہوگا، چنانچہ مصر، شام، لبنان، ودیگر بلاد اسلامیہ میں جہاں جہاں شوافع حضرات رہتے ہیں ان کا اسی پر عمل ہے، اور ہمارے موجودہ زمانہ میں بھی یہی طرزِ عمل شوافع میں جاری ہے۔ البتہ جہاں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سورۃ الفاتحہ کی جزئیت کے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ قائل تھے، موجودہ زمانہ میں سعودی حکومت اگرچہ حنبلی مذہب کی پیروکار ہے، لیکن حرمین شریفین میں سابق روایت انس رضی اللہ عنہ پر ان کا عمل ہے، یعنی جہری نمازوں میں فاتحہ کا جہر اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اخفاء مروج اور معمول بہ ہے۔

خلاصہ وتتمہ:

دنیوی حکمران، بادشاہ وسلاطین، امراء ورؤساء اور دیگر سرمایہ داروں کی بستی غریب وعوام الناس کی بستی سے الگ فاصلہ پر ہوتی ہے، یہ لوگ غریبوں سے دور فاصلے پر اپنے قلعے اور محلات تعمیر کرتے ہیں، تاکہ وہاں تک غریبوں کی رسائی نہ ہو، اور اپنے محلات پر پہرہ دار محافظ بٹھاتے ہیں تاکہ وہاں کوئی نہ آئے، انسان کیا بے چارے کتے اور

بلیوں پر بھی پابندی ہوتی ہے، کوئی غریب اگر وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو دھکا کھا کر واپس ہوجاتا ہے۔

ربّ العزّت سبحانہ کا کرم دیکھئے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید: ۴] (وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو) بالکل نزدیک، بلکہ متصل قلوب عباد میں جلوہ افروز اور متمکن ہے، اور ہر سائل کو دیکھتا بھی ہے، اور پہچانتا بھی ہے، اور اس کی ساری حاجتوں پر اس کی نظر بھی ہے، اور "أنَاعِنْدَظَنِّ عَبْدِي بِي" اس کی شان کریمی بھی ہے۔ لاکھوں نعمتوں سے بغیر مانگے نوازتا بھی ہے، اس کے باوجود بار بار صبح وشام اعلان بھی فرمارہے ہیں کہ ذرا اور نزدیک آنے کی زحمت کرو، ایک بالشت نزدیک آؤ تاکہ میں ایک ہاتھ قریب آجاؤں، پھر ایک ہاتھ کی نزدیکی سے دو ہاتھ کا قرب حاصل کرو، اگر چل کر آؤ گے تو میری رحمت دوڑ کر تمہارا استقبال کرے گی، ناامید و خوفزدہ نہ ہونا، یہ خزانہ رحمت ہر وقت کھلا ہے، کبھی بند نہیں ہوتا، بس جو بھی مانگو ضرور وہی ملے گا، یا اس کا عوض و بدل، یا اور کسی شکل میں عافیت، تندرستی، نجات عن المصائب یا ذخیرۂ آخرت، یہ جہاں کیا چیز ہے، آخرت بھی مل سکتی ہے، اگر تم نے بسم اللہ والی باء کی مصاحبت پر عمل پیرا ہو کر خود ذات باری تعالیٰ سبحانہ کو مانگا، تو وہ بھی تمہاری ہوگی، اس کی رضا بھی حاصل ہوجائے گی۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ☆ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اگر تم کو مانگنا نہیں آتا، اور تم درخواست کا مضمون نہیں جانتے، تو کوئی بات نہیں، "بسم اللہ" پڑھ کر سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرو، مضمون ہم نے بتادیا، بس مانگنا تمہارا کام، دامن بھرنا ہمارا ذمہ، اور یہ بھی ذہن میں رکھو کہ عاجزی، بیکسی، عجز و نیاز لے کر آؤ، ایمان کی دولت کے ساتھ آنا بہت بہتر ہوگا، ورنہ یہ شرط نہیں، کیونکہ کفار و مشرکین، منافقین و فاسقین اور دیگر تمام مخلوقات اسی خزانۂ رحمت (الرحمن) کے نمک خوار اور فیض یافتہ و دست نگر اور پروردہ ہیں۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب گبر و ترسا وظیفہ خور داری ☆ دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمنان نظر داری

مگر "الرحیم" کی صفت، جو ننانوے رحمتوں کے ساتھ متعلق ہے، وہ صرف اصحاب ایمان و یقین کے ساتھ روز قیامت مخصوص ہے، زہے نصیب اہل ایمان کا۔

الله علم لذات واجب الوجود المستجمع لجميع صفات الجمال والكمال المنزه عن الشريك والنقائص والعجز والزوال۔

اَللّٰہ جلّ وعلا وہ ذات عالی صفات، جس کیلئے تمام صفات کمال ثابت ہیں، اور ہر قسم کے عیوب و نقصانات سے بری اور پاک ہے۔ اس مبارک نام کی حیثیت علم کی ہے، باقی اسماء حسنیٰ بمنزلہ صفات کے ہیں۔ اس مبارک نام

کے بہت سے اسرار ورموز ہیں۔ بعض علماء کرام اسم کو مسمّٰی کا عین مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح مسمّٰی ذات باری تعالیٰ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴﴾ [الاِخلاص: ۳] (اس کی اولاد نہیں، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ۝۳ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے ۝۴) جیسی پاکیزہ صفات اور کامل صفات کے ساتھ موصوف ہے، اسی طرح اسم مبارک اللہ نہ مشتق ہے، اور نہ کسی اسم کیلئے مشتق منہ ہے، حالانکہ اشتقاق میں صرف مادہ اور صورت کا اتحاد ہوتا ہے، وہ اس کی بھی نفی کرتے ہیں۔ مگر محققین حضرات جیسے امام رازی، سید آلوسی، علامہ بیضاوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم حضرات اس کو مشتق مانتے ہیں، اور مشتق منہ بہت سے الفاظ ومعانی بیان کرتے ہیں۔ مشہور اور بہتر یہی ہے کہ اس کو الالٰہ سے مشتق مانا جائے۔

اس اسم مبارک کے حروف چار ہیں، ہمزہ، دولام اور ہاء۔ عدد ٦٦، اور اس کا ہمزہ وصلی ہے، مگر نداء کی صورت میں خصوصیت کے ساتھ قطعی ہوگا، جیسے: ''یااللہ'' ہمزہ پڑھا جائے گا، باقی احوال میں تلفظ سے پاک رہے گا۔ ''بسم اللہ'' کی طرح، روایت حفص کے مطابق لام جلالہ کی خصوصیت کے ساتھ تفخیم ہوگی، بخلاف دوسرے لاموں کے، یہ اسم ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، کسی غیر پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔ تمام معرفہ اسماء میں علی الاطلاق أعرف المعارف ہے۔ اگر ابتدائی ہمزہ حذف ہو تو للہ رہے گا، اول لام محذوف ہو تو لہ بنے گا، دوم لام محذوف ہو تو ھو بنے گا، ھو میں واو زائد شمار ہوگا۔ ان تمام صورتوں میں خصوصیت کے ساتھ اپنے مسمّٰی پر دلالت کرے گا۔

یااللہ میں حرف نداء محذوف ہو کر اللّٰھم پڑھا جائے گا، میم مشدد محذوف یاء کا بدل ہوگا، یہی وجہ ہے یااللّٰھم پڑھنا درست نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں یہ مبارک نام ۲۶۹۸ مرتبہ مذکور ہے، اور یہی صحیح عدد ہے۔ جب یااللہ اور اللّٰھم پکارا جائے تو سارے اسماء حسنیٰ اس میں ملحوظ رہیں گے، گویا مؤمن نے ربّ العزّت سبحانہ کو سارے اسماء کے ساتھ پکارا، روزانہ باوضوء صدق وحضور قلب کے ساتھ کم ازکم سو مرتبہ پڑھنے اور وظیفہ کرنے سے صفاء باطنی اور انوار وبرکات نازل ہوں گے، روزانہ چار ہزار مرتبہ پڑھنے سے علوم ومعارف کا دروازہ کھل جائے گا، ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے سے صدیقیت کا مقام حاصل ہوگا، اور یہ حضرت مرزا مظہر جان جانان کا معمول ومشغلہ ہوا کرتا تھا۔

سوال: کیا یہی مبارک نام اسم اعظم ہے؟

جواب: یہی اسم اعظم ہے، مگر چند شرائط کے ساتھ، اس کی تفصیل اِن شاء اللہ آئندہ آیت الکرسی کے ضمن میں بیان کریں گے، بحسن توفیق اللہ وعونہ

ے تو ندیدی گہے سلیمان را ☆ پس چہ دانی زبان مرغان را

حضرت سیدی عبدالعزیز الدباغ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس خزانۂ رحمت بے بہا کے ساتھ تعلق تریاق اکبر اور اکسیر اعظم ہے، جب تک کوئی دنیوی آلائشوں اور حب دنیا کی نجاستوں سے پاکی، اور دامن کشی اختیار نہیں کرے گا اس وقت تک اس اکسیر اعظم کی پناہ وعنایات کا لطف و تعلق نہیں پا سکے گا۔ وباللہ التوفیق ومنہ الھدایۃ والسداد۔

ے ہزار بار بشویم دہان بمشک وگلاب ☆ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

اے برون از وہم وقیل وقال من ☆ خاک برفرق من وتمثیل من

اَللّٰهُمَّ لَانُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِکَ۔ قَالَهُ سَيِّدُ الْمُقَرَّبِيْنَ وَإِمَامُ الذَّاكِرِيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ مشہور صاحب نسبت اولیاء میں سے گزرے ہیں، ابتداء جوانی میں عام آدمی تھے، سڑک کے کنارہ چلتے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے پر اسم مبارک اللہ پڑا ہوا دیکھا، فوراً اٹھایا، اور آنکھوں پر رکھ کر بوسہ دیا، پھر زرگر کے پاس آئے اور چاندی کا خول بنوا کر اسم مبارک پر عطر لگا کر اس میں بند کر کے گلے کی زینت بنایا، رات کو جب سو گئے تو ملاء اعلیٰ تک رسائی حاصل کی، اور جہنم سے نجات، اور دخول جنت، ورضاء الٰہی کا پروانہ حاصل کیا۔ [تفسیر قرطبی، موضح القرآن وغیرہ]

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

یہ دونوں کلمات اسماء حسنیٰ میں سے ہیں، اور بہت بلند و بابرکت ہیں۔ ان کے معنی میں جو عظمت وہمگی ہے وہ اتنی عام اور محیر العقول ہے کہ کائنات کے تمام مخفی گوشوں میں جہاں جہاں رب العلمین کی تخلیق وربوبیت کے دلکش و حسین مظاہر اور مناظر موجزن، اور پھیلے ہوئے ہیں، وہاں وہاں رحمانیت ورحیمیت کی جھلک آپ کو روز روشن کی طرح نظر آئے گی، بلکہ اس جہاں سے آگے گزر کر جب حشر ونشر، حساب وکتاب اور صحائف اعمال کی چھان بین ہوگی، وہاں علیٰ وجہ الاتم ان دونوں مقدس صفات کا جلوہ نمودار ہوگا۔ زبان حق وصداقت سید المرسلین رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین (فداہ أرواحنا) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی حقیقت صادقہ اور رحمت کاملہ کی ترجمانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا أَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاکَ"۔ [رواہ الحاکم في المستدرک]

یہ دونوں مبارک اسماء صفاتی ہیں، اور رحمۃ سے مشتق ہیں۔ الرحمٰن قرآن حکیم میں ۵۷ مرتبہ مذکور ہے،

جبکہ الرحیم ۹۵ مرتبہ مذکور ہے۔ یہ دونوں اسماء مبارکہ مبالغے کے صیغے ہیں، اور الرحیم صفت کا صیغہ بھی ہے، معنی کے اعتبار سے متحد بھی ہیں، معنی مصدری، اور اشتقاق من الرحمۃ مختلف بھی۔ رحمٰن بروزن فعلان جیسے عطشان۔ اس کے معنی میں جوش وجذبہ، اور تجدّد وحدوث ہیں۔ یعنی رحمت وشفقت ومحبت کی وہ حقیقت تامہ جس میں جذبہ وجوش موجزن ہو۔ اور الرحیم بروزن فعیل جیسے: کریم۔ اس کے معنی میں رحمٰن کی طرح تجدّد وحدوث بھی ہے، اور دوام واستمرار بھی ہے، کہ جس کی رحمت دائمی ابدی دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں ثابت وقائم ہے۔ دنیا میں ہر چیز کیلئے تجدّد وحدوث ثابت ہے، اس لئے رحمٰن کا تعلق اکثر دنیوی چیزوں کے ساتھ ہے، بخلاف رحیم کے کہ اس میں دوام کا معنی ہے، اس لئے یہ آخرت کیلئے موزوں ہے۔ اس کے علاوہ صاحب روح المعانی نے ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ رحمٰن سے مراد عام رحمت ہے، چاہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، خواہ ظاہری ہو یا باطنی ہو، اور رحیم سے وہ خاص رحمت مراد ہے جو بلاواسطہ ہو، اور ظاہری بھی ہو، کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں بلاواسطہ اور ظاہری ہیں۔

اس کے علاوہ رحمٰن کے معنی میں جو عموم ہے وہ دنیوی اور اخروی، اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کی نعمتوں کیلئے ہے، کیونکہ دنیوی نعمتیں اکثر وبیشتر ادنیٰ اور حقیر ہیں، بخلاف اخروی نعمتوں کے، کہ وہ سب اعلیٰ ہیں۔

اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ رحمٰن کے معنی میں جو عموم ہے وہ جسمانی، مادی اور روحانی دونوں کیلئے ہے، بخلاف رحیم کے۔

تنبیہ:

مولانا ابوالکلام آزادؒ صاحب ترجمان القرآن نے ایک اور فرق بھی بیان کیا ہے، جو یہ ہے کہ رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لئے احسان وشفقت کا ارادہ جوش میں آجائے، پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل واحسان سب کا مفہوم داخل ہے، اور مجرد محبت لطف اور فضل سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: اگرچہ یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں، لیکن رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں، عربی میں فعلان کا باب عموماً ایسی صفات کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتی ہیں، فعلی ظہوران کیلئے ضروری نہیں ہوتا، جیسے عطشان، سکران، حیران، غضبان، لیکن فعیل کے وزن میں صفات قائمہ وفاعلہ کا خاصہ ہے، یعنی عموماً ایسی صفات کے لئے بولا جاتا ہے جو جذبات وعوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ فاعلہ ہوتی ہیں، اور اپنا فعلی ظہور بھی رکھتی ہیں، مثلاً کریم کرم کرنے والا، رحیم رحم کرنے والا، حکیم حکمت رکھنے والا، وغیرہ۔ پس

الرحمٰن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے، الرحیم کے معنی یہ ہوئے وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے، بلکہ جس کی رحمت اپنا فعلی ظہور بھی رکھتی ہے، پس الرحمٰن کا ترجمہ ہوگا: بے حد مہربان، اور الرحیم کا ترجمہ ہوگا: نہایت رحم کرنے والا، کہ تمام کائنات اسی سے فیضیاب ہو رہی ہے۔ [ترجمان القران]

پس بطور خلاصہ الرحمٰن کے معنی یہ ہوں گے: بے حد رحم والا، بخشش والا، ظاہری، باطنی، مادی، روحانی، دنیوی، اخروی، قلیل، کثیر ہر قسم کے انعام بخشش کرنے والا، کہ اس جیسا انعام واحسان کرنے والا اور کوئی نہ ہو، اور نہ کوئی کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ، اور اس میں تذکیر وتانیث، تثنیہ وجمع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے، بخلاف رحیم کے اس کا تثنیہ وجمع ہوتا ہے، اور وہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص بھی نہیں ہے۔ آنحضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ میں قرآنی آیت ہے: ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [التوبة:۱۲۸] (وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہیں، مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والے ہیں)۔

فائدہ:

چونکہ رحمٰن کا تعلق مؤمن وکافر، دنیا وآخرت دونوں کے ساتھ ہے، اور رحیم کا تعلق صرف مؤمن اور آخرت کے ساتھ ہے، اس وجہ سے اوّل میں تعمیم، اور دوم میں تخصیص ہے۔ یاد رہے کہ ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ کی سو (۱۰۰) رحمتوں میں سے صرف ایک کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے، باقی ننانوے رحمتوں کا تعلق صرف مؤمنین اور آخرت کے ساتھ ہے۔ [رواہ البخاري]

فائدہ:

الرحمن الرحیم عزّ مجدہ وجل شانہ جس کی رحمت کاملہ جہان کے تحت البحار تک ہر زرہ مخلوقات تک پہنچی ہوئی ہے، وہ ہم سے راضی ہو جائے، اور اپنی تمام رحمتوں سے نوازے، بندگی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اس کی رحمتوں پر ہماری امیدیں قائم اور دائم رہیں، ناامیدی سے پرہیز کریں، أنا عند ظن عبدي پر عمل پیرا ہوں۔

کہتے ہیں کہ دنیا کے مشہور ظالم حکمران حجاج بن یوسف ثقفی نے مرتے وقت کہا: ''یا اللہ! میں ناامید نہیں ہوں، میرا گمان وظن آپ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ سب سے بڑے مہربان مجھ جیسے سب سے بڑے ظالم سے

درگزر فرمائیں گے، اور معاف فرمائیں گے، لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ آپ جیسے کریم ورحیم مجھ جیسے لئیم پر رحم نہیں فرمائیں گے، مجھ کو امید ہے کہ بڑی رحمت ومغفرت کا تقاضا تب پورا ہو جائے گا جب سب سے بڑے مجرم کی بخشش ہو"۔ یہ کہتے ہوئے مرگیا، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مغفرت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ حجاج نے دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کی، کیونکہ یہ کلمات جو اس نے کہے، اس سے اللہ سبحانہ کی رحمتوں کو جوش آیا، اور مغفرت فرمادی۔ یہ ہے رحمانیت کا تقاضا، پس بندوں کیلئے امید مغفرت رکھنا ضروری، اور ناامیدی حرام ٹھہری۔

؎ اگر در دہد یک صلائے کرم ☆ عزازیل گوید نصیبے برم

(سعدی)

سُورۃ الفاتِحۃِ

مکیّۃٌ آیاتہا ۷ رکوعہا ۱

سورۂ فاتحہ مکی ہے، اس میں سات آیتیں، اور ایک رکوع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امام راغبؒ فرماتے ہیں: السورة الرفعة أو المنزلة الرفيعة سور المدينة حائطها۔ [راغب] سورۃ کے لفظی معنی بلندی اور رفعت کے ہیں، گویا ہر سورت ایک بلند و بالا منزل ہے۔

قرآن حکیم کی سورتیں گویا فصیلِ شہر کی طرح اپنے مضامین پر احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور ہر سورت اپنے مضامینِ مختلفہ پر محیط ہے۔ قرآن حکیم کی سورتیں چھوٹی بڑی اور متوسط تین قسموں پر مشتمل ہیں: سب سے بڑی سورت سورۃ البقرۃ ہے، اور سب سے چھوٹی سورت سورۃ الکوثر ہے، اور کوئی سورت تین آیتوں سے کم نہیں، اکثر کیلئے کوئی حد مقرر نہیں۔ مجموعی سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔ سورۃ البقرۃ سے سورۃ یونس تک سورتوں کا نام طوال ہے، سورۃ یونس سے چودہویں پارے کی سورۃ النحل تک کی سورتوں کو مثاني کہا جاتا ہے، سورۃ بنی إسرائیل سے چھبیسویں پارے کی سورۃ الحجرات تک کی سورتوں کو مئین کہتے ہیں۔ سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تک کی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں۔ پھر ان کے تین درجات ہیں: حجرات سے سورۃ بروج تک طوال مفصل، بروج سے بینة تک أوساط مفصل، بینة سے والناس تک کو قصار مفصل کہتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الإتقان" میں سورتوں اور آیتوں کی مختلف انواع و اقسام بیان کی ہیں، مثلاً مکی، مدنی، سفری، حضری، لیلی، نہاری وغیرہ، ہر ایک کا معنی واضح ہے۔ مکی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں،

خواہ کسی بھی مقام پر ہوں۔ان کی تعداد چھیاسی ۸۶ ہے۔مدنی سورتیں خواہ وہ کسی بھی مقام پر نازل ہوئی ہوں بعد ازہجرت، ان کی تعداد اٹھائیس ۲۸ ہے۔علماء کرام کہتے ہیں کہ کچھ مدنی سورتوں میں مکی آیتیں، اور مکی سورتوں میں مدنی آیتیں بھی ہیں، جن کا بیان کتب تفسیر میں ہے۔ان تمام سورتوں کی تقسیم وترتیب توقیفی ہے، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تقسیم وترتیب اور سورتوں کے جو جو نام مقرر فرمائے ہیں وہی معتمد ومعتبر ہے۔اوران کا ثبوت وحی الٰہی سے ہے۔

سورتوں کے نام دراصل تین طریقوں سے مقرر ہو چکے ہیں:

اول: سورت میں جو مشہور واقعہ مذکور ہو وہی سورت کا نام ہوتا ہے، جیسے: البقرة، آل عمران، النساء، المائدة وغیرہ۔

دوئم: سورت کا پہلا کلمہ سورت کا نام ہوتا ہے، جیسے طٰہٰ، یس، صافات، ق، ص، الرحمٰن وغیرہ۔

سوئم: سورت کی پہلی آیت میں مشہور لفظ سے سورت کا نام ہوتا ہے، جیسے القمر، الواقعة، الدهر، الكوثر۔

بعض سورتوں کے نام متعدد مختلف واقع ہوئے ہیں، سب سے زیادہ نام سورۃ الفاتحۃ کے ہیں۔علامہ سیوطیؒ نے ۲۵ نام بتائے ہیں۔قرآن حکیم کی آیتوں کی تعداد میں معمولی سا اختلاف ہے، جس کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے کہ قراء سبعہ ائمہ قرأت اوران کے رُواۃ نے وصل، فصل، وقف کے مختلف قواعد وضوابط مقرر کئے ہیں، مکی قراء، مدنی قراء، شامی قراء، بصری اور کوفی قراء، مختلف قواعد وصل اور وقف پر عمل کرتے ہیں، جن سے آیتوں کی تعداد میں کمی بیشی ممکن ہے۔سب سے راجح اور مشہور ومعروف روایت امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو کہ امام عاصمؒ کے راوی ہیں، اور بیشتر اسلامی ملکوں میں یہی روایت عام اور معمول بہا ہے۔اس کے اعتبار سے قرآنی آیتوں کی تعداد جو کہ آج کل ہر مسلمان قاری بآسانی شمار کرسکتا ہے ۶۲۳۶ ہے۔ہمارے زمانہ میں سہولت کی خاطر ہر سورت کے شروع میں اس کی آیتوں کی تعداد لکھی ہوئی ہے، ہر شخص انہیں بآسانی جمع کرسکتا ہے، وہ یہی (۶۲۳۶) تعداد ہے۔اسی طرح قرآن حکیم کے کُل حروف کی تعداد، جس کو علامہ ابواللیث السمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت احتیاط سے بار بار شمار کرکے تین لاکھ چھیالیس ہزار نوسواٹھانوے (۳۴۶۹۹۸) لکھا ہے، اور کُل قرآنی الفاظ (کلمات) کی تعداد ستتر ہزار

نوسو چونتیس (۷۷۹۳۴) بتائی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ہر سورت کے شروع میں اس کے مجموعہ حروف اور کلمات کا بیان اور تعداد لکھی جائے گی۔

حجاج بن یوسف ثقفی نے قرآن حکیم کے مختلف زاویوں پر جو خدمات انجام دی ہیں، وہ قابل تعریف ہیں۔ حجاج نے قرآن حکیم کے حروف، کلمات، زبر، زیر، پیش، جزم، تشدید، آیت اور ۲۹ حروف تہجی میں سے ہر حرف کی تعداد کہ کتنی مرتبہ قرآن حکیم میں مذکور ہے، یہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس قرآنی خدمت پر حجاج نے علماء وقراء وحفاظ کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی، کمیٹی نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ مبارک خدمت انجام دے کر مکمل کرلی، جس پر حجاج نے کمیٹی کے ارکان کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا۔

آیت:

آیت کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، سورتوں میں ایک مختصر تقسیم کا نام آیت ہے، ہر فقرہ جس میں مستقل ایک حکم ہو، یا ایک مضمون ہو، یا مستقل عبارت ہو، یا باعتبار وقف کے ماقبل اور مابعد سے الگ ہو، اُسے آیت کہتے ہیں، اور شناخت کی خاطر اس پر گول دائرہ، یا اور کوئی علامت مقرر کرتے ہیں۔ یہ آیت کبھی نہایت مختصر بھی ہوسکتی ہے، جیسے الٓمّٓ یا حٰمٓ یا یٰسٓ۔ اور کبھی یہ آیت صرف ایک حرف کی بھی ہوتی ہے، جیسے ص، ق، ن۔ اور کبھی بہت ہی لمبی ہوسکتی ہے، جیسے آیت الکرسی، جس میں دس وقف ہیں، اور ایک آیت شمار ہے، یا سورۃ البقرہ کے آخری رکوع سے پہلی آیت، یعنی دوسو بیاسویں (۲۸۲) آیتِ مداینہ۔ کبھی پورا رکوع صرف ایک آیت ہوتی ہے، جیسے سورۃ المزمل کا آخری رکوع، جو کہ ایک ہی آیت ہے۔

فضائل سورۃ الفاتحہ:

حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز نفل ادا کر رہا تھا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا، میں نے جواب نہ دیا، فارغ ہو کر میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز میں مشغول تھا، فرمایا: جب اللہ پاک اور اس کے رسول کی طرف سے بلاوا آجائے تو جواب دیدیا کرو، کیونکہ یہ نماز نفل تھی، اور نبی کے بلاوا کا جواب دینا فرض ہے، اور شرعی مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں تو جواب دینا ضروری ہے، دوسروں کیلئے نہیں، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَلَا أُعَلِّمُکَ أَعْظَمَ

سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟ یعنی کیا میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے بڑی سورت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اور جب آپ مسجد سے تشریف لے جانے لگے تو میں نے یاددلایا، توارشادفرمایا کہ وہ سورۂ فاتحہ ہے، جوسات آیتوں پر مشتمل ہے، اورنماز میں بار بار کثرت سے پڑھی جاتی ہے، یہی سبع المثاني والقرآن العظیم ہے۔[بخاري في التفسير]

اسی طرح حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ سرورانبیاء ﷺ نے ارشادفرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، سورۃ الفاتحہ کی نظیر نہ تورات میں نازل ہوئی، اور نہ انجیل، اور نہ زبور میں، اور نہ خود قرآن حکیم میں کوئی دوسری سورت اس کی ہم مثل ہے۔[ترمذی وغیرہ]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں خواجہ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اوپر سے سخت اونچی آواز سنی تو آنحضرت ﷺ نے اوپر دیکھا تو جبرئیلؑ نے فرمایا: هٰذَابَابٌ فُتِحَ مِنَ السَّمَاءِ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّاالْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَامَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّاالْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ أَبْشِرْبِنُوْرَيْنِ أُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ۔[رواہ مسلم]

ترجمہ: آسمان میں بہت سے مختلف دروازے ہیں، جن کا حساب معلوم نہیں، مگر اس وقت جو دروازہ کھلا ہے وہ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا ہے، اس سے ایک فرشتہ زمین پر اترا ہے، جو اس سے قبل کبھی زمین پر نہیں آیا ہے، یہ آواز اس فرشتے کی تھی، اس فرشتہ نے خوشخبری سنائی کہ میں ربّ العزّت سبحانہ کی طرف سے آپ کو دو نور لا کر دیتا ہوں، جو کسی اور پیغمبر کو نہیں دیے گئے، ایک نور سورۃ الفاتحہ کا، اور دوسرا نور خواتیم سورۃ البقرہ کا، اور فرشتہ نے کہا کہ میں اپنی پوری زندگی میں صرف ابھی اترا ہوں، اور یہ دونوں نور لے کر آیا ہوں، اور اللہ ربّ العزّت سبحانہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ان دونوں انوار سے درخواست کرے گا تو وہ منظور ومقبول ہوگی۔

سورۃ الفاتحہ، فاتحۃ الکتاب:

علماءِ تفسیر اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں سورۃ الفاتحہ کے بہت سے نام بیان کئے ہیں، اسی طرح قرآن حکیم کے نام بکثرت بیان ہوئے ہیں، پہلے سورۃ الفاتحہ کے ناموں کی تفصیل، پھر قرآن حکیم کے اسماءِ گرامی اور موضوع کا بیان:

ہوگا۔

سورۃ الفاتحہ کے نام درجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	سورة الحمد	۲	فاتحة الكتاب	۳	أم القرآن
۴	أم الكتاب	۵	السبع المثاني	۶	القرآن العظيم
۷	سورة الصلوٰة	۸	سورة الدعاء	۹	سورة الشفاء
۱۰	سورة الرقية	۱۱	سورة الأساس	۱۲	سورة الكافية
۱۳	الوافية	۱۴	تعليم المسئلة	۱۵	سورة الواقية
۱۶	سورة الكنز	۱۷	سورة الشكر	۱۸	سورة البركة
۱۹	سورة الهداية	۲۰	سورة الكرامة	۲۱	سورة الأبرار
۲۲	سورة أسرار الشريعة	۲۳	سورة البرهان	۲۴	سورة الرحمة
۲۵	سورة النجات	۲۶	باب القرآن	۲۷	مفتاح القرآن

یہ سورۂ فاتحہ کے ۲۷ نام ہیں، ان میں سے ہر ایک اسم کیلئے الگ وجہ تسمیہ ہے، اختصاراً انہیں ذکر نہیں کیا گیا۔

قرآن حکیم جو کہ سورۃ الفاتحہ کی تشریح وتفسیر ہے، اور ربّ العزّت سبحانہ کا آخری عالمگیر صحیفۂ رحمت و کتابِ ہدایت ہے، جسے اللہ ربّ العزّت نے سید الانبیاء وخاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا، اس کے مبارک ناموں کا بیان جو کہ خود قرآن حکیم اور احادیث نے بیان کئے وہ یہ ہیں:

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	القرآن	۲	الفرقان	۳	الكتاب
۴	التذكرة	۵	الهداية	۶	الرحمة
۷	البصائر	۸	النور	۹	الروح

۱۰	الهدىٰ	۱۱	الشفاء	۱۲	الموعظة
۱۳	التبيان	۱۴	القيم	۱۵	أحسن الحديث
۱۶	المثاني	۱۷	البرهان	۱۸	الذكر
۱۹	النور المبين	۲۰	الصراط المستقيم	۲۱	القول الفصل
۲۲	تنزيل رب الغلمين	۲۳	القرآن العظيم	۲۴	القرآن الكريم
۲۵	القرآن المجيد	۲۶	الكتاب المبارک	۲۷	القرآن العربي

ان کے علاوہ بعض علماء نے ۴۵ ،اور بعض نے ساٹھ، اور بعض نے اس سے بھی زائد نام شمار کئے ہیں۔

فضائل القرآن وموضوعہ:

فضائلِ قرآن حکیم اتنے زیادہ اور بے شمار ہیں کہ جس طرح قرآنی علوم ومعارف کا احاطہ ممکن نہیں اسی طرح فضائلِ قرآن کا احصاء واحاطہ بھی طوق بشر سے خارج ہے، محض ایک حدیث پر اکتفاء کر کے اسے ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کی بدولت موضوع قرآن حکیم کا تعین ونشاندہی ہو سکے، وباللّٰہ التوفیق ومنه الإعانة والهداية۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ أَلَا إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ كِتَابُ اللهِ فِيْهِ نَبَأُ مَاقَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَابَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَابَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِي غَيْرِهٖ أَضَلَّهُ اللهُ وَهُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَتِيْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ هُوَ الَّذِي لَاتَزِيْغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَاتَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَايَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَايَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَاتَنْقَضِي عَجَائِبُهُ هُوَالَّذِي لَاتَنْتَهِ الْجِنُّ إِذَاسَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا إِنَّاسَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّابِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ۔
[رواه الترمذي]

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے سید المرسلین ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ، ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے''، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے

بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلی امتوں کے عبرت آموز واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اطلاعات (دنیوی واخروی ثمرات، جو اعمال و اخلاق کے سلسلے میں ظاہر ہونے والے ہیں) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن حکیم میں ان کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل کے متعلق) قول فیصل ہے، وہ فضول اور بے مقصد نہیں ہے، جو جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا یا اسے نہیں مانے گا اللہ ربّ العزّت اس کو توڑ کر رکھ دے گا، اور جو کوئی قرآن کے بغیر حق کو تلاش کرے گا اس کے حصے میں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی، وہ ہدایت سے سراسر محروم ہی رہے گا، قرآن حکیم ہی اللہ ربّ العزّت سے تعلق کا مضبوط وسیلہ و ذریعہ ہے، اور محکم نصیحت نامہ ہے، وہی صراط مستقیم ہے، اور وہی حق مبین ہے، جس کی اتباع سے خیالات وعقائد کجی سے محفوظ رہتے ہیں، اور زبانیں اس کو توڑ موڑ نہیں کرسکتیں (جیسا معاملہ پہلی کتابوں کے ساتھ ان کے ماننے والوں نے کیا) اور علم والے اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی ہر زمانہ میں اس کے بے شمار معارف سامنے آتے رہیں گے) اور قرآن کریم کثرت مزاولت اور بار بار پڑھنے سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (بلکہ جتنا پڑھو گے زیادہ لطف آئے گا)، اس کے عجائبات وحقائق کبھی ختم نہ ہوں گے، قرآن حکیم کی شان یہ ہے کہ جنات نے جب اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے: ﴿اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ [الجن: ۱] (ہم نے ایک عجیب قرآن سنا، جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، پس ہم نے اس پر ایمان لایا)۔ جس نے قرآن حکیم کے مطابق بات کہی اس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن مجید پر عمل کیا وہ اجر وثواب کا مستحق ہوا، اور جس نے قرآن مجید کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا، اور جس نے قرآن پاک کی طرف دعوت دی اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت نصیب ہوگئی''۔ [ترمذی]

قرآن کریم ربّ العزّت سبحانہ کی وہ آخری کتاب اور ذکر حکیم ہے جس کے ساتھ ربط و تعلق اور شغل و مصروفیت خالق کائنات سبحانہ کو تمام اعمال صالحہ سے زیادہ پسند ہے، اس کی عظمت وفضیلت کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ کلام اللہ المجید ہے، جو ربّ العزّت سبحانہ کی صفت حقیقی ہے۔ غور فرمائیں کہ لوح، قلم، عرش اعظم، کرسی، جنت، انبیاء علیہم السلام یہ تمام ربّ العزّت سبحانہ کی مخلوقات ہیں، ان کی عظمت وصداقت اپنے مقام پر مسلم ہے، مگر وہ سب مخلوق ہیں، جبکہ کلام اللہ المجید صرف حضرت باری تعالیٰ کی صفت حقیقی قدیم غیر مخلوق ہے، جو اس کی ذات پاک کے ساتھ قائم رہنے والی کتاب ہے۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا بے انتہا کرم واحسان اور ذرہ نوازی ہے، اور اس کا عظیم الشان انعام و اکرام ہے کہ اس نے اپنے حبیب

سردار انبیاء خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ ہم تک وہ مقدس کلام پہنچایا، اور ہمیں اس لائق وقابل بنایا کہ ہم اس کی تلاوت کرسکیں، اور اپنی زبان سے پڑھ سکیں، اور پھر زندگی میں اس سے راہنمائی حاصل کرسکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی مقدس وادی میں جب قدم رکھا تو درخت سے اس طرح آواز آئی: ﴿اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ﴾ [طٰہٰ:۱۴] (بیشک میں اللہ ہوں، کوئی معبود نہیں سوائے میرے، پس میری ہی عبادت کرو)۔ تو گویا وہ بے جان درخت جس کو اللہ ربّ العزّت نے اپنا کلام سنوانے کیلئے آلہ بنایا، بلاتشبیہ غیبی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا، بالکل اسی طرح کلام اللہ کی تلاوت کرنے والا بوقت تلاوت اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے، اور اسے کلام اللہ کی تلاوت وسماعت کا شرف نصیب ہوتا ہے، زہے نصیب وسعادت۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہے؟ لہٰذا اس پر مؤمنین کو فخر اور شکر کرنا چاہئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید کائنات ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ شانہ اس کتاب مقدس کے ذریعہ بہت سوں کو اونچا کرے گا، اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا''۔ [مسلم]

☆☆☆

تنبیہ:

جو قوم خواہ وہ کسی بھی نسل سے ہو، اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن حکیم کو جب وہ اپنا راہنما بنا کر اس کی تابعدار بنے گی، اور اس کے ساتھ کلام اللہ والا تعلق رکھے گی، تو وہ دنیا وآخرت دونوں میں سربلند ہوگی، اور اس سے انحراف کرنے والی اعلیٰ سے اعلیٰ نسل بلندیوں سے نیچے پٹخ دی جائے گی، اس کا مشاہدہ اقوام وافراد اور خاندانوں میں بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

موضوع القرآن الحکیم:

قرآن حکیم کا موضوع ''انسانِ مکلف'' ہے، اس حیثیت سے کہ وہ علم وعمل کے زیور سے آراستہ ہو، جب علم وعمل قواعد شرعیہ قرآنیہ کے مطابق صحیح ہوں گے تو انسانی اقدار وشرافت کا عروج ہوگا۔ علم وعمل ایک ایسی بنیادی چیزیں ہیں جن کی ضرورت ہر انسان کو ہے، اور انسانیت بغیر علم وعمل کے بے معنی ہے۔ دنیا کسی بھی وقت علم وعمل سے خالی نہیں رہی، علم

وعمل کا چرچا تسلسل کے ساتھ ہر قرن میں جاری رہا، مگر وحی الٰہی معیار علم وعمل ہے، زمانہ رسالت سے پہلے علم وعمل اگرچہ موجود تھے، مگر وحی الٰہی کی سرپرستی انہیں حاصل نہ تھی، وحی الٰہی کی عدم سرپرستی کی وجہ سے باقی اقوام عالم صرف باطل اوہام اور خودساختہ شکوک وشبہات کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھیں۔ رہا اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کا معاملہ وہ تو دیگر اقوام عالم سے بھی زیادہ تذبذب کے شکار تھے، کیونکہ انہوں نے تحریفات کرکر کے اصلی دین کی حقیقت اور حلیہ کو اتنا بگاڑ کر تبدیل کیا ہوا تھا کہ کوئی یقین نہیں کرسکتا تھا کہ ان کا یہ دین اصلی آسمانی دین ہے۔ یہ نہیں کہ ان کے پاس علم وعمل کا فقدان تھا، بلکہ سب کچھ تھا، مگر تحریف شدہ اور ہزاروں تبدیلیوں کے ساتھ ان کے پاس صحیح علم وعمل کا فقدان ضرور تھا، تب قرآن حکیم نے انہیں بے علم کہا، اور **مغضوب علیہم** اور **ضالین** کے القاب سے یاد فرمایا، کیونکہ انسانی اقدار ومذہبی شرافت کا عروج وترقی صحیح علم وعمل پر موقوف ہے، جو ان کے پاس نہیں تھا۔ عقائد ہوں یا اعمال، اخلاق ہوں یا کردار ومعاملات ہوں، یا دیگر احوال، ان کے پاس ان کا صرف نام ہی تھا، تہذیب اخلاق اور علمی شرافت اور عملی خوبیوں سے سراسر بے نصیب وبے بہرہ رہے۔ قرآن حکیم نے انہیں زبردست دعوت دی، اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے اور قبول کرنے اور دہرے ثواب کی انہیں یقین دہانی کرائی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر یہود کے صرف دس لوگ میرا دین اسلام قبول کریں تو بعید نہیں کہ ساری یہودیت حلقہ بگوش اسلام ہو۔ [مسلم]

الغرض! قرآن حکیم کا موضوع انسان کا مکلف ہونا قرار پایا، مگر بحیثیت تکمیل انسانیت بذریعۂ صحیح علم وعمل کے، اور اسی مقصد کے حصول پر دین اسلام کی تکمیل کا سورۂ مائدہ نے اعلان فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ: ۳] (آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کردی، اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا)۔ یہودی عالم حضرت کعب الاحبار نے اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے متعلق جو سوال پوچھا تھا، وہ اسی بات پر مبنی تھا کہ اسلام اصلی صحیح دین حنیف ہے، اور اسلام ہی کی بدولت علم وعمل کا حصول ممکن ہے، اور یہی تکمیل شریعت اور تکمیل علم وعمل ہے، جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا، اور حاصل کیا، تب تو وہ جہالت کے اندھیروں سے نکل کر مینارۂ نور کے القاب سے نوازے گئے۔ "أَبَرُّهُمْ قُلُوبًا وَأَعْمَقُهُمْ عِلْماً" کے وارث بنے، اور باقی امت کیلئے معیار حق بنائے گئے، اور علماء ومحدثین کے نزدیک **كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ** کا منصب انہیں حاصل ہوا۔ ﴿فَإِنْ

﴿اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾[البقرۃ:۱۳۷] (اگر وہ ایمان لائیں اس چیز کی مثل پر جس پر تم نے ایمان لایا ہے، تو ہدایت پا گئے)۔ ان کا ایمان نہ محض یہود ونصاریٰ، بلکہ سارے اہل ادیان کے لئے بحیثیت نمونہ تسلیم ہوا، کیونکہ وہ صحیح علم وعمل کے وارث تھے، اور عملی میدان میں بے مثال حقانیت کے مظاہر تھے۔ غزدۂ بدر کے موقعہ پر انہوں نے برملا اعلان فرمایا، اور کہا: ''یارسول اللہ! قدم بڑھائیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، دائیں بائیں، آگے پیچھے، ہر جہت سے آپ کا تحفظ اور نگرانی کرنے پر تیار ہیں، ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں ہیں، جنہوں نے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب جہاد کریں، ہم یہاں بیٹھے ہیں''۔ یہ دراصل قوم یہود میں علمِ صحیح اور شرعی اعمال کے فقدان کا ثبوت تھا، جن کے پاس قادر کریم پاکیزہ بے عیب معبود کا تصور تک نہ تھا، اسی وجہ سے تو﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾[آل عمران:۱۸۱] (اللہ فقیر ہے (نعوذ باللہ) اور ہم مالدار ہیں) جیسے کفریہ کلمات کہنے سے نہ شرمائے، یہ فقدان علم نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے علاوہ چالیس کے قریب ان کے کفریات کو قرآن حکیم نے بیان کیا ہے، مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر۔ بعض علماء نے انہیں کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔ جزاھم اللہ تعالی

سورۃ الفاتحہ تعلیم المسئلہ :

جب کسی بندے پر دعاء مانگنے، اور دربار الٰہی جل شانہ میں استغاثہ والتجاء کا دروازہ کھلتا ہے، تو یہ ایک بڑی سعادت ہے، جس پر یقین کے ساتھ کہنا چاہئے کہ اس پر رحمت ایزدی کا ایک مخصوص دروازہ کھل گیا، کیونکہ دنیادار لوگ مانگنے والوں پر عتاب کرتے ہیں، اور انہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور بسا اوقات مانگنے والوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل یہ ان کے عجز وناتوانی، تنگ دلی اور بخل کی نشانی ہے، کیونکہ انسان جتنا زیادہ مالدار ہوتا ہے اتنا زیادہ پریشان اور بخیل وکنجوس ہوتا ہے، کثرت مال ایک عذاب اور آفت ہے، جو انسان کے دل سے گداز اور شفقت ورحمت مٹا دیتا ہے، مالدار شخص بڑا لالچی اور حریص ہوتا ہے، وہ کبھی مال سے سیر نہیں ہوتا، اگر سارا جہاں اس کی ملکیت ہو پھر بھی وہ بھوکا رہتا ہے، گویا اس کی پیشانی پر آنکھوں کے درمیان فقر وغربت کا فقرہ لکھا ہوا ہوتا ہے، اس کا دل رحم وکرم اور سخاوت کے تصور سے خالی رہتا ہے، اس لئے وہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں سے بیزار رہتا ہے، اور دور رہنے کی تدبیر کرتا ہے۔

کثرت دنیا گداز از دل برد ☆ نازمی آرد نیاز از دل برد

اے بسا مردے خردمند و کریم ☆ کثرت دنیا ترا کردہ لئیم

(مولانا رومی)

ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ قادر و کریم مطلق اس کی ذات پاک ہے، لامحدود، بے شمار رحمتوں کا مالک ہے، اس کے خزانے اتنے زیادہ اور بکثرت ہیں کہ وہ ہر قسم کے مادی اور روحانی خزانوں کا واحد مالک و متصرف ہے، اور آفرینشِ دنیا سے لے کر قیامت تک خشکی، دریا، سمندر، آبادی، صحراء، علویات، سفلیات اور فضاؤں، میدانوں کی بیشمار مخلوقات پر ظاہری، باطنی، بالواسطہ، بلاواسطہ حقیقی، معنوی، نعمتوں کی بلاقیمت و بلاعوض بارش برساتا ہے، اور رزق و روزی کا اعلیٰ انتظام و تدبیر چلاتا ہے، مخلوقات پر شب و روز، ہرلحہ مانگی، اور بلامانگی نعمتوں اور بخششوں کا سیلاب کی طرح دریا بہاتا ہے، مجال نہیں کہ کوئی بھوکا پیاسا رہے، اور اس کے خزانوں میں بارش کے ایک قطرہ جتنی کمی واقع ہو، یا کوئی مخلوق اگرچہ ادنیٰ کیڑے مکوڑے کیوں نہ ہو محروم رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ساتوں سمندروں کے نیچے ریت پر چلنے اور رینگنے والی چیونٹیوں کی آواز اور ان کے پاؤں کی آہٹ اور حرکت عرش پر سنتا اور انہیں دیکھتا ہے۔ (الذي يسمع دبيب النملة السوداء على الصخرة الصماء تحت ظلمات البحار فسبحانه ماأعظم علمه وحكمته وشأنه) یہ جود و کرم کی بخشش ہرلحہ جاری و ساری ہے، جس پر کوئی بندش اور انقطاع نہیں۔ [إحياء العلوم]

اور اس کے خزانوں میں بال برابر کمی واقع نہیں ہوتی، وہ ہر رات آسمان دنیا پر اپنے خزانوں سے مخلوقات کو زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرنے کی خاطر نزول فرما کر صبح تک فرشتوں سے منادی کراتا ہے کہ ہر قسم کے مادی و روحانی خزانوں کے دروازے کھلے ہیں، ''دائے آئے'' جس کا جی چاہے'' فرماتے ہیں کہ میں سائلوں کے پاس قریب آیا ہوں، مانگنے والوں سے راضی ہوتا ہوں، مانگنے والوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، اور دے دیتا ہوں، اتنا زیادہ جو میری شایانِ شان کے ہو، اور یہ نہیں کہتا کہ اعمال صالحہ کا انبار لے کر آؤ نہیں نہیں، معصیتوں کا اگر پہاڑ لے کر ندامت کے ساتھ آؤ گے تو راضی ہوتا ہوں، جھکنا اے بندوں! تمہارا ہی کام، تمہارے دامن کو دنیا و آخرت کی نعمتوں سے بھرنا میرا کام۔ میں نے کب کہا کہ اعمال صالحہ کا انبار لے کر آؤ، میں مسلسل کہتا رہا ہوں کہ گناہوں کا انبار لے کر آؤ، ذرا سمجھو تو سہی، مجھے آزماؤ تو سہی، تو تم مجھے اتنا قریب پاؤ گے گویا میں تمہارے دل کی گہرائیوں میں موجود ہوں، ناامید نہ ہونا، مجھے اپنے جلال

وعظمت کی قسم، میں صرف تمہارا نہیں، بلکہ انس وجان، گزشتہ وآئندہ، ہر سائل کی تمام حاجتوں کو آن واحد میں پورا کروں، اس پر مجھے قدرت بھی ہے، اور چاہت بھی، میرے خزانوں میں بارش کے ایک قطرہ برابر جتنی کمی نہیں ہوگی، میں تم سے دور نہیں ہوں، بے نیازی اگر چہ میری شان ہے، مگر نیاز مندی کی قدر و قیمت میرے پاس بہت زیادہ ہے۔

تیرے دل میں ہے میری تصویر نقش ☆ تو ذرا گردن جھکا کے دیکھ لو

نہ مانگنے والوں سے صلح نہیں کرتا، اور مانگنے والے اور قریب آنے والوں کا استقبال کرتا ہوں، تم ایک بالشت جتنا نزدیک آؤ گے، میں دو بالشت قریب ہوتا ہوں، تم ایک ہاتھ قریب آؤ گے میں دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، تم چل کر آؤ گے میں دوڑ کر آؤں گا، تم اگر مجھے زمین پر یاد کرو گے میں تمہیں عرش عظیم پر یاد کروں گا۔ [بخاری ومسلم]

میں تمہیں کسی کے رحم وکرم کے حوالے نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ میرے سوا تمہارا کوئی نہیں، آج تک دشمنوں کو اور نافرمانوں کو دھکا نہیں دیا، اور پرورش کر کے پالا، تجھے اے ایماندار موحد! بے یارومددگار دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب رات کو سارے جہاں کی عدالتوں، مارکیٹوں، بازاروں، امیروں، وزیروں، بادشاہوں اور ساری خلقت کے دروازے بند ہوتے ہیں، میں خصوصیت کے ساتھ اپنے سارے خزانوں کے دروازے بلا امتیاز کھول دیتا ہوں، اور بخششوں کا اعلان کرتا ہوں۔ اے نادان بنی آدم! ذرا سوچو، فکر کرو، سرکشی ترک کرو، غرور سے باز آجاؤ، میں تم سے کسی نعمت وبخشش کی قیمت کا خواہاں نہیں ہوں، صرف ایک شرط رکھتا ہوں کہ عاجزی وبے کسی منکسر المزاجی لے کر آؤ، پس اگر سب کچھ مفت مہیا نہ کروں، دنیا وآخرت دونوں کی ظاہری وباطنی ابدی نعمتوں سے تمہارا دامن نہ بھر دوں تو گلہ کرو۔ واللہ اعلم

ہر جا کہ درے بود بشب در، بندند

الا در دوست را کہ بشب باز کنند

(مثنوی، مواعظ حکیم الامۃ)

اگر تمہارے پاس کوئی عذر ہو کہ تم درخواست کی پرچی نہیں لکھ سکتے، یا کاغذ وقلم نہیں، یا مضمون درخواست کا سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں، کیسا لکھوں، کس کے حوالہ کروں، شنوائی ہوگی یا نہیں ہوگی، جواب کب اور کیسے آئے گا، تو ان تمام عذر وتقصیرات اور درماندگیوں کا آسان اور مختصر جواب یہ ہے کہ مضمون درخواست اور طریقہ نمونہ میں خود بتا

دیتا ہوں، اور تم سے کسی لکھنے اور تحریر کے ڈاکیہ و پیغام رسانی کا کوئی مطالبہ نہیں، جواب براہ راست فوراً آئے گا، ذرا بدن ولباس پاک رکھو، وضوء کر کے عظمت والے گھر کا رخ کرو، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر اس کی سنت کے مطابق کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہو، اور پھر الحمد للہ رب العٰلمین پڑھ کر آخر میں آمین کہو، بس تمہاری درخواست مکمل ہے، اور اس کی شنوائی ہوگئی۔ یہ ہے مختصر تعلیم المسئلہ کا بیان، تفصیل کیلئے دفتروں کی ضرورت ہے، اور یہ بندہ عاجز ہے۔

البتہ! ایک مختصر عرض ضروری ہے، جو یہ ہے کہ ربّ العزّت عزّ مجدہٗ نے ازراہ شفقت و مہربانی عاجز بندہ کی درخواست کا طریقہ اور مضمون خود مرتب فرمایا ہے کہ اے میرے بندو! تم نااہل اور بے سمجھ ہو، تم کو مانگنے کا طریقہ معلوم نہیں، میں ازراہ شفقت و کرم تمہیں مانگنے کا طریقہ اور مضمون مع ضروری شرائط کے خود بتلا دیتا ہوں، اگر اس کو اختیار کرو گے تو میں راضی ہو جاؤں گا، اور تمہاری درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی دنیا کا بادشاہ سائل سے یہ فرمائش کرے کہ مجھے فلاں مضمون کی درخواست لکھ کر پیش کرو، تو یہی اسے ماننے اور قبول کرنے کا وعدہ سمجھا جاتا ہے، ایسی درخواست کی قبولیت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہے گا، چہ جائیکہ احکم الحاکمین ذوالجلال والاکرام کا وعدہ و فرمائش، جو کہ ہر شئ سے پختہ اور یقینی ہے۔ یہ ساری درخواستیں ملاء اعلیٰ میں جمع ہو کر مرنے کے بعد سب درخواستوں کا بکس کھولا جائے گا، تب پتہ چلے گا کہ نمازی نے قیمتی اور اعلیٰ زندگی گزاری، اللہ ربّ العزّت سارے مسلمانوں کو توفیق بخشے۔

تو سورۃ الفاتحہ میں حق سبحانہ ملک الملک نے خود درخواست مرتب فرمائی، اور عجیب انداز کے ساتھ فرمائی، تین بنیادی چیزیں بتلا دیں، کہ پہلے حاکم اعلیٰ کی حمد وثناء بیان کرو، اس کے القاب و کمالات کا ذکر کرو، پھر یہ کہ درخواست دہندہ اپنا تعلق بیان کرے، اور اپنی بندگی وغلامی کا اظہار کرے، سوئم مقصد و مطلب کا اظہار کرے تو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تک القاب واوصاف و کمالات الٰہی سبحانہ کا بیان ہوا، جس میں پانچ صفات محمودیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، حاکمیت، عادلیت کا ذکر ہوا، اس کے بعد بندہ سے کہا گیا کہ اپنا تعارف و تعلق بیان کرے، کہ میں تیرا بندہ وغلام ہوں، محتاج و فقیر ہوں، کشکول لے کر حضور میں دست بستہ عجز و انکساری کے ساتھ کھڑا ہوں، آپ کی استعانت و توفیق کا طلبگار ہوں۔

دیکھیں! یہ کتنا بڑا تعلق ہے؟ اور کتنا مضبوط و پائیدار رشتہ ہے؟ عابد و معبود کے درمیان، دنیا میں ہزاروں قسم

کے تعلقات اور رشتے ہوتے ہیں، اس رشتے کے سامنے سارے رشتے معدوم اور ہیچ ہیں، یہ رشتہ تمام رشتوں سے قریب تر بھی ہے، محفوظ و پائیدار اور با مقصد بھی ہے۔ اب مطلب و مقصد کا تعین چونکہ ہم لوگ ناداں اور بے خبر ہیں، پتہ نہیں کیا کچھ مانگتے ہیں، الدنیا ظلّ بندہ ہر وقت ناپائیدار ہے، بے وفا اور معمولی بے مقصد دنیا پر حریص ہے، اس کو شان ایزدی کا اندازہ نہیں، عقل محدود، فقر محدود، احساس کی کمی ہے، تو کہیں معمولی کم قیمت اور گھٹیا سوال نہ کرے، تو بتلادیا اور کرم وعنایت فرما کر بتلادیا کہ جنت کا راستہ اور منعم علیہم پیغمبروں، صدیقین، شہداء وصالحین کی رفاقت طلب کرو، اور جہنم اور اس کے ایندھن بننے والے لوگ مغضوب علیھم اور ضالین وگمراہوں سے پناہ مانگو، یہود ونصاریٰ، یورپی تہذیب وتمدن، انگریزوں اور ان کی شقاوتوں سے اللہ ربّ العزّت کی پناہ مانگو، اور اس پر راضی ہوکر آمین کی صدا بلند کرو۔ [أسرار فاتحہ]

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ربّ العزّت عزّ مجدہ نے یہ سورت اپنے بندوں کی زبان پر نازل فرمائی ہے، کہ اے میرے بندو! جب میرے حضور دربار میں حاضر ہوجاؤ، تو اس طرح میری حمد ثناء بیان کرو، کمامرّ۔

☆ ☆ ☆

سورۃ الفاتحہ اور صفات مشترکہ:

اس سورت مبارکہ میں مجموعی دس صفات کا بیان ہے، پانچ صفات کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے، باقی پانچ کا تعلق بندہ سے ہے، بالفاظ دیگر نصف سورت کا تعلق معبود کے ساتھ، اور باقی نصف کا تعلق عابد کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے یہی روایت صحاح میں موجود ہے: قال اللہ تعالیٰ: قسمت الصلوٰۃ بیني وبین عبدي ۔۔۔ إلخ۔ [الحدیث]

ربوبیت کی پہلی صفت:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے، کہ ہر قسم کی حمد وثناء کے لائق ربّ العزّت سبحانہ ہے۔

دوسری صفت:

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے جملے میں کہ تمام کائنات، علوی وسفلی کی تربیت ربّ العزّت کے ساتھ مخصوص ہے، اور وہی سارے جہانوں کا پیدا کنندہ ومربی ہے، اور پورے جہاں کا نشیب وفراز اور ارتقاء اسی صفت کی مرہون منت ہے۔

تیسری صفت:

رحمانیت، یہ سرچشمۂ بقاء عالم ہے۔

چوتھی صفت:

رحیمیت خاص مؤمنین کیلئے ہے، جس کا ظہور روز قیامت ہوگا۔

پانچویں صفت:

حاکمیت، عدل وانصاف اور مالکیت کونین، خاص کر روز قیامت بلاشرکت غیرے۔ اسی طرح پانچ صفات عبودیت اور بندگی کی ہیں۔ ان میں سے پہلی صفت کا بیان اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں ہے۔ دوسری صفت کا بیان وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں مذکور ہے، یہ دونوں صفات حصر واختصاص کے ساتھ ہیں، جن کا مقصد اخلاص اور توحید باری تعالیٰ ہے جو کہ فلاح دارین کی بنیاد ہے۔

تیسری صفت طلب ہدایت دراصل طلب ہدایت جو کہ تمام سعادتوں کا سرچشمہ ہے، ہزاروں لوگوں کو ہدایت معلوم ہے، مگر طلب نہیں تھی، ہر قسم کی سعادت وخیر سے محروم ہوگئے، دیکھئے! ابوطالب اتنے باخبر تھے جس کی مثال نہیں، مگر شقاوت ہی پائے، اور کچھ نہیں، کیونکہ طلب اس کے پاس نہ تھی۔ ابوطالب کے جو اشعار کتابوں میں موجود ہیں نمونہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے، اور پھر اس کی محرومی وعدم تسلیم کا اندازہ لگائیں۔

فدعوتني وعلمت أنک صادق ☆ ولقد صدقت وکنت قبل أمینا

والله لن یصلوا إلیک بجمعهم ☆ حتی أوسد في التراب دفینا

ولقد علمت بأن دین محمد ☆ من خیر أدیان البریة دینا

فاصدع بأمرک لا تصبک عضاضة ☆ أبشر بذاک وقر منک عیونا

لولا الملامـــة أو حـــذار مســبة ☆ لو جـدتني سـمحا بذاک مبينا

خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین محمدی اور حقانیت اسلام کا کیسا دلکش اقرار ہے، مگر طلب ہدایت کا فقدان ہے، تو محروم رہے۔

چوتھی صفت طلب استقامت ہے، الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے ساتھ، دراصل سب سے بڑی چیز استقامت اور دوام ہے، اضطراری تصدیق اور جز وقتی اعمال جہاں استقامت مفقود ہو، فائدہ مند نہیں، بغیر استقامت کے، تمام مبادی اور اعمال ومشاغل صالحہ وحسنہ بے مقصد وغیر مفید ہیں۔ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ [هود: ۱۱۲] (پس سیدھے رہے، اور وہ لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں)۔

پانچویں صفت طلب نعمت ہے، جب انعامات الٰہی بندہ کی طرف متوجہ ہوں گے، تو ناراضگی، غضب، گمراہی کے سارے اسباب منقطع ہو جائیں گے، تب انعام واکرام کا بلند ترین منزلہ اور مرتبہ نصیب ہوگا۔ [دروس القرآن]

اللہ پاک کی نعمتوں پر حمد وشکر بجالانا دانشمندی ہے:

جب حقیر وعاجز بندہ جس نے ظاہری، باطنی نعمت اور ہر قسم کی خوشحالی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے لطف وکرم سے پائی، اور معبود حقیقی سبحانہ نے بغیر مانگے وہ گرانقدر بیش قیمت نعمتوں سے اسے نوازا جن کی نہ مثال ہے نہ بدل، تو عقل کا تقاضا اور انصاف ودانشمندی اسی میں ہے کہ ہر ساعت وہر لحہ کلیۃ بار بار اپنے منعم حقیقی کا شکر بجالائے، اور ہر وقت اس کی حمد وثناء بجالائے، اور بیان کرے، اور شب وروز اس کے حضور سر بسجود ہو جائے، اس سلسلے میں قرآن حکیم نے رب العزت سبحانہ کی بے شمار نعمتوں کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ [النحل: ۵۳] (اور تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں، تو اللہ ہی کی طرف سے ہیں)۔ ﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ [لقمان: ۲۰] (اور مکمل کر دیا تمہارے اوپر اپنی ظاہری وباطنی نعمتوں کو)۔ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [ابراهيم: ۳۴] (اور اگر شمار کرنے لگو اللہ کی نعمتوں کو تو نہیں گن سکتے)۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہ رب العزت سبحانہ کی نعمتیں از حد زیادہ اور بے شمار ہیں، ظاہری وباطنی بھی ہیں، اجتماعی وانفرادی بھی ہیں، مادی اور روحانی بھی ہیں، کسبی اور وہبی بھی ہیں، بالواسطہ اور بلاواسطہ بھی، دنیوی اور اخروی، ابدی بھی، انسانی اعداد وشمار کے احاطہ سے باہر ہیں۔ ایمان کے تقاضوں اور بندگی کی شان کے تقاضوں کے

موافق ہر لمحہ منعم حقیقی جل شانہ کی نعمتوں کا استحضار ضروری ہے، اور ہر نعمت پر شکر بجالانا اور الحمد للہ کہنا مؤمن کا وظیفہ ہونا چاہئے"۔ ایک بہت بڑی نعمت، جسے عام طور پر لوگ نعمت ہی نہیں سمجھتے، یا اس کی طرف توجہ والتفات نہیں کرتے، حالانکہ وہ تمام تر نعمتوں کی بنیاد اور سبب بقاء وحیات ہے، وہ تنفس اور سانس ہے، جس کے اوپر نیچے جاری رہنے سے تسکین ہے، اور اس پر زندگی منحصر ہے، ہر متنفس شخص روزانہ چوبیس ہزار سے لے کر اٹھائیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے، کم از کم ہر سانس لینے پر ایک مرتبہ الحمد للہ کہنا ادنیٰ بندگی کا وظیفہ ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات است، وچون برمی آید مفرح ذات است، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود ست، پس بر ہر نعمت شکرے واجب"۔ یعنی ہر سانس لینے پر دو مرتبہ شکر بجالانا بندگی کا وظیفہ و تقاضا ہونا چاہئے، اور اس کے ساتھ نعمت ایمان، نعمت اسلام، نعمت قرآن، نعمت صحت وتندرستی، نعمت علم وعمل ودیگر لاکھوں نعمتوں پر شکر بجالانا، اور ان تمام نعمتوں کا استحضار واجبات شرعیہ میں سے ہے۔ نیز کسب وہنر، اداء ارکان اسلام وغیرہ کی بجا آوری مہمات میں سے ہے، اسی طرح سفر اور حضر، کھانے پینے، قوت مدرکہ، قوت حسیہ، قوت عقلیہ، نوم وبیداری، اٹھنے بیٹھنے، پڑھنے پڑھانے، اداء حقوق اللہ واداء حقوق العباد، سمع وبصر، قلب ودماغ، فہم وسمجھ، زیارت احباب، کسب حلال، صدق مقال، قضاء حاجات، غرض یہ کہ لاکھوں نعمتیں، اور بے شمار برکتیں ایسی ہیں جن کا حق ادا کرنا واجب اور شکر لازمی ہے، حتیٰ کہ چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا، اور بول وبراز کے اخراج پر منعم حقیقی کا شکر بجالانے کی تلقین اور دعائیہ کلمات احادیث میں مذکور ہیں۔ [إحياء العلوم]

راحت وخوشحالی ہو، یا منہیات سے بچنا ہو، آلام ومصائب سے حفاظت ہو، یا بیماریوں سے سلامتی اور تندرستی ہو، ہر وقت (الحمد لله على كل حال والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات) کا ورد وظیفہ جاری رہنا چاہئے۔ یہی مراد ومطلب ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا، جب آپؓ سے لوگوں نے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا پوچھا، تو ام المؤمنینؓ نے واضح فرمایا کہ: "كان يذكر الله على كلّ أحيانه"۔ [الحديث] کہ خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال ولمحہ ذکر وشکر میں مصروف رہتے تھے، اور ذکر الٰہی جل شانہ آپؐ کی عادت مستمرہ تھی۔ [بخاری، مسلم]

اسی طرح مصائب وآلام اور بیماریوں کے لاحق ہونے پر، اور دیگر ہر قسم کی پریشانیوں پر بھی الحمد للہ علی کلّ حال کہہ کر ربّ العزّت کا شکر بجالانا ضروری ہے، کہ یہ بھی اگرچہ ظاہری طور پر زحمت ہے، مگر اس کے باطن میں

رحمت پوشیدہ ہے، کیونکہ ایسی کوئی مصیبت نہیں کہ جس پر مسلمان کو اجر وثواب نہ ملتا ہو، اور باعث رفع درجات نہ ہو۔ اگر مسلمان کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھتا ہو، وہ بھی باعث اجر وثواب ومکفر سیآت ہوگا، ادنیٰ غم، معمولی پریشانی، ادنیٰ دردسر بھی ثواب واجر کا باعث ہوگا۔ اور یہ الحمدللہ کا ترانہ محض دنیوی زندگی تک محدود نہیں، بلکہ یہ مبارک ترانہ بعدازموت عالم برزخ کی زندگی اور عالم آخرت کی زندگی میں بھی جاری وساری رہے گا۔ اہل جنت جب رضاء الٰہی حاصل کریں گے، اور انہیں جنت میں جانے کی خوشخبری ملے گی، اور وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے تو ﴿قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ﴾ [زمر: ۷۴] (وہ کہیں گے کہ تمام تر تعریف اللہ کیلئے ہے، جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا وارث بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنالیں)۔ اور اس کے بعد ﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الزمر: ۷۵] (اور کہا جائے گا: تمام تعریف اللہ کیلئے ہے، جو مخلوقات کا پروردگار ہے)۔ اسی طرح ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ [أعراف: ۴۳] (وہ کہیں گے: تمام تعریف اللہ کیلئے ہے، جس نے ہمیں راستہ بتایا، اگر اللہ ہمیں راستہ نہ بتاتا تو ہم کبھی راہ نہ پاتے) وغیر ذلک من الآیات۔

غور فرمائیں! ایک شخص بیماری کے عالم میں نہایت شدت مرض میں بستر پر پڑا ہے، اٹھ بیٹھ نہیں سکتا، جب اس سے پوچھا جاتا ہے کیسے ہو؟ فوراً جواب دیتا ہے: الحمدللہ، اگر کوئی فوتگی ہوئی ہو، یا اور صدمہ وپریشانی ہو، عام طور پر یہی الحمدللہ زبان سے ادا ہوتا ہے، اور الحمدللہ کہنے کا اتنا بڑا ثواب واجر ہے، کہ جس سے آسمان وزمین کی درمیانی فضاء بھر جائے گی، اسی بنیاد پر تو کہا گیا کہ: الحمد رأس الشکر وعمدۃ الشکر۔ ہمارے پیشوا حبیب ربّ العلمین ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز جب میں شفاعت کبریٰ کی خاطر ربّ العزّت سبحانہ کے حکم پر شفاعت کروں گا تو اللہ ربّ العزّت کی ثناء ومحامد بیان کروں گا، اور وہ مخصوص ثناء وحمد وہاں میدان محشر میں مجھے القاء ہوں گی، فی الحال میرے ذہن میں مستحضر نہیں۔ آپ ﷺ کے اس مقام کا نام ''مقام محمود'' ہوگا، ربّ العزّت سبحانہ محمود ہیں، سید کائنات ﷺ حامد ہوں گے، آپ کا اسم گرامی محمد ہے، اور آپ کے ہاتھ میں جو علم ہوگا اس کا نام لواء الحمد ہوگا، اور آپ کی امت حمادون کہلائے گی، تو یہ الحمدللہ کا خاص سلسلہ ہوگا، اور اہل جنت کی زبان سے دخول جنت پر پہلا جملہ الحمدللہ کا جاری ہوگا۔ [متفق علیہ]

اسی بنیاد پر قرآن حکیم کی پہلی سورۃ (سورۃ الفاتحہ) الحمدللہ رب الغلمین کے مبارک ترانہ سے شروع ہوئی، اور ایک ایسا ابدی پیغام امت کو عطا ہو گیا کہ ابتداء کتاب اللہ "الحمدللہ رب الغلمین" اور ابتداء دخول جنت بھی (وقیل الحمدللہ، وقالوا الحمدللہ) کے ساتھ، اور نمازوں میں ہر رکعت "الحمدللہ رب الغلمین" کے ساتھ، غرض ہر نعمت پر الحمدللہ کا وظیفہ مقرر رہا، یہ سلسلہ ہر بچے کی پیدائش پر الحمدللہ سے دخول جنت پر منتج ہوگا۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب الغلمین۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾

سورۃ الفاتحہ سات آیتوں، ۲۵ کلمات، ۱۲۳ حروف پر مشتمل مکی سورت ہے۔

تمام تعریفیں ساری خوبیاں صرف اور صرف ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ کیلئے ہیں، جو سارے جہانوں کے پالنے والے (تربیت کرنے والے ربّ) ہیں۔

الف ولام جنس اور استغراق دونوں کیلئے ہیں، جمیع افراد واقسام حمد کے، خواہ کوئی بھی ہوں، اور کسی طرح بھی ہوں، کسی کیلئے بھی ہوں، درحقیقت اصالۃً وبالذات ربّ العزّت ہی کیلئے سزاوار وثابت ہیں۔ حمد کا درجہ شکر ومدح دونوں سے عظیم تر وبلند ہے، (بلکہ حمد کے اندر شکر داخل ہے، جیسا آئندہ بیان ہوگا) شکر تو صرف نعمت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، اور وہ نعمت بسااوقات خاص بھی ہوتی ہے، اور یہ شکر زبان کے ساتھ مخصوص بھی نہیں، مدح غیر اختیاری صفات اور مردہ زندہ سب کیلئے بولا جاتا ہے، اور پھر مشکور لہٗ اور ممدوح کیلئے شرط نہیں کہ شاکر اور حامد کے دل میں فی الواقع اس کا احترام اِجلال اور عظمت ہو، بخلاف حمد کے، کہ حامد کے دل میں محمود کی عزّت وجلال اور احترام کا ہونا لازمی شرط ہے۔

صرف حمد ہی وہ حقیقی سرمایہ ہے جو تمام ایسی صفتوں، فضیلتوں اور خوبیوں پر بولی جاتی ہے جو کامل اور اختیاری ذاتی ہو، حمد ہی دراصل وہ ثناء کامل ہے جو محمود کی صفات اختیاریہ پر اور بلند وبالا عظمتوں پر، اور بے مثال خوبیوں پر کی جاتی ہے، یہی لغوی معنی کے اعتبار سے حمد وثناء کامل کا نام ہے، اور استحقاق صرف ذات باری تعالیٰ سبحانہ کیلئے ہے، جس میں کسی مخلوق کے اشتراک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا دنیا میں کوئی بھی حمد ومدح ہو، درحقیقت وہ صرف ذات پاک جل شانہ کیلئے ہوتی ہے، وہ اس لئے کہ تمام مخلوقات کے اوصاف حمیدہ، کمالات عالیہ، فضائل عالیہ حسنہ اللہ ربّ العزّت سبحانہ کی بخشش وعطاء اور تخلیق سے ہیں، ان کی کوئی صفت وکمال ان کی ذاتی نہیں ہے، بلکہ سب عطائی اور وہبی ہیں، بخشنے والا،

عطا کرنے اور پیدا کرنے والا صرف اللہ ربّ العزّت ہے۔

ہر چہ باشد بندگان را از عطاء خالق است

حسن وخوبی ہر چہ باشد از عطاء مالک است

یہی مراد ومطلب ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیٰ صاحبہ الف الف صلوٰۃ وسلام کا: **اللّٰھم لک الحمد کلّہ و لک الشکر کلّہ ولک الخلق کلّہ ولک الملک کلّہ بیدک الخیر کلّہ وإلیک یرجع الأمر کلّہ نسألک من الخیر کلّہ ونعوذبک من الشر کلّہ۔** [جامع الدعاء]

''للہ'' میں لام تخصیص اسی نکتہ کی وضاحت کیلئے ہے، کہ تمام خوبیاں صرف ذات باری تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں جس کی تمام صفات ذاتی، اختیاری، کامل، دائمی، ازلی، ابدی، حقیقی ہیں، اور مخلوقات کے تمام کمالات وصفات عطائی اور موہوبی ہیں، ذاتی حقیقی کوئی نہیں، اور ان پر حمد کا اطلاق بالتبع اور مجازاً ہے۔ اگر عالم میں صفت علم، قاری میں صفت حسن قرأت، سخی میں صفت سخاء، عقلمند میں صفت دانشمندی، عابد میں صفت عبادت، حاکم میں صفت عدل، خوبصورت انسان میں صفت حسن وملاحت ہو، تو دراصل یہ سب اللہ ربّ العزّت سبحانہ کے عطاء کردہ، اور اسی کی نواز وکرم کے مرہون منت ہیں، جب چاہے دیدے، اور جب چاہے نہ دے، یا سلب کرے، کسی کیلئے چون وچرا کی گنجائش کہاں؟ تو اصلی اور فی الحقیقۃ مستحق حمد وثناء ذات باری تعالیٰ عزّ مجدہ ہے۔

ہر کجا کنیم حمد بآن آستان رسد

اوصاف جملہ خلق بآن آستان رود

جب اللہ ربّ العزّت کے الطاف واحسانات کائنات کے ہر ہر ذرہ پر اور تمام مخلوقات پر ہر وقت بغیر کسی انقطاع کے مسلسل جاری وساری رہتے ہیں، حتی کہ حمد وثناء بیان کرنے والا سر سے پاؤں تک اس کی نعمتوں سے ڈھکا ہوا ہے، اور اس کے رحم وکرم پر زندہ ہے، اور اس کی توفیق سے حمد وثناء میں مصروف ہے، اور کوئی لمحہ بھی اس کے احسانات وبخششوں سے مستغنی اور فارغ نہیں ہے، اور اسی ذات عالی صفات نے وجود وحیات زندگی وبقاء صحت وتندرستی ودیگر گرانقدر، اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے، تو اس کی تعریف حمد وثناء انہیں بے شمار نعمتوں کے مقابلے میں ہی متصور ہوں گی، اگرچہ نعمت وارادہ میں نہ ہو تو یہ حمد شکر ہی ہوگی، اور حمد میں شکر بلا قصد وارادہ داخل رہے گا، تو الحمد اُس

الشکر وعمدۃ الشکر کا یہی مطلب ہوگا۔ فتأمل

☆ ☆ ☆

حمد کی حقیقت وحکمت:

مؤمن جب زبان سے اللہ ربّ العزت کی حمد وثناء بیان کرتا ہے، اور الحمدللہ کہتا ہے، تو اس کے دل ودماغ میں جو انوار وبرکات اور روحانی علوم وحکمتیں موجزن ہوتے ہیں بمصداق "کل إناء یترشح بمافیه" اس کی زبان حق ان علوم ومعارف کی نشاندہی کرتی ہے، اور اس مختصر جملہ الحمدللہ میں سارے ایمانی خزانوں کی تشریح مضمر ہے، کیونکہ یہ مختصر جملہ بہت سے حقائق ایمانیہ کی تعبیر وتفصیل پر مشتمل ہے، اور اس جملہ میں تصور معبود، تصور محمود، تصور نعمت، تصور محبت ومحبوب اور تصور قرب محبوب ورضاء معبود حقیقی سمندر کی طرح قلب مؤمن میں موجزن ہوتا ہے، اور تصورات مذکورہ درحقیقت الحمدللہ کہنے کے باعث بنتے ہیں، کیونکہ حمد وثناء کا اصل محرک یہی تصورات ہوتے ہیں، اگر یہ تصورات نہ ہوں توحمد بیان کرنا مہمل رہے گا۔

آپ اندازہ کریں کہ عباداللہ الصالحین کا شیوہ اور عمل یہی رہا ہے کہ جو بھی عمل کریں، مثلاً ہاتھ صاف کیا، تو الحمدللہ کہا، اٹھے تو الحمدللہ، بیٹھے تو الحمدللہ اور لیٹے تو الحمدللہ، غرض یہ کہ قدم قدم پر الحمدللہ، کیا خوبصورت وظیفہ ہے؟

پہلے کہا جاچکا ہے کہ غیر معلوم اور غیر مرئی، یا معلوم مگر غیر عظیم وغیر بلند وبالا کسی عظمت واحترام کے بغیر حمد متعارف نہیں ہوگی، جب نعمت کا وجود وثبوت نہ ہو توکس طرح حمد وشکر متحقق ہوگا؟ اور تصور محبت کے بغیر، اسی طرح طلب قرب ورضاء کے بغیر کیا حمد بیان ہوگی؟ تصور محبت وہ حقیقت کاملہ ہے جس نے معبود وعابد کا نہایت محکم ومضبوط رشتہ جوڑا ہوا ہے، ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [بقرة: ۱۶۵] (اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں) اس کی واضح دلیل ہے۔ سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اللّٰهم إني اسألک حبّک وحبّ من یحبّک و حبّ عمل یبلّغني إلی حبّک"۔ [الحدیث] اللّٰهم اجعل حبّک أحبّ إليّ من نفسي وأهلي ومن الماء البارد۔ [الحدیث]

تمام کائنات میں مؤمن کے نزدیک محبت الٰہی سے بہتر اور پسندیدہ کوئی چیز نہیں ہے، اور وہ ہر وقت اس کی محبت کا متلاشی اور طالب رہتا ہے، اور دنیا کی کسی بھی نعمت کو محبت الٰہی کا ہم پلہ اور برابر نہیں سمجھتا، اور اسی کو مقصد حیات تصور

کرتا ہے، اور اسی کی خاطر جان و مال، اولاد اور تمام آسائشوں کو قربان کرتا، اور اس پر خوشی محسوس کرتا ہے، اسی کے حصول کی خاطر تن، من، دھن کی بازی لگا کر سکون وراحت محسوس کرتا ہے، اور خود کو رضاء الٰہی کے حوالہ کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔ ﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ [بقرة:۱۳۱] (جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا کہ سر تسلیم خم کر دو، تو وہ بولے: میں نے ربّ العالمین کے آگے سر جھکا دیا) اپنی زندگی کی سب سے بڑی اونچی کامیابی تصور کرتا، اور کہتا ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ☆ ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ☆ ہر چہ کنی رضائے تو
جان زتن بردی ودر جانی ہنوز ☆ دردہا دادی ودرمانی ہنوز
قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ای ☆ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
مشت خاکم درفشانم بر سرائے کوئے تو ☆ جملہ عالم ترک کردم در ہوائے روئے تو
ہر کہ در اقلیم لا آباد شد ☆ فارغ از بند زن واولاد شد
مے کند از ماسوا قطع نظر ☆ مے نہد ساطور بر حلق پسر

انبیاء علیہم السلام، اولیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، علماء رحمہم اللہ، بلکہ ہر موجود و ہر مؤمن اس محبت کا محتاج اور طلب گار اور مرہون ہے، جتنا کسی کا رتبہ ہوگا اسی کے مطابق اس کی محبت ہوگی، اور اسی کے برابر ربّ العزت سبحانہ کی طرف سے قبولیت ومقبولیت ہوگی۔ دراصل یہ محبت مادی اور زمینی نہیں، بلکہ اس کا تعلق ملاء اعلیٰ اوپر کے جہان کے ساتھ ہے، یہ وہاں سے جاری ہوتی ہے، اس کا فیصلہ ربّ العزت سبحانہ خود فرماتے ہیں، جبرئیل امین علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، اس کو چاہتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، جبرئیلؑ ایسا ہی کریں گے، پھر ملاء اعلیٰ میں اس کا اعلان فرمائے گا، اور انہیں اس محبوب شخص کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دے گا، تو سارے آسمانوں کے سارے فرشتے اس کے ساتھ محبت ودوستی کا دم بھر لیں گے، پھر اس کا فیض زمین پر بسنے والوں میں بشکل قبولیت ظاہر ہوگا، زہے نصیب! [رواہ الشیخان] دیکھیں! یہی محبت الٰہی دراصل رضاء الٰہی وقرب الٰہی وقبولیت کا سبب اور وسیلہ ہے، اور یہی ابدی تمام نعمتوں کا سرچشمہ وبنیاد ہے، اور اللہ تعالیٰ شانہ کی نعمتوں کے حصول کی ضمانت ہے۔

اللہ ربّ العزت سبحانہ کی نعمتیں دو قسم کی ہیں:

(۱) اصلی، ابدی، متعلق برضائے الٰہی عزّ شانہ (۲) غیر اصلی، فانی، غیر متعلق برضائے الٰہی۔

☆ قسم اول جنت کی نعمتیں ہیں، جو کہ اصلی بھی ہیں، اور ابدی بھی، اور رضائے الٰہی پر مبنی بھی، جو صرف مؤمنین اور موحدین کیلئے ہیں، جن کا تعلق ۹۹ رحمتوں کے ساتھ وابستہ ہے، جن کے ساتھ کسی قسم کا غم، ہم، حزن، وملال، پریشانی وغیرہ کا نہ نام ونشان ہوگا، اور نہ تصور، بلکہ ہر وقت مختلف ہزاروں، لاکھوں قسم کے مشروبات، ماکولات، فواکہ، حور وغلمان اور بلند سے بلند درجات وقصور ومحلات، خیمے، مشک وعنبر اور بے شمار قیمتی جواہرات، نہ عقل وفہم تصور کرے، نہ آنکھوں میں دیکھنے کی سکت ہو، نہ زبان بیان کر سکے، نہ دل میں خیال وتصور آسکے، ہر چیز سے بالا وپاکیزہ، نہ ان کے زوال کا خوف، نہ کمی کا غم، نہ سلب ہونے کا اندیشہ، اور کرم بالائے کرم رضاء الٰہی کا حصول، اور ہر جمعہ میدان مزید پر ربّ العزّت کی ملاقات وزیارت۔

؎ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ☆ کسے را با کسے کارے نباشد

ذرا قرآن حکیم خاص کر سورۃ الرحمن، سورۃ الواقعۃ، اور سورۃ الدھر کا بامعنی وتفسیر مطالعہ کریں، اور احادیث مبارکہ میں تفصیل پڑھ کر اطمینان کریں۔ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی "حاوي الأرواح إلى بلاد الأفراح" کو پڑھیں، اور مولانا امداد اللہ انور کی کتاب "جنت کے حسین مناظر" کا مطالعہ کریں۔

☆ قسم دوم غیر اصلی، فانی، غیر متعلق برضاء الٰہی، یہ دنیوی نعمتوں کا سلسلہ ہے، جن کا تعلق ربّ العزّت سبحانہ کی صفت الرحمن کے ساتھ ہے۔ دوست ودشمن، مؤمن وکافر، ساری مخلوقات کیلئے یکساں برابر ہیں، بلکہ بمصداق حدیث پاک "الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر" [الحدیث] ان غیر اصلی فانی نعمتوں کے ساتھ چونکہ رضائے الٰہی کا تعلق نہیں تو کفار، مشرکین، منافقین، بے دین وبے عمل، فساق وفجار وغیرہ کو بڑا وافر اور زیادہ حصہ ملا ہے، اور ملتا رہے گا۔ مقربینِ بارگاہ اول تو ان کے طالب نہیں ہوتے، بصورت دیگر ان سے کنارہ کش ہوتے ہیں، پھر اگر انہیں نوازا گیا تو ذخیرہ نہیں کرتے، ادھر سے آیا ادھر سے بہا دیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں چالیس ہزار درہم بھیجے، شام تک اہل مدینہ منورہ پر تقسیم ہوئے، روزہ رکھا ہوا تھا، افطار کیلئے پانی طلب کیا، کنیز نے کہا کہ آپ اپنے افطار کیلئے ایک درہم رکھ لیتیں، جس سے میں آپ کے افطار کیلئے دکان سے کھجور خرید لیتی، اس پر رو کر کہنے لگیں: کیا مجھے سبق

دیتی ہو، دونوں جہانوں کے سردار ﷺ اکثر و بیشتر پانی سے افطار فرمایا کرتے تھے، میں کون ہوں کھجور سے افطار کروں۔ اپنے لئے ایک درہم نہیں رکھا، سارے دیئے ہوئے رب العلمین کی راہ میں خرچ کئے۔

دیکھئے! صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں بطور عبرت، وہ یہ ہے کہ غزوۂ حنین کے موقعہ پر جو مال غنیمت جمع ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے: آٹھ ہزار اوقیہ چاندی وزیورات تھے، چوبیس ۲۴ ہزار اونٹ، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں، اس زمانہ کے اعتبار سے یہ بہت بڑا مال تھا، میدان جعرانہ میں سرور کائنات ﷺ تارکین دنیا کے سردار سیدنا محمد مصطفیٰ (فداہ أرواحنا وأنفسنا) ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرح بارہ ہزار آسمانی ستاروں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما کر اس مال غنیمت کی تقسیم شروع فرمائی، نماز مغرب کے ساتھ سارا مال تقسیم ہو کر لوگوں کو پہنچا، اس مال میں سے ایک بال جتنا حصہ اپنے لئے نہیں رکھا، اور سارا مال لوگوں کو دیدیا۔ یہ ہے شان نبوت، شان سخاوت، شان ترک دنیا، اور شان بیزاری متاع دنیا۔ تو یہ قسم دوم میں جب رضائے الٰہی شامل نہیں، اگر بغور دیکھا جائے تو نتیجہ ظاہر ہوگا کہ ہر وہ چیز جس میں رضائے الٰہی شامل نہ ہو تو وہ اہل حقیقت واہل نظر مقربان درگاہ کے نزدیک مردار و ناپاک نہ سہی، بے برکت ضرور ہے، تب تو مقربین کے نزدیک الدنیا جیفة وطالبها كلاب کہا گیا ہے۔

نعمت دراصل اس چیز کا نام ہے جو مالک کیلئے خوشی، خندہ پیشانی، تر وتازگی، سکون و راحت وغیرہ کا پیغام ہو، جبکہ دنیوی نعمتوں میں یہ چیز مفقود ہے، تو انہیں نعمت کہنا نعمت کی توہین ہے، یہ رب العزت کی رضاء شامل نہ ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ انہیں نعمت (حقیقی) کہا جائے، بلکہ نعمت ہیں بمعنی عذاب و پریشانی، دیکھیں دنیا میں جتنا مال زیادہ ہوگا اتنی پریشانی اور بے سکونی زیادہ ہوگی، جب انسان اپنے وجود، وبقاء، صحت و تندرستی کا مالک نہیں، ہر وقت موت وحیات، نفع اور نقصان کی کش مکش میں مبتلا رہتا ہے، تو یہ ظاہری مال دولت یا اقتدار جبکہ ہر وقت اس کے زوال کا اندیشہ وغم سر پر سوار ہو، اور دل بے قرار ہو، اسے نعمت کہنا نادانی اور حماقت ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی نعمت بادشاہت ہے، بادشاہ کے سر پر قیمتی جواہرات ہیرے کا تاج ہے، وہ ہزاروں کانٹوں سے بھرا ہوا ہے، اور بے چارہ رات دن مبتلائے عذاب ہے، اس کے پاس سکون و راحت کا فقدان ہے، وہ دوسروں کے سہارے پر چل رہا ہے، وہ باہر نہیں جاسکتا، جب تک تمام ٹیسٹ پورے نہ ہوں، پانی نہیں پی سکتا، کھانا نہیں کھاسکتا، چند رات مسلسل ایک جگہ نہیں سوسکتا۔ دیکھیں! فرعون بادشاہ ہے، خدائی کا دعویٰ کررہا ہے، کل دریائے قلزم میں غرق ہورہا ہے، چیخ رہا ہے، رو رہا ہے، دونوں ہاتھ اوپر کرکے موسیٰ علیہ السلام

کوزاری منتیں کررہا ہے، معافی مانگ رہا ہے، اور ندامت کے ساتھ توبہ کررہا ہے، اپنی خدائی سے دست برداری کا اعلان کررہا ہے، ہزاروں فوجیوں کے ساتھ جہنم پہنچ رہا ہے، یہ ہے دنیا اور دنیا کی ناپائیدار نعمتوں کا انجام اور اس کی نعمتوں کا غرور و دھوکہ، اس پر کون ناز کرے گا سوائے پاگلوں اور احمقوں کے۔

حمد وثناء کی قسمیں:

عربی زبان کو ربّ العزّت سبحانہ نے دنیا میں رائج ہزاروں زبانوں پر جو فضیلت و برتری بخشی ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ عربی لغت میں حمد و مدح وشکر ہر ایک کی الگ تعریف و معنی ہیں۔ شکر کا مورد عام اور متعلق خاص ہے، اس کی ضد کفران ہے۔ مدح کا مورد خاص اور متعلق عام ہے، اس کی ضد ذم ہے۔ حمد کا مورد خاص اور متعلق بھی خاص باعتبار افعال واوصاف اختیاریہ، اور عام بھی ہے باعتبار نعمت وغیر نعمت، حمد کی ضد کوئی نہیں، ہاں! ترک حمد منفی معنی کو عموماً ضد نہیں کہا جاتا، لہٰذا عدم ضد متعین ہوا۔ سورۃ الفاتحہ میں باعتبار وسعت معنی حمد کو باقی دونوں معنی مدح وشکر پر ترجیح حاصل ہے۔ اردو، فارسی، پشتو، بلوچی و دیگر زبانوں میں حمد و مدح تقریباً مترادف مستعمل ہیں، کوئی خاص فرق نہیں ہے، بس لوگ تعریف ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور دونوں پر لفظ تعریف کا اطلاق شائع و ذائع ہے۔

تعریف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) واقعی، نفس الامری، حقیقی۔ (۲) ادعائی، فرضی، مجازی۔

☆ قسم اول ذات باری تعالیٰ عزّ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ قسم دوم عام ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بکثرت مخلوقات اور مصنوعات، ایجادات وغیرہ کی تعریفیں کرتے ہیں، سورج، چاند، ستارے، بجلی، قصور و بنگلے، سڑک، باغ، بازار، گاڑی، گھوڑے، حیوانات، مصنوعات، اور لوگ ہمیشہ اپنے لیڈر، سیاست دان، علماء، کتب، لیڈر، جمہوریت، غرض یہ ہے کہ ہر ہر چیز کی جائز و ناجائز، اعتدال اور مبالغہ وغیرہ کے ساتھ تعریفات سے رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

پھر ان تعریفات کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں:

(۱) واقعی، نفس الامری۔ (۲) غیر واقعی، محض مبالغہ۔

جس کو غلط بیانی، جھوٹ اور کذب سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، برمحل تعریف کا اس وقت تقریباً فقدان ہے، بے محل

اور مبالغہ کے ساتھ تعریفوں کی بھر مار اور طوفان نظر آتا ہے، خاص کر سیاست، جس کا مطلب و معنی تھا، حقوق اللہ وحقوق العباد کی سرپرستی اور نگرانی۔صحیح بخاری میں حدیث پاک ہے:" كانت بنوإسرائيل تسوسهم الأنبياء". [الحديث] بنی اسرائیل کی سیاست وسیادت انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی، وہی قوموں کی نگرانی اور ان کے حقوق کی نگرانی اور ادائیگی پر علیٰ طریقۃ الحق والوحی الالٰہی تحفظ وخیالداری کرتے تھے۔ یہ ہے سیاست کے شرعی واصلی معنی، جو پیغمبروں کی ذوات قدسیہ کو من جانب اللہ تعالیٰ سپرد ہوتا تھا۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں نہیں رہے، اور "العلماء ورثة الأنبياء"[الحديث] کے تحت یہ سیادت وسیاست کا تاج علماء امت کے سروں پر رکھا گیا، تو اسی طبقہ علماء کو شرعی سیاست کا وارث ٹھہرایا گیا، چنانچہ قیام قیامت تک امت کی فلاح وکامرانی، حقوق اللہ وحقوق العباد کی نگرانی وتحفظ کا وظیفہ ان کے ہاتھ میں آیا، اور وہی اس کی سرپرستی ونگرانی کے ذمے دار ہوں گے، اور ہو گئے۔ یہ منجانب اللہ بہت بڑا اعزاز ہے، مگر بیڑا غرق ہو مغرب اور یورپ کا، کہ انہوں نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو کمزور کرنے اور مٹانے کی خاطر ایک ایسا متبادل نظام متعارف کرایا جو کہ اسلام، قرآن وسنت، اور اس کی تعلیمات کی نفی پر مبنی ہو، وہ ہے مغربی جمہوریت، جس نے پوری دنیا اور اقوام عالم (خصوصاً مسلمانوں) کی مٹی پلید کردی، اور ہر قسم کی انسانیت وشرافت، عدل وانصاف، طہارت وپاکیزگی، حیاء وشرم ودیگر تمام انسانی اقدار کا بیڑا غرق کر دیا۔ آج کل پورے عالم میں سیاست اسی بے حیائی کا نام ہے، جو کہ قرب قیامت کی علامت ونشانی ہے، جو لوگ خیر وشر میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور پنبہ وپشم کی تمیز سے محروم ہیں، تو عیسیٰ نتوان گفت بتصدیق خر چند ہر قسم سیاہ وسفید اور لوگوں کی قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال کا قول ہے۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو ☆ کہ از مغز دوصد خر فکر یک انسان نمی آید

اس وقت ہر محاذ پر اسی جمہوریت اور جمہوریت نواز لیڈروں کا طوطا بولتا ہے، اور سارے لوگ شعوری غیر شعوری طور پر جمہوریت کی تعریف کرتے ہیں، اور ہر طرح کے لیڈروں کی حمد وثناء کا بازار گرم ہے، جنہوں نے عوام الناس کی کوئی ادنیٰ خدمت بھی بجالانا بجائے خود الٹا ان کے زخموں پر نمک پاشی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ آئے دن ان کی آمد پر بڑے بڑے قد آدم اشتہارات شائع ہوتے ہیں، اور بیس فٹ کے سائن بورڈوں پر ان کی تصاویر اور مجسمے لگے ہوئے سڑکوں پر نظر آتے ہیں، اور ان کی خدمت میں طرح طرح کے جھوٹ اور بے بنیاد سپاسنامے پیش کرتے ہیں۔

؎ دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہ کذب بیانی، اور دیواروں پر اس طرح کی لکھائی کہ چیونٹیوں کو شیر ثابت کرو، اور بکری کے بچے کو ہاتھی کا درجہ دیدو، اور اللہ رحم کرے ایک نفس پرست انسان کو اویس قرنی کا مرتبہ دیدو۔

انہیں لوگوں کے بارے میں سرور کونین ﷺ کی زبان حق بیان سے نکلا تھا: "إذا رأيتم المداحين فاحثوا في أفواههم التراب"۔ [الحدیث] کہ ایسے بے محل تعریف کرنے والوں کا منہ مٹی سے بھردو، کیونکہ تمہاری مدح خوانی سے اس میں غرور کا پیدا ہونا لازمی ہے، اور جس کے دل میں رائی جتنا غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ حدیث پاک میں وارد ہے: "لايدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من الكبر"۔ یعنی جس کے دل میں رائی برابر غرور ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ [مشکوٰۃ] جمہوریت دراصل اسی غرور کا نام ہے۔

یہ ہے ناپاک یورپ کی جمہوریت، اور اس کے گماشتے، کہ خالق ومخلوق کا فرق کھو بیٹھے ہیں، دراصل یہ لوگ اہل شرک وبدعت قبوری امت کے پیروکار ہیں، اللہ ربّ العزّت اس امت کو بچائے۔ آمین!

اسلام کے مایہ ناز جرنیل سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر رفقاء قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتوں کو تہہ وبالا کرنے، اور ان کے پرخچے اڑانے کے بعد جب مدینہ منورہ واپس تشریف لاتے ہیں، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ سارا مدینہ اور پورا علاقہ میدانوں میں ان کا استقبال کرتا، گارڈ آف آنر پیش کرتا، سپاسنامے اور دیواری شیروں کی تصویر اور تعریفی عبارتیں درج ہوتیں، وہ اس قسم کی چیزوں کے حقدار بھی تھے، جنہوں نے بڑے بے مثال تاریخی کارنامے انجام دیے تھے، مگر ایک فرد واحد نے بھی ان کا استقبال نہیں کیا، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جب خدمت میں پہنچے تو حضرت نے کھڑے ہوکر ان کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں بڑے اجر وثواب کی خوشخبری سنائی، تو انہوں نے صرف یہ کہا کہ یہ ساری فضیلت آپ کی ہے، ہم تو سپاہی اور خدمت گار ہیں۔ [دروس القرآن]

بہرحال! تعریف جو بھی ہوگی وہ کسی صفت وکمال پر ہوگی، اور تمام صفات وکمالات جو کہ مخلوقات کو حاصل ہیں وہ ان کی ذاتی نہیں، درحقیقت یہ ساری صفات مولیٰ جل شانہ کی ہیں، اور اسی کے لطف وکرم کی ذرہ نوازی کا نتیجہ ہیں۔ مخلوقات کے پاس کیا ہے؟ آج بادشاہ ہے، کل پھانسی کے تختہ دار پر کھڑا ہے۔ آج زندہ ہے، کل مرگیا ہے۔ آج مختار کل

نظر آتا ہے، کل عدالت کے پنجرے یا جیل کے اندر سڑ رہا ہے۔آج تندرست ہے، کل مفلوج ومحتاج ہے۔آج مالک ہے، کل فقیر ومحتاج ہے۔

؎ سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے ☆ حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

قال اللہ تعالی: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [رحمن: ۲۷] (اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے۔اور تمہارے پروردگار کی ذات باقی رہے گی، جو جلال والی، اور فضل وکرم والی ہے) وأیضاً ﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ [نحل: ۹۶] (جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہونے والا ہے، اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے باقی رہنے والا ہے)۔جب انسان اپنے وجود کا مالک نہیں تو پھر کس چیز کا مالک متصور ہوگا؟ رب العزت ہر قسم کا مالک ہے، اور ہر شئی اس کی ملکیت ومملوک ہے۔﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ﴾ [آل عمران: ۲۶] (تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے)۔ہارون الرشید مغرب سے لے کر کشمیر تک جس کی حکمرانی ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بادشاہ سلامت! میرے نزدیک تم سب سے بڑے مسکین ہو، ہارون الرشید وجہ معلوم کرنا چاہتا ہے، امام جواب دیتے ہیں: قیامت کے دن تم نے ساری رعایا کے حقوق کا جواب دینا ہے، اور تم قاصر ہو، تو سب کا بوجھ تم پر ڈالا جائے گا، اور تم نہیں اٹھا سکو گے۔مغلیہ بادشاہ ہمایوں نے ایک اعلیٰ بے مثال قصر وبنگلہ تیار کرایا، یہ قصر نہایت شاندار، خوبصورت، خالص سفید وزرد سنگ مرمر سے تیار کیا گیا، روشنی کی خاطر اندر سے چھت میں جواہرات اور قیمتی پتھر لگوائے تھے، رات کو بجلی کی طرح روشنی ہی روشنی تھی، جب محل مکمل تیار ہوا، تو بادشاہ نے بڑے کروفر کے ساتھ افتتاحی تقریب کا انتظام کیا، امراء، وزراء، علماء، عقلاء، دانشور، سردار ودیگر ہر طبقہ کے بڑے بڑے لوگ مدعو کیے گئے، شعراء کرام بھی تھے، شاہی اعلان ہوا کہ محل کی مدح وثناء وتعریف میں جو لوگ قصیدہ پڑھیں گے، انہیں دس دس ہزار روپیہ کا انعام پیش کیا جائے گا، شعراء کرام نے خوب عمدہ اور تعریفی اشعار پیش کیے، اہل مجلس نے خوب سراہا، اور بادشاہ نے انعامات تقسیم کیے، اور بادشاہ خوشی میں جھوم رہا تھا، اور کرسی پر بیٹھ کر پھولا نہیں سماتا، ایک عمدہ اور نہایت قیمتی لباس میں اس منظر کو دیکھ کر بار بار اٹھتا، اور پھر بیٹھتا تھا، ایک شاعر نے یہ شعر پڑھا۔

ہمایون دولت کان عرصہ راشاہے چنین باشد

ہمایون ملت کان خانہ راماہے چنین باشد

دس ہزار انعام ملا، اس کو دس ہزار انعام ملنے پر دوسرا شاعر اٹھا، اور کہا۔

اگر فردوس برروئے زمین است

ہمین است ہمین است ہمین است

اس کو بیس ہزار انعام ملا، تیسرا شاعر جو کہ ایک سن رسیدہ صاحب نسبت بزرگ تھا، وہ اٹھا، اور کہا۔

زنیرنگی این دولت مشو غرہ مرنجان دل

کہ این کار جہان گاہے چنان گاہے چنین باشد

حاضرین پریشان ہوئے، اور اسے ملامت کرنے لگے کہ تم نے اچھا نہیں کیا، خوشی کی محفل میں غم و پریشانی کی بات کہی، بادشاہ سمجھدار تھا، کہنے لگا کہ دوسرے شعراء نے جھوٹ کہا، اس نے سچی بات کہی، میرے غرور اور سرکشی کو توڑ دیا، اسے دوگنا انعام دیا گیا، کیونکہ وہ اس حقیقت کا ترجمان ثابت ہوا۔

خلاصہ کلام یہی ہوا کہ صرف حمد ہی کو بقا حاصل ہے، اور کسی چیز کو نہیں، سارا جہان تار عنکبوت (مکڑی کا جالا) ہے، اسے کوئی بقاء نہیں، اصل بقاء اور حکمرانی ربّ العزّت سبحانہ اور اس کے پاکیزہ صفات حمیدہ کیلئے ثابت ہے، دنیا میں ذاکرین، حامدین ہی اصلی بندگی پر قائم ہیں، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں ربّ العزّت کی عبادت وذکر میں مشغول رہتے ہیں، منور روشن رہیں گے، وہ پاکیزہ قلوب جو ہر وقت تصور معبود حقیقی کے ساتھ معمور ہیں، قابل ستائش ہیں، وہ دماغ جن کی سوچ حقیقت پر مبنی ہو، مبارک ہیں، وہ زبانیں جن کی حرکت ہمیشہ ذکر الٰہی کے ساتھ ہے، اسی طرح قابل تعریف ہیں وہ آنکھیں جو مناظر قدرت کا نظارہ کرتی ہیں، وہ کان جو حقائق حقہ کی سماعت میں مصروف ہیں، وہ ہاتھ پاؤں جو اسی عمل خیر وبقاء میں مصروف ہیں۔ اللہ ربّ العزّت کی رضاء وقرب کے جتنے اسباب ہیں ذکر الٰہی ان سب پر تقدم اور فوقیت رکھتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ اسی نعمت عظمیٰ اور اسی سرمایہ کی تحصیل کا اولین پیغام ہے، جب بندہ اپنے محسن حقیقی کو تنہائی میں یاد کرتا رہتا ہے تو ملاء اعلیٰ پر اس کا تذکرہ ہوتا ہے، اور جب وہ کسی محفل کو حمد وثناء الٰہی کے ساتھ گرماتا ہے تو فرشتوں کی محفل میں اس کا تذکرہ ہونے لگتا ہے، جب وہ ایک بالشت جتنا قرب حاصل کرنے لگتا ہے تو رحمت ایزدی ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتی ہے، جب بندہ ایک ہاتھ کا قرب پاتا ہے تو انوار الٰہی سے دو ہاتھ کا قرب

حاصل ہوتا ہے، جب وہ چل کر آگے بڑھتا ہے تو رحمت الٰہی دوڑ لگا کر اس کا استقبال کرتی ہے۔[رواہ الشیخان]

موجودہ سائنسدانوں کی تحقیق ہے کہ قلب ودماغ دونوں کی گہرائیوں میں اللہ لکھا ہوا نظر آتا ہے، اور جب ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾[بقرۃ:۱۵۲](تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد کروں گا) کے تابناک لمحات وجود میں آتے ہیں، تو ہر قسم کے دنیوی خیالات وجذبات اور غیر اللہ کے تصوّرات ماند پڑ جاتے ہیں، اور مقام شہود کی طرف خیالات منتقل ہوجاتے ہیں، اور **تعبداللہ کأنک تراہ** کا نظارہ ومنظر آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوجاتا ہے، اور سیر اِلیٰ اللہ کا مرتبہ شروع ہوتا ہے۔لوگوں نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے نکاح کرنے کا کہا، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ رابعہ کا نکاح آخرت کے ساتھ ہو چکا ہے، اسے دنیا والوں کے ساتھ نکاح کی ضرورت نہیں ہے، اور جس کا عروج ہو چکا ہوُ اسے تنزل کی طرف آنے کی حاجت نہیں ہے۔یہی حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا قول ہے کہ دل کی تخلیق صرف ذات باری تعالیٰ کیلئے ہے، یہی وجہ ہے کہ خواب کے عالم میں بدن کے سارے اعضاء سوجاتے ہیں، مگر دل نہیں سوتا، وہ مسلسل بیدار رہتا ہے، کیونکہ اس پر ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾[بقرۃ:۲۵۵](نہ اس کو اونگھ پکڑ سکتی ہے، اور نہ نیند) کا پَرتو جاری رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے محل ایمان قلب ہی کو قرار دیا کہ اس پر فنا نہیں، اور وہ ہمیشہ انوار الٰہی میں مستغرق رہتا ہے۔دیکھیں! سورج زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے، اور اس کی روشنی آٹھ منٹ ۳۳ سیکنڈ میں زمین پر پہنچتی ہے، یہ ایک ظاہری اور فانی مخلوق ہے، جس کی روشنی کی سرعت کا یہ حال ہے، اور یہ روشنی پورے عالم کے برو بحر، انسان، جن، حیوانات، نباتات ودیگر تمام مخلوقات کیلئے ہے، اور نور الٰہی جس کا تعلق ورود قلب مؤمن پر جو ہوگا وہ مخصوص ہے قلب مؤمن کے ساتھ، اور قلب مؤمن کی تخلیق مخصوص ہے، ادراک ومعرفت انوار باری تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ۔

دل بدست آور کہ حج اکبرست ☆ از ہزاران کعبہ یکدل بہتراست
دل گزرگاہ جلیل اکبرست ☆ کعبہ معمار خلیل آزرست

اور قرآن حکیم نور الٰہی اور مجسم نور باری تعالیٰ ہے، اس کا افتتاح سورۃ فاتحہ کے ساتھ ہے، اور سورۃ الفاتحہ کا افتتاح حمد باری تعالیٰ کے ساتھ، حمد باری تعالیٰ دراصل قلب مؤمن کے ساتھ مربوط ہے، جس کی ترجمانی زبان کا وظیفہ مقرر ہوگئی، تو حمد باللسان فرع بن گئی حمد قلبی کی، جو کہ محل ایمان ومعرفت ہے، اسی بناء پر اصحاب باطن صوفیاء کرام نے ذکر قلبی (بغیر واسطہ) کو ذکر لسانی (بالواسطہ) پر ترجیح دی ہے۔

؎ اے کہ ذکرتست تسکین قلوب العارفین ☆ انت معبودی و مسجودی و رب العلمین

۞...۞...۞...

﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ①﴾

یہاں سے ایک بہت بڑی تحقیقی علمی بحث کا بیان مقصود ہے، ان شاء اللہ اپنے ہمہ گیر مطالب کے اعتبار سے نہایت اہم ہوگی، یہ مباحث کئی قسم کے مختلف علمی پہلوؤں پر مشتمل ہیں، جن کا تعلق رَبِّ مضاف اور الْعٰلَمِیْنَ مضاف الیہ دونوں کے ساتھ برابر رہے گا۔

بحث اول:

رَبّ کے معنی پروردگار، مالک، صاحب کے ہیں، یہ اصل میں رَبَّ یرُبُّ کا مصدر ہے، جس کے معنی تربیت کے ہیں، پھر مبالغہ کیلئے عدل کی طرح بطور وصف استعمال کیا جانے لگا، اور بعض کا قول ہے کہ بَر کی طرح صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔امام راغبؒ نے تربیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:" هوإنشاء الشيء حالاً فحالاً إلى حدالتمام"۔[الکمال] یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ حدکمال تک پہنچ جائے۔امام حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے رب کے معنی میں فرمایا ہے کہ ربّ وہ ہے جو ہراس چیز کو جسے اس نے پیدا کیا ہے کمال کی اس حد تک پہنچادیتا ہے کہ جو حداس چیز کیلئے اس نے مقدر فرمادی ہے۔(اس کی تفصیل بحث دوم میں آنے والی ہے)، پس وہ نطفہ کو پشت سے نکالتا ہے، پھر اسے پھٹکی (علقہ) بناتا ہے، پھر علقہ کو بوٹی، پھر بوٹی سے ہڈیاں پیدا کرتا ہے، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے، پھر بدن میں جان ڈالتا ہے، اوراس کوایک نئی صورت میں جبکہ وہ ناتوان بچہ ہوتا ہے نکال کھڑا کرتا ہے، اور برابراس کی نشوونما کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو پورا برا انسان بناتا ہے، اور ابتداء حال میں وہ جوان ہوتا ہے، پھرادھیڑعمر، پھر بوڑھا بنا دیتا ہے، اور جو بھی چیز اس نے پیدا کی (مثلاً دیگر مخلوقات) ان سب کا یہی طور طریقہ ہے، پس ربّ وہ ہے جواس کا نگران ہو۔اوراس حد پراس کو پہنچانے والا ہو، جو حداس کیلئے اس نے مقرر کی ہے، اوراس کی مقدار و نہایت قراردی ہے، یہاں تک اختصار کے ساتھ ربّ کا معنی صرف ایک معنی کے اعتبار سے متعین و معلوم ہوا۔[لغات القران]

"العٰلمین" عالَم کی جمع ہے، اور عالم خود بھی جمع ہے، مگر اس کا واحد اس کے لفظ پر بھی نہیں آتا، کیونکہ علماء لغت کا قول ہے کہ عالم کا واحد نہیں نہ اس کے لفظوں پر اور نہ بغیر لفظوں پر، کیونکہ وہ اشیاء مختلفہ کی جمع ہے۔ [إعراب القرآن]

امام راغبؒ مفردات القرآن میں کہتے ہیں کہ عالَم آسمان اور آسمان کے تلے (نیچے) جو جواہر و اعراض ہیں ان کا نام ہے۔ یہ اصل میں اسم ہے اس چیز کا کہ جس کے ذریعہ علم حاصل کیا جائے، جس طرح طابع (ٹھپہ) اور خاتم (مہر) ان اشیاء کے اسم ہیں کہ جن سے ٹھپہ لگایا جاتا اور مہر لگائی جاتی ہے، اور اس صیغہ پر اس کی بناء اس لئے رکھی گئی ہے کہ وہ بھی بمنزلۂ آلہ کے ہے، کیونکہ عالم اپنے بنانے والے کی طرف رہنمائی کا آلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ربّ العزّت سبحانہ نے اپنی وحدانیت کی معرفت کے سلسلے میں ہم کو عالم ہی کا حوالہ دیا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ [أعراف: ۱۸۵] (اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر، اور اللہ نے جو جو چیزیں پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کیا؟)

عالم اور اس کی جمع العٰلمین کی جمع کا صیغہ بھی اسی لحاظ سے ہے کہ ان مخلوقات کی ہر نوع عالم کہلاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے عالم انسان، عالم جنات، عالم حیوانات، عالم نباتات وغیرہ۔ اور جمع سلامت العٰلمین کی وجہ تغلیباً ہے، کہ تمام اقسام وانواع عالم میں انسان ہی اشرف المخلوقات ہے، جس کا لحاظ صیغہ جمع میں رکھا گیا ہے۔

امام نسفیؒ تفسیر مدارک میں یہی فرماتے ہیں: ''اجسام جواہر اور اعراض (ذوات وصفات) جن سے خالق کا علم حاصل ہوتا ہے، یہ سب عالَم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ موجود ہے اس کا نام عالَم ہے، اور یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے، تو عالَم نام ہوا ما سوی اللہ کا۔ [تفسیر مدارک]

بحث دوم:

بحث دوم درحقیقت بحث اول کا خلاصہ اور ترجمہ مع التفسیر ہے، الرب و التربية وهي تبليغ الشئي إلى كماله شئيا فشيئا۔ [بیضاوی] الرب، المصلح والمدبر والجابر والقائم يقال لمن قام باصلاح شئي و إتمامه۔ [قرطبی] ولا يقال الرب مطلقا الا لله تعالى۔ [مفردات] ولا يستعمل الرب لغير الله بل بالإضافة أي إلا بالإضافة۔ [ابن کثیر] العٰلمین جمع ہے عالم کی، اور عالَم بھی جمع ہے، جس کا واحد کوئی نہیں، العالم الخلق كله۔ [لسان العرب] العالمون أصناف الخلق كلهم۔ [لسان العرب]

"رب الغلمین" کا مطلب یہ ہوا کہ ہر صفت موجودات کا ایک نظام تربیت ہے، اور ہر صنف کا نظام دوسرے سے الگ ہے، اور سب کا آخری سرا اسی قادر مطلق احکم الحاکمین واحد و یکتا لاشریک سبحانہ کے ہاتھ میں ہے فقط، کوئی صنف موجودات اس کے ہمہ گیر نظام ربوبیت وتربیت سے آزاد و مستثنیٰ نہیں، اور اس کی تربیت عام ہے۔

"رب الغلمین" کے جملہ سے یہ واضح ہوا کہ اسلام کا ربّ کسی مخصوص نسل، مخصوص مذہب، مخصوص قوم، مخصوص سرزمین اور مخصوص قوم ومخلوق وقبیلہ کا ربّ نہیں، یہ حقیقت تاریخ مذاہب واقوام میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب واقوام جس صورت میں موجود رہے ہیں، وہ اس وسیع تخیل سے آشنا نہیں تھے، ہر مذہب والے اور ہر قوم ربّ کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتے اور مانتے تھے، گویا ربّ کا تصور اور حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ مصر، بابل، یونان، چین، ہند، رومہ، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا ذکر نہیں، بنی اسرائیل جیسے اہل کتاب بھی خدا کے خدائے کائنات ہونے کے پوری طرح قائل نہیں تھے، اور عیسائیت آج تک مسلسل باپ باپ کہہ کر خداوند تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کررہی ہے۔ (نعوذ باللہ) قرآن حکیم نے ایک لفظ رب الغلمین لا کر ان سارے مشرکانہ وگمراہانہ عقائد کو مسترد کیا، اور ان کے غلط عقائد پر کاری ضرب لگا کر ان کے مذموم خیالات کی بلند وبالا عمارات کو زمین بوس کردیا۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر اور خبط صفت ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگا ہے، اور یہی ان کے مشرکانہ ملحدانہ عقائد کی بنیاد ہے، اسی لئے قرآن حکیم نے اس نظام تربیت کے اختصاص اور ہمہ گیری کو سب سے مقدم رکھا۔ بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ کلمہ (الحمدللہ رب الغلمین) تمام کلموں سے افضل واشرف ہے، یہاں تک کہ لاإله إلا الله سے بھی، اس لئے کہ لاإله إلا الله میں صرف توحید ہے، اور اس میں توحید کے ساتھ حمد وثناء بھی ہے۔ [قرطبی]

الحمدللہ رب الغلمین کے ساتھ یہ سارے شکوک واوہام ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئے، اور حقیقت نکھر کر سامنے آگئی، اور واقعی نفس الامری مسلمہ امور جو کہ ازل سے ابد تک ہمہ گیر اور عام ہیں خوب واضح ہوگئے، جن سے اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور من مانیاں باطل ہوگئیں، جو کہتے چلے آئے ہیں کہ: ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ [البقرة:۱۱۱] (ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر یہودی اور نصرانی) یا ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ [مائدة:۱۸] (ہم اللہ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) اور اس کے محبوب ہیں)۔ اور سارے جہاں کے علم و دانست میں آگیا کہ ربّ العزّت کی ربوبیت تمام کائنات کیلئے ہے، کسی ایک طبقہ اور قوم کیلئے نہیں، الحمدللہ رب

العٰلمین کے یہی حقیقی اور عمومی معنی ہیں کہ وہ صرف ربّ بنی اسرائیل یا ربّ المسلمین نہیں، بلکہ ربّ العٰلمین ہے۔ عالمین کے معنی یہی بیان کئے گئے کہ ماسوی اللہ جواہر واعراض، اور جمیع موجودات۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چالیس ہزار مخلوقات موجودات کی تعداد ہے، جبکہ امام مقاتلؒ کے نزدیک مخلوقات موجودات (عالمین) کی تعداد اسی ہزار (۸۰) ہے۔ [قرطبی]

ربّ العزّت سبحانہ کی تربیت ان تمام انواع واقسام موجودات کیلئے علیٰ حسب المراتب یکسان برابر ہے، خشکی ہوکہ دریا، ذوی الارواح جاندار ومخلوقات ہوں کہ بے جان، ذوی العقول ہوں کہ غیر ذوی العقول، علویات، سفلیات، جواہر، اعراض، جمادات، نباتات وغیرہ تمام مخلوقات ربّ العٰلمین کی نگرانی تربیت، تخلیق وابقاء کے نظام میں بلاتخصیص واستثناء منسلک ہیں۔ وہی ذات عالی صفات تکوینی امر وحکم کے ساتھ سب کا خالق، مربی، نگہبان اور روزی رساں ہے، بلاشرکت غیرے ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [مؤمنون: ۱۴] (برکت والا ہے اللہ، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [غافر: ۶۴] (برکت والا ہے اللہ، جو مخلوقات کا پالنے والا ہے)۔ اس کے امر وحکم کے ساتھ یہ سارا نظام عالم قائم ومتحرک ہے، اس کے حکم کے بغیر ایک ادنیٰ درخت کا پتہ نہ حرکت کرسکتا ہے، اور نہ کوئی تغیر قبول کرسکتا ہے، نہ اپنے مستقر وجگہ سے ہٹ سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

الحمدللہ رب العٰلمین نے ان تمام سربستہ مخفی رازوں سے پردہ اٹھا کر ربوبیت عامہ کو روز روشن کی طرح ظاہر فرمایا کہ کائنات کا ہر ذرہ اسی تربیت ایزدی سے نشوونما پا رہا ہے۔ دیکھیں! شہروں میں ہزاروں کی تعداد میں ہسپتال، لاکھوں کی تعداد میں معالج وڈاکٹر، اربوں کی مشینری، کھربوں کی ادویات کا حیران کن نظام شب وروز بلاوقفہ جاری رہتا ہے، زچہ وبچہ کی بے شمار ڈسپنسریاں اور ہسپتال، جہاں مریضوں کی قطاریں لگتی ہیں، آپریشن کا دھوم دھام اور ہجوم ہے، اربوں روپیہ کے بے دریغ اخراجات ہیں، ایک ایک ٹیسٹ پر پچاس پچاس ہزار روپیہ کی لاگت ہے، ایک ایک پیچیدہ مریض پر ملک اور بیرون ملک لاکھوں کے، بلکہ بسااوقات کروڑوں تک کے اخراجات ہیں، اب آپ سمندروں کے حیوانات اور خشکی کے جاندار اور حیوانات کا رخ کریں، جن کیلئے نہ معالج ہے، نہ ڈاکٹر، نہ میڈیکل نہ ہسپتال، آپ ان مخلوقات پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ ان کی نسلیں ہیں، بچے ہیں، گجراتی کتیا سولہ سے اٹھارہ بچوں تک کو جنم دیتی ہے، ان حیوانات میں بنسبت انسانوں کے دیو ہیکل، جسامت میں کئی گنا بڑے، شمار اور گنتی میں ہزار گناہ زیادہ، ان کے لئے نہ

ڈاکٹر نہ دیگر ذرائع، مگر وہ انسانوں کی طرح پھلتے پھولتے بڑھ رہے ہیں، خوشحال ہیں، زچگی وبچگی کے ناز ونخرے، اور تمام تکلفات سے آزاد ہیں۔ پھر ان کی خوراک دیکھئے! ان میں سے کچھ کی غذا مٹی ہے، کچھ کی غذا صرف پانی، کچھ کی گھاس، کچھ کی جڑی بوٹیاں اور کچھ کی ہوا اور بادنسیم، سو بتایئے یہ مضبوط ومربوط محکم نظام کس کا ہے؟ اور کس کے ہاتھ میں ہے؟ ایک ایک بنگلے اور پارکوں کے پھولوں اور درختوں کی خدمت پر کتنے مالی خدمتگار متعین ومقرر ہیں؟ روز روز کھاد اور پانی کا تازہ سلسلہ جاری رہتا ہے، معمولی غفلت سے پورا نظام درہم برہم ہوتا ہے، یہ ہے انسانی ربوبیت کا انجام۔ اب ذرا جنگل کی چٹانوں، سنگلاخوں، پتھروں کا رخ کر کے دیکھیں، تو وہاں کے درختوں، جڑی بوٹیوں، کیڑے مکوڑوں، جنگلی جانوروں کا کون مربی ہے؟ سالوں، مہینوں تک کچھ بھی انسانی تدبیر اور انسانی ہاتھ وہاں کارفرما نہیں، ان کا نظام چلانے والا، نگہبان وحفاظت کرنے والا، اور انہیں سجا سجا کر ترقی دینے والا اور انہیں ہر قسم کے نشوونما مہیا کرنے والا کون ہے؟ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [غافر: ٦٤] (برکت والا ہے اللہ، جو مخلوقات کا پالنے والا ہے)۔

انسان ہو یا جانور، بچوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ بلا تاخیر ماں کے سینے کے ساتھ دودھ کی نہر اور چشموں کا چھاتی کے ذریعہ نظام دیکھئے، ایک ایک جانور کے اس کے بچوں کی تعداد کے برابر پستانوں کا انتظام کس کی قدرت اور حکم سے ہے؟ گرم گرم خالص دودھ کا جو مولود کی طبیعت کے مطابق ٹیسٹ شدہ ہو، خشک و بازاری، ناقص اور ناموافق دودھ، جسے ناموافق ہونے کی وجہ سے بذریعہ ڈاکٹر روزانہ بار بار تبدیل کرنے کی نوبت پیش آتی ہے، اور طرہ یہ کہ مہنگی قیمت دے کر خریدا جاتا ہے، عام غریبوں کی دسترس سے باہر ہے، جبکہ ماں کا دودھ مفت بھی ہے، اور موافق بھی، وغیرہ۔ یہ ہے شان ربوبیت ایزدی، درخت توت کا پتہ جانور نے کھایا تو گوبر بن گئی، شہد کی مکھی نے چوسا شہد بن گیا، کیڑے نے کھایا ریشم پیدا ہوا، یہ کس کی تربیت اور دست کاری ہے؟ جانور ہو یا انسان سیروں اور منوں کے حساب سے خوراک کھاتے ہیں، پیٹ میں ہضم ہونا، کیلوس بننا، خون پیدا ہونا، بلغم پیدا ہونا، یہ کیا ہے؟ اور کس کے حکم سے ہے؟

اس کے بعد ذرا غور کرو، دو تین کلو خوراک کھا کر آٹھ گھنٹے بعد جو بول وبراز نکلتا ہے، اس کی مقدار دس تولہ ہے، کھائی ہوئی خوراک کا باقی بڑا حصہ کہاں گیا؟ اسی طرح بچہ ماں کے پیٹ میں کھاتا، پیتا، سانس لیتا ہے، یہ کھایا ہوا فضلہ کہاں جاتا ہے؟ اور سانس کس طرح لیتا ہے؟ غور فرمایئے، یہ ہے شان ربوبیت ایزدی۔ انسانی اعضاء اور بدن کے اندر قیمتی اعضاء کو دیکھئے، صرف بقول سائنسدانوں کے کہ آنکھ میں بارہ کروڑ بلب، اور دونوں آنکھوں میں چوبیس کروڑ

بلب کی برقی طاقت موجود ہے۔ پہلا آسمان زمین سے تین کروڑ دس لاکھ میل دور ہے۔آنکھوں کی نظر نصف سیکنڈ میں آسمان تک پہنچ جاتی ہے، یہ کس کی صناعی وکاریگری ہے؟ سارے جہاں والے مل کر پورے وسائل کے ساتھ ایک آنکھ نہیں بنا سکتے، اور بنانے والی ذات کیلئے اتنا آسان، اور اس کے خزانوں میں اتنی بے قیمت ہے کہ یہی آنکھ اور اسی طرح دل ودماغ اور سارے اعضاء رئیسہ سے، جہاں اشرف المخلوقات کو نوازا گیا ہے، وہاں یہ سارے قیمتی اعضاء اور آنکھوں سے پست ترین اور کمزور ترین مخلوق کیڑے مکوڑوں کو بھی نوازا گیا ہے۔

آپ کبھی چوہے یا سانپ کی آنکھوں کی خوبصورتی دیکھیں، تو بلاساختہ زبان سے نکلے گا: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [مؤمنون: ۱۴] (برکت والا ہے اللہ، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔ ایک ادنیٰ مخلوق مچھر کو دیکھیں، تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ اس کی تخلیق انسانی تخلیق کے ساتھ برابر ہے، مچھر کا دماغ ہے، دل، جگر، پھیپھڑہ، گردہ، معدہ، خون، دانتوں کی جگہ سونڈ، شعور، سوچ، وغیرہ جس طرح پورے عالم میں ایک شکل وصورت کے دو انسان آپ نے نہیں دیکھے، اسی طرح ایک شکل وصورت کے دو مچھر بھی ملنا مشکل ہے۔ دیکھیں رات کی تاریکی میں ہماری آنکھیں کام نہیں کرتیں، مچھر کی آنکھوں کی روشنی اور تاریکی میں فرق نہیں آتا، بلکہ تاریکی میں اس کی بینائی اور تیز ہو جاتی ہے۔ علامہ زمخشریؒ کا قول ہے:

یامن یریٰ مدالبعوض جناحها ★ في ظلمة الليل البهيم الأليل

ویریٰ نیاط عروقها في نحرها ★ والمخ في تلک العظام النُحّلِ

"اے وہ پاک ربّ العلمین! جو دیکھتا ہے سخت تاریکی میں مچھر کے پروں کے پھیلاؤ کو، اور دیکھتا ہے اس کے بدن کی رگوں کو، اور اس کی ہڈیوں کے مغز وچربی، اور اس کے دل کے والوں کو۔ یہ ہے شان ربوبیت باری تعالیٰ۔ فللہ الحمد رب العلمین۔

جانوروں کا دودھ دیکھو، یہ دودھ گوبر، پیشاب، خون، گوشت کے درمیان سے خالص برنگ سفید، ذائقہ دار نکلتا ہے، اس میں ملاوٹ گوبر، پیشاب وخون کا کبھی نہیں ہوتا، یہ کس کی کاریگری اور صناعی ہے؟ یہی جانور صبح شام ایک من دودھ دیتا ہے، اب اسے ذبح کرو تو اس کے گوشت میں ایک قطرہ دودھ نظر نہیں آئے گا، یہ کہاں سے آیا، اور کہاں گیا؟ یہ سب تربیت ایزدی کے کرشمے ہیں۔ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [غافر: ۶۴] (برکت والا ہے

اللہ، جو مخلوقات کا پالنے والا ہے)۔

بحث سوم ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'':

تربیت کرنے والا، اور سارے جہانوں کا پالنے والا۔ تربیت کے معنی ہیں: ہر چیز کو آہستہ آہستہ رحمت وشفقت کے ساتھ کمال تک پہنچانا، جس درجہ تک اس کی حد ہو، مثلاً ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ دعزّ مجدہ مچھر، چیونٹی، گائے، ہاتھی کے بچوں کو رفتہ رفتہ کمال تک پہنچادیتا ہے، لیکن مچھر، مکھی، چیونٹی کے بچوں کا کمال یہ ہے کہ ان کی لمبائی، چوڑائی وغیرہ مچھر، مکھی، چیونٹی کے مطابق ہو، اور گائے ہاتھی کے بچہ کو گائے اور ہاتھی کے برابر، اسی طرح دیگر حیوانات کے بچوں کو ان کے بڑوں کی حد تک، یہی قانون تمام حیوانات اور جاندار ذوی الارواح کیڑے مکوڑوں تک سب کیلئے ہے۔ اسی طرح نباتات، سبزی، پھل، درخت جڑی بوٹیوں تک، کھجور، آم، سیب، کیلا، بادام، ودیگر ہر قسم کے درخت اوران کے پھلوں کا حجم ولمبائی برابر نہیں، اور رنگ وذائقہ بھی ہرایک کی حد وانداز اسی کے مطابق، اور دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، یہی قانون تمام بوٹیوں کیلئے بھی ہے، سبحان اللہ وبحمدہ۔

انسانوں کو دیکھیں، اور تمام حیوانات کو بھی، ہر ملک وہر علاقہ کے لوگوں کی قد وقامت، اسی طرح ہر ملک وعلاقہ کے حیوانات بھی باعتبار قد وقامت دوسروں سے مختلف ہیں۔ ہر جنس وہر نوع، اسی طرح افراد کی تربیت الگ الگ زاویوں پر موجود ہے، اور کبھی کسی جنس ونوع یا افراد کی تربیت میں کوئی نقص معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں! قدرت اگر اپنی تربیت کی نیرنگیوں کی خاطر اگر اس طرح کا فرق ظاہر فرمائے گا تو یہ عین کمال قدرت وتربیت کا حصہ ہوگا، جیسے شاعر نے کہا۔

نہد لال وفیروزہ درصلب سنگ ☆ گل لالہ درشاخ فیروزہ رنگ

(سعدی)

بعض درخت اور بوٹی ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ایک ہی درخت میں سات سے دس رنگ تک کے پھول موجود ہیں، یہ قدرت باری تعالیٰ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ورنگسازی ہے۔ یاد رہے کہ یہ کمی بیشی اوراختلاف موسم، پانی اور زمین کے لحاظ سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ ربوبیت باری تعالیٰ کے لحاظ سے ہے، جیسا کہ مشاہدہ اس پر دلیل ہے۔ یہ ربوبیت صرف زمین اور جنگلوں کے ہزاروں کیڑے مکوڑوں میں نہیں، بلکہ سمندروں، دریاؤں، نہروں میں بنسبت زمین کے اور زیادہ مستحکم، مضبوط، پائیدار اور مختلف انداز میں پائی جاتی ہیں۔ حال ہی میں دنیا کے سائنسدانوں نے دریائی وسمندری مچھلیوں

کی تعداد و اقسام ۲۲ ہزار مختلف شکل وصورت اور مختلف قد وقامت، مختلف جسم وجسامت کی دریافت کی ہیں، ان تمام مخلوقات کی تخلیق و پرورش اور تربیت دست قدرت ہی سے ہورہی ہے۔ عورت کے رحم میں کتنے بچے پرورش پاتے ہیں، بسا اوقات دو اور تین سے لے کر چھ بچوں تک ایک ہی حمل میں بچے پرورش پاتے ہیں، وہاں تو کسی کا ہاتھ نہیں جاتا، وہاں کسی کی دسترس نہیں ہوتی، اور کوئی انسانی تصرف وکاریگری نہیں ہوتی، مگر ربّ العزت کی تخلیق وتصویر سازی اور پرورش اور خوراک کا نظام وہاں بھی موجود ہے، کس کی مجال ہے کہ بچے کی ذکورت وخوبصورتی میں معاون ہو، یا کسی بدصورتی اور انوثت میں رکاوٹ پیدا کرے، قرآن حکیم نے واضح طور پر خبر دی: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [آل عمران: ٦] (اللہ وہ ذات ہے جو تمہاری صورتیں بناتا ہے ماں کے پیٹ میں، جس طرح چاہے)۔ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ [الشوریٰ: ۵۰] (آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ یا ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنادیتا ہے۔ یقیناً وہ علم رکھنے والا، اور قدرت رکھنے والا ہے۔) یعنی سختی ہو یا نرمی، سب احوال اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، آسمان وزمین میں ہر جگہ اسی کی سلطنت اور اسی کا حکم چلتا ہے، جو چیز چاہے پیدا کرے، اور جو چیز جس کو چاہے دے دے، جس کو چاہے نہ دے، دنیا کے رنگارنگ حالات کو دیکھ لو، کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی، کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں، کسی کو صرف بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں، یا الگ الگ، اس میں کسی کا کچھ دعویٰ نہیں، وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے، اور وہی اپنے علم وحکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے، یا اس کی تخلیق وتقسیم پر حرف گیری کرسکے، عقلمندی صرف تسلیم ورضاء میں ہے، فقط۔

دیکھو جتنے عرصے تک بچہ ربّ العزت سبحانہ کی گود میں ہے، ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ کیسے رہتا ہے، کیسا کھاتا پیتا ہے، نہ روتا ہے، نہ فضلہ و پیشاب پھینکتا ہے، کچھ بھی نہیں، مگر جوں ہی ربّ العزت کی گود سے نکل کر باہر دنیا میں آتا ہے، اور ماں کی گود میں پہنچتا ہے، تو رونا بھی شروع کرتا ہے، اور طرح طرح کی بیماریوں میں گھر جاتا ہے، اور فضلات پھینکنا، الٹیاں شروع کرنا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

تو ربّ العزّت سبحانہ کی تربیت بر و بحر، رحم وشکم مادر، عالم بالا و عالم زیریں، اور ارحام میں کیسے منظم ومربوط طریقے پر جاری ہے؟ دیکھیں! لاکھوں ٹن، کروڑہا من وزنی ستارے سات ارب یا اس سے زائد تعداد میں ہمارے سروں پر ہیں، اور سات آسمان، چاند وسورج، بغیر ستون اور کسی سہارے کے ہمارے سروں پر کھڑے یا چکر لگاتے نظر آتے ہیں۔ نظام شمسی کو دیکھیں! چوتھے آسمان پر سورج محوسفر ہے، جو کہ تقریباً تیرہ لاکھ گنا زمین سے بڑا ہے، اپنے وظیفہ روشنی اور حرارت کے ساتھ چل رہا ہے، اور چاند جو کہ قریب ترین ستارہ ہے، کس شان وشوکت کے ساتھ رواں دواں ہے؟ کبھی باریک، کبھی ناقص، کبھی مکمل اور کبھی درمیانے اندازے کے ساتھ زمینی نباتات، درخت وپھل، میوہ اور سارے ماکولات اس کی تپش اور معتدل روشنی سے پرورش پاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے پاؤں کے نیچے سات زمینیں بغیر ستون کے فرش بنی ہوئی موجود ہیں، یہ ساری اپنی اپنی جگہ نظام تربیت کے ساتھ کام کر رہی ہیں، اور خدمت میں مصروف ہیں، ہواؤں کو دیکھیں! ان کی رفتار اور موسموں کی تبدیلی، بادلوں کا نظام، اور ان کے مختلف شکل ورنگ، گہرائی، باریکی اور بارشوں، برفوں، اولوں کا نظام ترتیب، یہ سارے ربّ العزّت سبحانہ کے امر وحکم کے تحت مصروف خدمت ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار ☆ شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نہ بری

سارا جہاں اوپر سے نیچے تک، اور اس کا ذرہ ذرہ، اور ہر مخلوق حضرت انسان کیلئے ہیں، اور یہ سارے خادم بن کر انسان مخدوم کی خدمت بجا آوری میں محوسفر ومصروف ہیں، اور یہ تمام مخلوقات اس کی خدمت پر مامور ہیں، ان میں سے آج تک کسی نے سستی یا انحراف نہیں کیا، اور اپنے فرض منصبی کی بجا آوری سے انکار نہیں کیا۔ دیکھیں! اونٹ، ہاتھی، گھوڑے، گائے، بھینس جیسے عظیم الجثہ طاقتور اور پہلوان جانور کیسے مسخر ہیں؟ انسان کا آٹھ سالہ بچے نے انہیں اپنا ہر حکم ماننے پر مجبور ومحبوس کیا ہوا ہے، اور شب وروز تخلیق وتسخیر ایزدی کے ساتھ ان سے خدمت لے رہا ہے۔ بعض اوقات ان سے ایسی مالایطاق خدمات وصول کر رہا ہے جو کہ حیران کن ہیں، مجال نہیں کہ کوئی جانور وظیفۂ منصبی سے منحرف نظر آئے، اور مقابلہ پر اتر آئے، حالانکہ ایک اونٹ اگر ضد پر اتر آئے تو بیسیوں آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دریاؤں کی

تسخیر الگ، باقی جانوروں اور حیوانات کی تسخیر الگ، یہ سب کچھ ربّ العزّت کی تسخیر اور نظام ربوبیت کے شواہد و دلائل ہیں۔ کاش یہ خود مختار انسان صاحب عقل و ہوش، جسے خلافت کا تاج پہنایا گیا ہے، جسے دیگر مخلوقات پر حاکم بنایا گیا ہے، جسے علم و عمل اور مختلف قسم کے ہنر و کمالات سے نوازا گیا ہے، جسے قوت گویائی جیسی عظیم شرف و منقبت کے ساتھ ساری مخلوقات پر برتری عطا ہوئی ہے، جس کی رہنمائی اور سمجھانے کی خاطر انبیاء و رسل علیہم السلام تشریف لائے ہیں، اور بابرکت آسمانی کتب اتاری گئی ہیں، جسے زمین کا واحد حکمران اور سرپرست بنایا گیا ہے، اور ساری امانتوں کا بوجھ اس کے سر پر رکھ کر سرداری کا شرف عطا کیا گیا ہے، تو چاہئے کہ یہ خود کو پہچان لے، اور جانوروں سے بدتر نہ بنے، أسفل السافلین کے تہ میں پہنچنے سے پرہیز کرے۔ [دروس القرآن]

اگر صرف یہ قریب ترین ستارہ چاند ذرا اپنے مرکز اور مستقر سے نیچے سرک جائے، تو کیا کوئی طاقت ہے کہ اسے تھامے رکھے؟ کوئی نہیں، ہاں! یہ طاقت ہے ربّ العلمین سبحانہ کی، جس نے اسے تھامے رکھا ہے، اور چلا رہا ہے۔ اسی طرح باقی آسمانوں کے سات ارب ستاروں کو اس پر قیاس کریں۔ بیچارے انسان نے زلزلہ کا پیمانہ وآلہ تو ایجاد کیا، جس سے زمینی حرکت کا پتہ چلتا ہے، مگر آج تک وہ آلہ روئے زمین پر آنے والے زلزلوں کی خبر دینے سے قاصر بھی ہے، اور کیا اس کے پاس زلزلوں کو روکنے کی طاقت ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لاکھوں ستارے اوپر کھڑے ہیں، جب حکم ربی آجائے گا تو سب ایک آن میں پلک جھپکنے کی مدت میں ختم ہوجائیں گے۔ ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ [القمر: ۵۰] (اور ہمارا حکم بس ایک ہی مرتبہ آنکھ جھپکنے کی طرح ہے)۔ قرآن حکیم کی سینکڑوں آیتوں میں آسمانوں، زمینوں، سمندروں، ستاروں، سورج، چاند اور پہاڑوں کے عین وقت قیامت میں تہہ و بالا، نیست و نابود ختم ہونے کا واضح بیان موجود ہے، فتدبر۔

دنیا کے سائنسدانوں نے اب تک صرف سات ارب ستارے معلوم کئے ہیں، اور مزید معلومات کا سلسلہ جاری ہے، اور کہتے ہیں کہ باقی ان سے زیادہ ہیں۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [مدثر: ۳۱] (اور تیرے ربّ کے لشکر کو نہیں جانتا مگر وہی)۔ اللہ ربّ العزّت سبحانہ کے لشکروں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا، یہ ناکس و بیچارہ انسان صرف معلومات کی حد تک ہاتھ پاؤں مار مار کر فخر و مباہات کا شکار ہے، اور اپنے اس کمال پر نازاں وخوش ہے۔ (اس کی تفصیل انشاء اللہ آنے والی ہے)، اور پھولے نہیں سماتا کہ یہ میرا کمال ہے، اصل کمال ان محیر العقول حیران

کن موجودات کی تخلیق وتصویر اور تربیت و پرورش ہے، جو کہ ربّ العٰلمین سبحانہ کی ذات عالی صفات کے ساتھ مخصوص ہے۔﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾[الملک:۳] (پھر سے دیکھو، کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟) فلیخلقوا ذرۃ ولیخلقوا حبۃ ولیخلقوا نملۃ۔[الحدیث] ﴿لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ [النحل: ۲۰] (وہ بت کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے، بلکہ ان کو پیدا کیا گیا ہے)۔ اگر اگلے، پچھلے، زندہ، مردہ، انس وجن مرد وعورت ،عقلاء، حکماء، امراء، وزراء، سلاطین، بادشاہ ورعایا ساری خلقت ایک جگہ جمع ہوجائیں مل کر اتفاق کریں، دنیوی تمام اسباب وسائل استعمال کریں، ساری دنیا کے تمام اسباب واموال خرچ کریں، باہمی تعاون کے ساتھ ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، تو یقیناً عاجز آئیں گے، بے بس ہو کر تھک جائیں گے، خوار وذلیل ہوجائیں گے، ایک لنگڑی لولی مکھی، یا بے دست و پا چیونٹی پیدا نہیں کرسکیں گے، یا ایک مردہ مچھر کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکیں گے، چہ جائے کہ کسی مینڈک یا چوہے کو بناسکیں۔﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [مؤمنون: ۱۴] (برکت والا ہے اللہ، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ”الکواکب معلقۃ بسلاسل النور“ ستارے نورانی تاروں سے لٹکے ہوئے ہیں۔ دراصل یہ نظام روحانی ہے، مادی نہیں ہے، اگر یہ نظام مادی ہوتا تو مادے کی طرح تغیر پذیر ہوتا، مادی نظام میں ہر وقت تغیر وتبدیلی ہوتی رہتی ہے، تو کسی وقت ضرور کوئی نہ کوئی تغیر پیدا ہوجاتا، لیکن یہ روحانی نظام ہے کہ ہر ستارہ ہزاروں سالوں سے اپنی جگہ پر کھڑا اور قائم ہے۔ دیکھیں! سائنس کی معلومات اور ایجادات حتمی یقینی نہیں ہوتے، سائنس دانوں کی تبدیلی سے معلومات اور ایجادات میں ہر زمانہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اور ان میں ہر قسم کی غلطی نشیب وفراز یقینی اور واقع بھی ہے، مگر ربّ العزّت سبحانہ کی فرمائی ہوئی باتوں میں کسی طرح کمی بیشی کا امکان تک نہیں، اس کا علم تمام مخلوقات کے ذرات پر محیط ہے، اور اسے نے اپنے علم وحکمت کے تحت ہر چیز کو اس کے مناسب حال پر پیدا فرمایا ہے، موجودہ وقت میں اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق روئے زمین پر ایک دن میں آٹھ سو کروڑ من خوراک خرچ ہوتی ہے، یہ بڑا لنگر اور خوراک کا نظام ربوبیت الٰہی کا واضح ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بڑا سامان، خوراک کس نے پیدا کیا؟ مخلوقات تو صرف کھانے والی، نوش جان کرنے والی ہیں، پیدا کرنے والا اور پکانے والا، رنگ وذائقہ ڈالنے والا، مہیا وتیار کرنے والا، زمین پر اگانے والا تو صرف ربّ العٰلمین ہی ہے، ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۔ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾[الواقعۃ: ۶۴] (کیا تم نے دیکھا ہے جو کچھ تم زمین میں بوتے ہو؟ کیا تم اسے

اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟)۔

ماکولات ومشروبات کس کے حکم سے تیار ہوتے ہیں؟ اور اگانے والا، پانی برسانے والا، زمین میں قوت و استعداد پیدا کرنے والا، دریاؤں کا نظام بغیر کمی وبیشی چلانے والا، سبزی وپھل، گندم، جوار، مکئی اگانے والا، ان میں مختلف رنگ وذائقہ اور خواص ولطافت ڈالنے والا کون ہے؟ یہ ربوبیت کس کی ہے؟ یہ نظام کس کا ہے؟ ان ماکولات کو آفتوں، آہتوں سے بچانے والا، پانی میں یہ خاصیت اور شیرینی پیدا کرنے والا کون ہے؟ عالم کا ہر ذرہ یہی جواب دے گا کہ یہ سب کچھ کرنے والا ربّ العٰلمین کی ذات گرامی ہی ہے۔ اندازہ لگائیں یہ کثیر خوراک صرف انسانوں کی ہے، زمین پر کروڑوں بے شمار حیوانات، جنگلی جانور، طیور و پرندے، کیڑے مکوڑے، فضاؤں میں بسنے والی مخلوقات، دریاؤں، سمندروں میں بے شمار حیوانات، اور دیگر بے شمار مخلوقات، کھانے والی اور غذا اور روزی حاصل کرنے والی، کیا عقل انسانی اس کا صحیح اندازہ لگاسکتی ہے؟ جبکہ سمندروں میں جو مخلوقات ہیں ان کی تعداد خشکی کی مخلوقات سے کئی گنا زیادہ ہے، اور ان کے اجسام وجسامت، حجم وخوراک بہ نسبت زمین اور خشکی کی مخلوقات کے زیادہ ہے، اور ایک دریائی مچھلی کی خوراک زمین کے حیوانات کی بہ نسبت اتنی زیادہ ہے جیسے ایک کی نسبت ہزاروں لاکھوں کے ساتھ برابر ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے دور میں روئے زمین کے واحد حکمران وبادشاہ، پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام جن کے قبضہ واختیار میں ہوا، چرند، پرند، جن، انس، جنگلی جانور وغیرہ ربّ العزّت سبحانہ کے حکم سے محکوم اور منتظر فرمان ہیں۔ ایک شاہی تخت پر بیٹھ کر دو دن کے عرصے میں سارے جہان کی سیر وسیاحت کرتا ہے، تخت بھی تو تخت ہے، تاریخی و بے مثال تخت ہے، انجن ندارد، شیشہ کا بنا ہوا ہے، پہیا نہیں، کچھ بھی نہیں، تیل نہیں مانگتا، ہیرے جواہرات کی چھ لاکھ کرسیاں نصب ہیں، ہوا کے ذریعہ پرواز کرتا ہے، ہوا کے ذریعہ کسی ایئر پورٹ کے بغیر نیچے اترتا ہے، فضاء میں بلند ہونے کے بعد جس شہر وبستی اور جس علاقے سے گزرتا ہے وہاں کی آبادی اور انسان سارے نظر آتے ہیں، اور ہوا کے ذریعہ ان کی باتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں تک سماعت کی خاطر پہنچ جاتی ہیں، وغیرہ۔ [**بحر المحيط و تاريخ و قصص الأنبياء بر واية حضرت عبدالله بن عباس رضي الله عنهما**]

اس عظیم پیغمبر و نبیؑ نے ایک شاہانہ دعوت کا اہتمام کیا، ساری مخلوقات کیلئے ایک وقت کے کھانے کا انتظام فرمایا، اور بے شمار ماکولات ومشروبات کا انتظام فرمایا، اس دعوت کی تیاری اور ترتیب دہی میں چھ ماہ صرف ہوئے، لاکھوں

انسان اور لاکھوں دیوہیکل بڑے بڑے پہلوان، جنات، مصروف عمل وخدمات پر مقرر اور متعین تھے، خوراک پہاڑوں جتنی تیار ہوئی، ایک دریائی سمندری مچھلی بے صبری کے عالم میں دریا سے نمودار ہوئی، سر نکالا، کھانے کی درخواست کی، جواب ملا کہ پہلے لوگ کھائیں گے تمہاری باری آخر میں آئے گی، عرض کی میں صبر نہیں کرسکتی، سخت بھوک لگی ہے، جواب ملا اچھا کھاؤ، بس اتنا کہنا تھا کہ اس نے منہ کھولا اور چھ ماہ کی تیار شدہ پہاڑوں جتنی خوراک کو ایک لقمہ کرکے ہڑپ کیا، اور مطالبہ کیا کہ میری روزانہ یومیہ خوراک کے دو حصے باقی ہیں، براہ کرم انتظام کرو، ربّ العزّت سبحانہ مجھے روزانہ تین دفعہ اتنی خوراک مہیا فرماتے رہے ہیں، بس اتنا کہنا ہی تھا کہ روئے زمین کے عظیم پیغمبر و بادشاہ سجدے میں گر گئے، اور معافی مانگنے لگے، ربّ العزّت تو ہی رزاق ہے، اور تو ہی رزق روزی مہیا کرنے پر قادر ہے، مجھے معاف فرمائیں، اور میرا مؤاخذہ نہ فرمائیں۔ [قصص الأنبياء]

ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ کا یہ بے مثال محیر العقول رزق وروزی کا نظام کسی اسباب وعوامل پر موقوف نہیں، بلکہ یہ نظام تکوینی ہے، جو کہ ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ کے آرڈر پر چل رہا ہے۔ بدقسمتی سے ناداں و بے خبر انسان مصنوعات کو تو ہر لمحہ دیکھتا ہے، مگر غور وفکر نہیں کرتا، اس نظام ربوبیت سے کبھی متاثر نہیں ہوتا، بلکہ غافل ہی رہتا ہے، اور اس کی ہمہ گیری اور گہرائیوں پر توجہ صرف نہیں کرتا، ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [آل عمران:۱۹۱] چاہیے کہ تخلیق عالم اور نظام کائنات میں تدبر وتفکر کرکے معبود برحق کی قدرت ونظم پر، اور اس کے کمالات پر توجہ مبذول کرکے اسی سے معرفت کا دروازہ کھل کر بندگی کا حق پورا ادا کرنے کا جذبہ موجزن کردے، صرف ظاہری اسباب وعوامل پر رسائی حاصل کرنے سے مسائل حل نہیں ہوتے، ان تک رسائی تب ممکن ہوگی جب گہرائیوں پر غور وفکر مبذول ہو۔ اگر مراقبہ کرکے گریبان میں منہ ڈال کر صحیح تصور کا حق ادا کیا جائے تو ان بے شمار مخلوقات کی پیدائش اور نظام حیات ورزق وروزی پر توجہ مرکوز کرنے سے معلوم ہوگا کہ رب العٰلمین الحي القيوم بديع السمٰوٰت و الأرض سبحانہ وتعالیٰ نے کیسا خوبصورت محکم ومضبوط اور پختہ نظام تشکیل فرمایا ہے، ذرا دیکھیں! موسم کی تبدیلی، سردی، گرمی، روشنی، تاریکی، بادلوں کا نظام کیسا محیر العقول ہے؟

اور جو لوگ قدرتی کمالات کے مشاہدے سے اندھے اور قرآن وحدیث کی پند ونصیحتوں سے بہرے ہیں، اور ہر معاملہ میں مغرب کی تحقیق کو حرف صحیح اور قول آخر سمجھتے ہیں، ہر بات پر مغرب کی پیروی کرتے ہیں، اور اسی پر فخر کرکے

خود کو ملک وملکوت کا وارث ومدبر اور دانشور تصور کرتے ہیں، اور مغرب کی واہیات وجھوٹ کو سچ اور یقینی جانتے ہیں، تو انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ماہرین یورپ کہتے ہیں کہ زمین کے اندر تیرہ سو درجہ کی حرارت موجود ہے، اور پانی ابالنے اور گرم کرنے کیلئے ایک سو درجہ گرمی کی ضرورت ہوتی ہے، تو یورپ کے سائنسدانوں نے واضح اقرار کیا ہے کہ زمین کے نیچے جہنم ہے، یہ اسلامی فرمودات کا اقرار وتسلیم نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کہتے ہیں کہ اکیس جون کا دن انتہائی گرم ہوتا ہے، اگر اس دن کو دو سال لمبا کیا جائے تو پوری دنیا جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے گی، اور اکیس دسمبر کی رات انتہائی درجہ سرد ہوتی ہے، اگر اسے چھ سال تک بڑھا دیا جائے تو پوری دنیا برف کی طرح منجمد ہو کر تباہ ہو جائے گی، اور سارا نظام درہم برہم ہو کر کائنات کا بستر ہ گول ہو جائے گا۔ اگر پانی کو گیس کی شکل میں تبدیل کیا جائے تو چھ سو چھتیس درجہ گرمی کی ضرورت ہوگی، اب اندازہ لگایا جائے کہ ایک سو مربع زمین کی کھیتی کو سیراب کرنے کیلئے کس قدر پانی کی ضرورت ہے، اور اگر پانی گیس کی صورت میں بنایا جائے تو اس کیلئے چھ لاکھ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی، پورے برصغیر ہندو پاک پر صرف دس منٹ مصنوعی بارش برسانے کے لئے نوے کھرب ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی، اگر ہم صرف دس منٹ مصنوعی بارش برسانے کا انتظام کریں، تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس پر کتنے اخراجات ہوں گے۔ دیکھیں! ہندو پاک کی آمدنی سالانہ کے حساب سے پانچ سو کھرب روپیہ ہے، اور دس منٹ مصنوعی بارش کا خرچہ اس آمدنی سے تقریباً معمولی فرق کے ساتھ تیس ہزار گنا زیادہ ہے، مطلب یہ ہوا کہ ہندو پاک کے تقریباً تیس ہزار سال کی آمدنی جمع کریں تو صرف دس منٹ بارش کے خرچہ کے برابر بنے گی۔ دیکھیں! ربّ العٰلمین سبحانہ کی شان ربوبیت کس طرح عام اور بے مثال ہے، اور یہ سارا محض بخششوں اور رحمتوں پر مبنی اور بغیر قیمت ومعاوضہ پورے عالم کیلئے مفت ہے، اور دوست ودشمن، مسلم وکافر سب کے لئے یکساں برابر ہے، جس میں کسی قیمت یا خاص امتیاز کا شائبہ بھی نہیں، بلکہ سب کے لئے بلا امتیاز جاری ہے۔ [دروس القرآن]

؎ اے کریمے کہ از خزانہ غیب ☆ گبر وترسا وظیفہ خور داری

دوستان را کجا کنی محروم ☆ تو کہ با دشمنان کرم داری

اسی طرح روشنی کے نظام قدرت کو دیکھیں، تو وہ اس مذکورہ دقیقہ سے بھی کئی درجہ باریک اور حیران کن ہے، اور بے انتہا اہم اور ہمہ گیر ہے۔ ملاحظہ کیا جائے دنیا میں شرقاً، غرباً، جنوباً وشمالاً سارے عالم میں جو تمام بجلی ہے جس سے

دنیا کے تمام کارخانے، فیکٹریوں، مشینوں، پنکھوں اور اے سی، تھیٹروں، ہسپتالوں، مارکیٹوں، دفتروں، بازاروں، سڑکوں، گھروں وغیرہ میں جو بجلی روشن کارآمد اور زیر استعمال ہے، ان سب کا اندازہ (1/4) چھٹانک یعنی تقریباً سوا تولہ ہے، اس کے ساتھ ربّ العٰلمین عزّوجل کی بجلی اور نظام شمسی روشنی پر نظر جماؤ اور دیکھو، تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ جو سورج سے زمین پر روشنی پھیلتی ہے، اور ربّ العزّت سبحانہ نے اپنی قدرت کاملہ اور کرم وعنایت سے جو روشنی اور قوت بر قیہ سورج میں رکھی ہے، اگر اس کے دوسو کروڑ حصے کئے جائیں تو اس کے ہر حصے کا نصف زمین پر پہنچتا ہے، یعنی دوسو کروڑواں حصہ کا نصف زمین پر پہنچتا ہے، اور پوری زمین اور تمام کائنات کیلئے کافی ہے، بالفاظ دیگر سورج کی روشنی کو چار سو کروڑ، یعنی چار ارب حصہ کرو، جس کا صرف ایک حصہ زمین پر پہنچتا اور کافی ہوجاتا ہے، اور اس کی مقدار چار ہزار چار سو اسی من ہے ، اور تمام دنیا کی بجلی کی مقدار سوا تولہ کے قریب ہے، تو ربّ العٰلمین سبحانہ کی بجلی کی مقدار چار ہزار چار سو اسی من ہے، اگر یہ قیمت کے ساتھ بکنے لگے جس طرح دنیا کی بجلی مصنوعی بکتی ہے، تو تمام زمین کے ایک ارب سال کی پوری آمدنی اس کی قیمت کیلئے کافی نہیں، اور لطف یہ کہ دنیا کی مصنوعی بجلی بار بار فیل ہوتی ہے، دوم یہ ہے کہ صرف چند خاص مقاصد تک محدود ہے، سوم یہ کہ کمی کی وجہ سے لوڈ شیڈنگ کا المیہ اس کے ساتھ وابستہ ہے، چہارم یہ کہ تمام خشکیوں اور دریاؤں، صحراؤں، جنگلوں تک کیلئے نہیں، پنجم یہ کہ اس کی روشنی نہ ہونے کے برابر ہے، ششم یہ کہ اس کا حصول صرف قیمت کے ساتھ ہے، ہفتم یہ کہ صرف انسانوں کیلئے ہے، ہشتم یہ ہے کہ اس کی تحصیل اور بنانے پر بے شمار سرمایہ صرف ہوتا ہے، نہم یہ کہ اس کے لئے میٹر، بلب، تار اور دیگر چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، دہم یہ ہے کہ اس میں بہت سارے خطرات ہیں، جان ومال اور سرمایہ ہر وقت اس کی زد میں ہیں، کئی گھر، بازار، مارکیٹیں، کارخانے اور انسانی جانوں کا تباہ وبرباد ہونا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر بے شمار نقصانات کا پیش خیمہ ثابت ہوا ہے، جبکہ قدرتی بجلی میں یہ خطرات اور دیگر اقسام کے مذکورہ نقائص نہیں ہوتے، جس کے فیض وبرکات کائنات کے چپہ چپہ پر بلا قیمت اور یکساں جاری رہتے ہیں۔ [دروس القرآن]

آبادی ہو یا صحراء، خشکی ہو یا دریا، جہاں جہاں ربوبیت کے مظاہر اور مناظر ہوں گے، وہاں تک بلا کمی وبیشی ، مساوات وبرابری کے ساتھ جلوہ افروز رہیں گے، اور یہی ربّ العٰلمین سبحانہ وتعالیٰ کی شان کریمی کا تقاضا ہے، اور تمام جہانوں پر اس کی ربوبیت ومالکیت کا سایۂ رحمت ہے۔ اس کی پوری تفصیلات کیلئے ہزاروں دفاتر درکار ہیں۔ اسی طرح

روشنی کی ضد جوراتوں کی خاموشی اور تاریکی ہے، وہ کتنی عظیم نعمت ہے، جو قریب قریب روشنی کی نعمت کا ہم پلہ ہے، اور اس سے بالکل کم نہیں ہے۔ تمام جہانوں کی زندگی اور خوشحالی انہی دونعمتوں کی مرہون منت ہے، اور سب کچھ انہی کے گرد گھوم رہا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [إبراهيم: ۳۴] (اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو نہیں گن سکتے)۔

اسی طرح اس کے ساتھ ہوا کی نعمتِ عامہ، اور پانی کے فیوض وبرکات، جس کے ساتھ ہر چیز کی حیات وبقاء وابستہ ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبياء: ۳۰] (اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی دی ہے)۔

؎ زفرق تابقدم ہر کجا کہ مینگریم ☆ کرشمہ دامن دل مے کشد کہ حق این جاست

سمندروں، نہروں، چشموں، دریا، کاریزات، ٹیوب ویل، کنوؤں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ پورے کرۂ ارض پر رواں دواں ہے، اگر سارے ملائکہ، تمام انسان وجنات لکھنے والے بن جائیں، اور تمام درخت وجڑی بوٹیاں واشجار قلم بن جائیں، اور سارے دریا، ساتوں سمندر ملا کر سیاہی ہوں، پوری زمین، کوہ وجبال اور چٹان کاغذ وگتہ اور اس کے ساتھ تمام کارخانے کاغذ بنا بنا کر روئے زمین کو بھر دیں، ربّ العٰلمین کی عظمت، کمالات، فضیلتوں، عنایتوں، نعمتوں کو لکھنا چاہیں، عمریں تمام ہوجائیں گی، ہاتھ شل ہوجائیں گے، قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہوجائے گی، لکھنے والے عاجز ہو کر تھک جائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کی تعریفیں اور خوبیاں ختم نہ ہوں گی، اور ان کا احاطہ وشمار نہیں ہوسکے گا۔ یہ سارے محدود ہیں، مگر اس کے کمالات وانعامات غیر محدود ہیں، کیونکر شمار (حساب) ہونگے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لا أحصي ثناءً عليك أنت كما أثنيت على نفسك"۔ [الحديث]

؎ ہر کجا بینی نعیم ونعمت ست

نعمت حق از وجود رحمت ست

نعمت حق از حساب افزون ترست ☆ از گمان بندگان بیرون ترست

نعمت ایمان زجملہ برترست ☆ ہر کہ کوشد در عمل داناترست

خوشتر آن باشد کہ ہر دم شاکرست

مال وجان قربان کند نیکو ترست

بحث چہارم:

ربّ العلمین کی ربوبیت کا ایک اور اہم پہلو:

ربّ العلمین کی ربوبیت اور پرورش جو کہ سارے جہانوں کیلیئے ہے،مخلوقات خواہ کتنی بھی ہوں،چالیس ہزار ہوں، یا اسی ہزار، ذی روح ہوں یا غیر ذی روح، جمادات ہوں یا نباتات، ذوی الاجسام جواہر ہوں یا اعراض، ربّ العزّت کی تربیت وپرورش سب کو شامل ہے۔ آپ جانوروں کو دیکھیں، اور ان کی اقسام دیکھیں، ہر ایک کی جسامت، قدوقامت، شکل وصورت، طول وعرض ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور پھر ان کے خواص ومنافع دیکھیں، ان کے خواص واغراض، رنگ وصورت، نسل وعمر اور زندگی وغیرہ کا حساب لگائیں، خوب غور وفکر کریں، تو آپ کو بے شمار اور حیران کن عجائبات نظر آئیں گے، اور عقل وشعور سے بالاتر حقائق معلوم ہوجائیں گے کہ کوئی بڑے سے لے کر چھوٹے تک، پیٹ پر رینگنے والے، یا دو تین، چار، چھ اور آٹھ پاؤں والے سے لے کر پندرہ بیس چالیس پاؤں پر چلنے والے تک، کچھ مختلف جسامت کے پروں والے، کچھ بغیر پروں کے، اسی طرح لمبائی، چوڑائی میں، پھر سیدھے اور کچھ ٹیڑھے، کچھ مربع، مثلث مخمس، طویل وعریض، کچھ سروں والے، اور کچھ بغیر سروں کے، کچھ دو تین سروں، اور دو تین چہروں اور کئی آنکھوں والے، غرض یہ کہ سارے عجیب وغریب بے شمار حکمتوں کے تحت پیدا کئے گئے ہیں۔

ان میں سے کسی کی تخلیق بغیر حکمت ومنفعت کے نہیں، قال اللہ تعالی: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ [آل عمران: ۱۹۱] (اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا)۔ ماہرین حیوانات نے سمندروں کی تہہ میں بے شمار عجیب الخلقت جانوروں کو دریافت کیا ہے، کہ عقل انسانی ان کے تصور اور حقائق جاننے سے عاجز ہے۔

یمن کے ساحل غدن کے قریب سمندر میں بحری جہاز کے کپتان جناب عبدالحمید خان نے بتایا کہ ایک انسان نما جانور ہے، جس کے ہاتھ نہیں، چہرہ ہو بہو انسان کا ہے، اس کی ایک ٹانگ ہے، جو انسان کی ٹانگ کی طرح کی ہے، بڑی تیزی سے پانچ چھ فٹ پانی سے اوپر چھلانگ لگاتا ہے، اور ہر وقت ہنستا ہوا نظر آتا ہے، اور جہاز کی آمد پر خوشی محسوس کرتا ہے، اور ساتھ ساتھ چلتا ہے، بار بار چھلانگ لگا کر ہنستا ہے، پھر غائب ہوجاتا ہے۔

اسی طرح افریقہ کے گھنے جنگلات میں بکثرت عظیم الجثہ اور عجیب وغریب جانوروں کی دریافت ہوچکی ہے، جو

اس سے پہلے انسانی معلومات میں نہیں تھے۔ (حیاۃ الحیوان جیسی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں) اور ماہرین حیوانات نے ایسے ایسے جانور دریافت کئے ہیں کہ جن کے چار سے لے کر آٹھ منہ، اور متعدد چہرے، اور پچاس کے قریب دانت ہوتے ہیں۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ اس کائنات کی کوئی مخلوق چھوٹی یا بڑی بغیر فائدہ ومنفعت اور مہمل نہیں ہے، بلکہ ان سب کے حقائق ہیں، خواص ہیں، فوائد ہیں، ایک ایک جانور میں کئی فوائد ہیں۔ دیکھیں! بھیڑ بکریاں آپ کو پشم مہیا کرتی ہیں، بچے جنم لیتی ہیں، دودھ دیتی ہیں، گوشت مہیا کرتی ہیں۔ اونٹ، گھوڑے، بیل، گائے، خچر، گدھے وغیرہ بار برداری کیلئے استعمال ہوتے ہیں، ان کے چمڑے، ہڈیاں، عروق، رگیں سب کچھ کارآمد ہیں۔ پھر اسی بھیڑ بکریوں کے دودھ سے دہی، لسی، پنیر، خشک پنیر، اصلی کارآمد گھی، چربی، مکھن وغیرہ تیار ہوتے ہیں، ان تمام حیوانات کے منافع وفوائد انسانوں کیلئے ربّ العلمین سبحانہ کے کرم اور تربیت سے ہر موسم وہر زمانہ میں وافر وکثیر مقدار میں مہیا ہوتے ہیں، جیسے کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

شہد کی مکھی کو دیکھیں! اس کی جسامت دیکھیں، کتنی سنجیدگی اور احتیاط سے شہد پیدا کرتی ہے، مجال نہیں کہ کسی زہریلی جڑی بوٹی کا رس چوس کر بجائے فائدہ کے نقصان پہنچائے۔ مچھر اور مکھی میں بھی کثیر فوائد ہیں، گھر میں، صحن میں، برآمدہ اور کچن میں زہریلے جراثیموں کی بہتات ہو تو یہ انہیں ختم کرتی ہیں، زمین اور فرش پر موجود مہلک جراثیموں کو چیونٹیاں کھا جاتی ہیں۔ ربّ العلمین سبحانہ نے زمین اور اس کی فضاء میں چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے ایسے پیدا کئے ہیں کہ خوردبین سے بمشکل نظر آتے ہیں، لیکن ماہرین حیوانات نے بیان کیا ہے کہ وہ اتنے باریک اور چھوٹے ہیں کہ اگر ان میں سے چھ کروڑ اکٹھے کئے جائیں تو گندم کے دانہ کے برابر ہوں گے۔ ان کے سپرد یہ کام ہے کہ اگر فضاء زہر آلود بن جائے تو ربّ العزّت سبحانہ نے ان کو حکم دے رکھا ہے کہ تم زہر آلود فضاء کو کھا کر ختم کرو، تاکہ زہریلی فضاء مخلوقات کو نقصان نہ پہنچائے، اور مختلف قسم کے امراض پیدا نہ ہوں۔ "فسبحان من خلق الخلق بقدرته ودبر الأشياء بحكمته"۔ [دروس القرآن] اور یہی ربّ العلمین سبحانہ کی حکمت اور حفاظت کا عمومی تقاضہ ہے جو بقاء عالم کیلئے ضروری ہے۔

اسی طرح نباتات، سبزہ اور درختوں کا نظام دیکھو! دوفٹ سے لے کر دوسوفٹ تک کے درخت موجود ہیں، اور ایسے درخت بھی ہیں جن کے سایہ میں ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ ایسے قیمتی درخت جس کی لکڑی کا ایک فٹ بازار میں

ہزاروں روپیہ پر بکتا ہے۔ درختوں کا نظام بہت ہی محیر العقول ہے، ان کے خواص الگ، جسامت، شاخیں، پتے، پھل ومیوے، پھول، پھلیاں، چھلکے، سایے، کونپلیں یہ سب کارآمد ہیں۔ امریکہ میں سنا ہے سینکڑوں سال سے بڑی عمر کے درخت ہیں۔ (صنوبر درخت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس کی عمر پچاس ہزار سال ہوتی ہے، اور اسی طویل العمری کی وجہ سے اس کی کونپلیں نکلنے کے ایک سال بعد اس کے پھول لگتے ہیں، پھر اسی ترتیب سے ایک ایک سال کے فاصلے پر پھلیاں، پتے اور پھل نمودار ہوتے ہیں، اور اس کی جڑیں سینکڑوں میٹر تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں) ان کے پتے الگ، چھال، پھل اور مختلف اجزاء کے الگ الگ سینکڑوں فوائد ہیں، ان کی نسلیں بھی ہیں، ان میں نر مادہ اور جفتی کا سلسلہ بھی ہے۔ موسم، زمین، ملک، خشکی، تری، نمائش، تربیت وغیرہ دیگر ہر قسم کے بہت سے منافع وخواص، امراض، ادویہ حتیٰ کہ آج کل تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دور میں ان کے محکمے بنے ہیں۔ محکمہ جنگلات، محکمہ ذراعت، میوہ جات وغیرہ ناز ونخرے سب کچھ لاکھوں کی تعداد میں درخت صحرائی، بستانی، گھریلو پھول، جڑی بوٹیاں جن سے لاکھوں روپیہ کی ادویہ اور دیگر فوائد ومنافع ہیں۔ ادویات ماہرین کے مشوروں سے مہیا اور تیار ہوتی ہیں، اس وقت پوری دنیا میں اوسطاً مختلف بیماریوں پر جو اخراجات ہوتے ہیں وہ تمام ملکوں کے سالانہ بجٹ کا چالیسواں حصہ ہیں، اور یہ ساری ادویات انہی بوٹیوں سے بنائی جاتی اور تیار ہوتی ہیں۔ ان درختوں، جنگلات، جڑی بوٹیوں، پھل، پتے، شاخوں، پھولوں ودیگر اجزاء میں طرح طرح کے خواص وفوائد ہیں، اور یہ سارا نظام جو کہ لامحدود بھی ہے، اور حیران کن بھی۔

کہتے ہیں کہ اسپین میں سات ہزار قسم کے مختلف پھول پیدا ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے روح تازہ ہوتی ہے، اکثر سیاح انہیں دیکھنے کیلئے وہاں جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ خالق کائنات کی بندہ پروری اور ربوبیت کے مظاہر ہیں، اور اس کی بے پناہ نیرنگیوں کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ قدرتی مصنوعات وعجائبات دیکھنے پر انسان عش عش کر کے حیرانیوں کی دنیا میں گم ہو جاتا ہے، رنگ برنگ تخلیقات کو دیکھ کر لذت محسوس کرتا ہے، لیکن قدرت کی کاری گری اور ہمہ گیر، عظمت وکمالات سے بے بہرہ اور نابینا رہتا ہے، اور اس کی وحدت تک رسائی کا غور وفکر اور کوشش نہیں کرتا۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ [الاسراء] (جو شخص یہاں نابینا ہوگا وہ آخرت میں بھی نابینا اٹھے گا)۔ یہ نابینا سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے، مگر چشم بصیرت سے بے بہرہ ومحروم ہے۔ عرش الٰہی سے لے کر تحت الثریٰ (زمین) ساتوں زمینوں کے نیچے تک بے شمار مخلوقات ہیں، علویات، سفلیات، نیز فضائی مخلوقات کا سلسلہ غیر متناہی

ولامحدود ہے، ان میں ہر عالم کی حقیقت وصفات منافع وفوائد اور خواص ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سبحان اللہ تمام عالم میں دو انسان ایک جیسی شکل وصورت، طبیعت ومزاج کے نظر نہیں آتے، اسی طرح باقی مخلوقات کا حال ہے، حتیٰ کہ دو مچھر بھی ایک صورت وشکل کے نہیں ہوتے۔ فسبحان المصور للمخلوقات کیف یشاء فی أی صورۃ۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ [آل عمران: ٦] (اللہ وہ ذات ہے جو تمہاری صورتیں بناتا ہے ماں کے پیٹ میں، جس طرح چاہے، نہیں ہے معبود مگر وہی، جو زبردست حکمت والا ہے)۔ ﴿وَمِنْ آیَاتِهِ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ﴾ [الروم: ۲۲] (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا)۔

ربّ العزّت سبحانہ کی اس تخلیقی وتربیتی پرورش میں جو رموز واسرار اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، انسان بیچارہ ہرگز اس کی گہرائی کا اندازہ اور سراغ نہیں لگا سکتا، کہیں دیکھو تربیت تکوینی ہے، کہیں تشریعی، کسی جگہ تدریجی اور کہیں ہنگامی ہے۔ بکری کا بچہ اور دوسرے حیوانات کے بچے پیدائش کے ساتھ فوراً چلنا شروع کر دیتے ہیں، انسان کا بچہ ہفتوں تک مسلسل ۱۸۔۲۰ گھنٹے سویا رہتا ہے۔ مرغی اور دیگر پرندوں کے انڈے دینے کے کئی ہفتے بعد چوزے پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل ہر نوع حیوانات میں قدرت نے تربیت کا الگ نظام رکھا ہے۔

حکایت:

ایک منکر خدا، دہری کا گزر تربوز کے فصل پر ہوا، نرم ونازک زمین پر پھیلے ہوئے پودے دیکھ کر اس پر بڑے بڑے دس پندرہ سیر کے تربوز دیکھ کر کہنے لگا کہ کوئی مناسبت نہیں، قدرت الٰہی پر اعتراض کرنے لگا کہ پودا نرم ونازک اور پھل بڑا، وہاں سے روانہ ہو کر انار کے باغ میں پہنچا اور درختوں پر انار کا پھل دیکھ کر پھر اعتراض کیا کہ درخت بڑا اور پھل چھوٹا، کوئی مناسبت نہیں، اس درخت کیلئے وہ بڑے پھل (تربوز) مناسب تھے، اور اس کمزور درخت کیلئے یہ چھوٹا پھل (انار) مناسب معلوم ہوتا ہے۔ درخت کے سایہ میں آرام کرنے لگا، ہوا کا جھونکا آیا، دو تین انار درخت سے گر کر اس کی پیشانی پر زور سے لگے، تو کہنے لگا: نہیں نہیں، اب قدرت کی حکمت سمجھ میں آئی، اگر درخت یہ ہوتا، اور پھل وہ تربوز والا، تو شاید میرا خانہ خراب ہو جاتا، اور سر ٹوٹ کر میری زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ انسان اشرف المخلوقات، خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، کائنات کی تخلیق اسی کے لئے ہے۔

ع جہاں ہے ترے لئے، تو نہیں جہاں کیلئے (اقبال)

انسان محض دنیا میں نہیں، بلکہ اس کی پیش قدمی برزخ اور آخرت تک کیلئے ہے، تب تو اس کی تربیت وتخلیق کو تدریجی بنیاد پر اور مختلف مراتب ودرجات پر رکھا گیا ہے۔ اس کو بہت سے مدارج ومراتب سے گزرنا ہے، علم ہو یا جہالت، دولت ہو کہ فقر، خوشی ہو کہ غم، اسلام ہو کہ کفر، تندرستی اور بیماری، عبادت وریاضت، تقویٰ یا لادینیت والحاد، غرض یہ کہ سارے محاسن وکمالات اور سارے فسق وفجور یہ انسانی صفات ہیں، ان کے ساتھ باقی مخلوقات کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت انسان کو تدریجاً ان سارے مراحل سے گزرنا ہوگا، یہ جہاں محاسن واخلاق اور گمراہی وضلالتوں کی آماجگاہ ومستقر بنا ہوا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [الفجر:۱۴] (بیشک تمہارا ربّ سب کو نظر میں رکھے ہوئے ہے)۔ ربّ العزت عزّت قدرتہ وتعالیٰ شانہ نظارہ کر رہا ہے، اور بالکل نزدیک سے ملاحظہ فرما رہا ہے: ﴿لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ [یونس:۱۴] (تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو) **فسبحانہ وھو اللطیف الخبیر**۔ انسان کو کس خوبصورتی اور کیسی نزاکتوں سے نوازا ہے، اور اس کیلئے کیا کیا مدارج طے فرمائے ہیں۔ پھر ان مدارج کو جس ترتیب کے ساتھ جوڑا گیا ہے، وہ نہایت پختگی اور استحکام کے ساتھ قابل غور وفکر ہے، ہر درجہ بہ نسبت اوپر والے کے کمزور، اور اوپر والا درجہ بہ نسبت اپنے ماتحت کے مضبوط ومحکم ہے۔ ہر نیچے والا درجہ ختم ہوگا تب اوپر والا شروع ہوگا، نیچے والے کی موجودگی میں اوپر والا شروع نہیں ہوگا۔

تفصیل یہ ہے: مثلاً انسان میں غذاء خوراک کی خاصیت وطلب موجزن ہے، پہلا درجہ یہ ہے کہ اس نے غذا کھائی، یہ ہضم ہوئی، اور فضلہ بن کر ختم ہوگئی۔ دوسرا درجہ شروع ہوا، خون پیدا ہوا، اور یہ ختم ہو، اس سے نطفہ بنا، اب نطفہ رحمِ مادر میں داخل ہو کر ختم ہوا، تو علقہ پیدا ہوا، یہ ختم ہوا، مضغہ پیدا ہوا، اور یہ ختم ہوا، تو گوشت، عروق، ہڈیاں پیدا ہوئیں، اور روح ڈالی گئی، انسانی شکل وصورت کے ساتھ ایک مکلف انسان موجود ہوا۔ پیٹ میں رہنے کا مرحلہ ختم ہوا تو اس جہاں ناسوت میں قدم رکھا۔ محض رضاعت پر گزر اوقات ہونے لگا، اور یہ درجہ ختم ہوا، تو فطام کا درجہ شروع ہوا، اس کے بعد آہستہ آہستہ دوسرے درجات شروع ہوگئے، دانت نکلے، چلنے، پھرنے، بولنے، کھیلنے کودنے، پھر شعور واحساس، پھر تعلیم وتدریب، پھر بلوغ، کمائی اور اعمال، پھر جوانی اور عقل وہنر، پھر زمانہ اَشُد، پھر تکمیل ہوش وحواس، پھر پختگی عقل چالیس سالہ دور، پھر ضعف وکمزوری کے مراحل، پھر ہرم وپیرانہ سالی، پھر ﴿لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ

شَيْـًٔا﴾[الحج:٥] (تاکہ نہ سمجھ سکے سمجھنے کے بعد کچھ بھی)۔ پھر سارے اعضاء کا ناکارہ ہونا، پھر موت اور دنیا سے کوچ وروانگی بجانب برزخ وآخرت۔ اس کے ساتھ بصورت ایمان وعمل صالح دخول جنت، اس پر تکمیل اور اختتام۔ یہ انتہائی عظیم ترقی اور اعلیٰ درجے کا عروج وکمال، جس کو حصول رضاء الٰہی اور نعیم مقیم جنتی مرتبہ کہا گیا، زہے سعادت و نصیب۔ اگر یہ انسان اپنی اصلی حالت پر رہتا، اور موت سے ہمکنار ومشرف نہ ہوتا، تو یہ رضائے الٰہی، ابدی زندگی، خوشحالی وجنت تک پہنچ کہاں سے حاصل ہوتی؟ موت ہی ترقی کا راستہ اور سبب وذریعہ بن کر یہاں تک لے آئی۔ ربّ العزت سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت وتربیت دیکھئے! ایک ادنیٰ نعمت زندگی وحیات بذریعہ موت ختم کرکے اس سے بہتر اور اعلیٰ چیز ابدی حیات وجنت عنایت فرمائی، تو سچ فرمایا کہ: "تحفة المؤمن الموت"۔ "راحة المؤمن الموت"۔ "الموت جسر يوصل الحبيب إلى الحبيب أو كما قال"۔ تو کون کہتا ہے کہ موت ایک مصیبت ہے؟ یہ صرف کافر کہہ سکتا ہے، کیونکہ موت کے بعد اس پر عذاب الٰہی کا ورود ہوتا ہے، مؤمن تو موت کو ایک نعمت وراحت سمجھتا ہے، جس کے ساتھ اس پر جنتوں اور نعمتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

نذر کردم کہ گر آید بسرم آن روزے
تا در میکدہ شادان وغزل خوان بروم

لوگ رو رو کر ماتم کناں ہیں، اور مرنے والا ہنستا ہوا خوشی کا مظاہرہ کرتا ہے، لگتا ہے اس کی شادی ہو رہی ہے۔

بحث پنجم:

رب العلمين، الخالق، المبدي، الموجد الواجد۔ بغیر آلہ، بغیر مادہ، بغیر محنت وجفاء کشی، بغیر مثال سابق و نمونہ، پورے عالم اور تمام علویات وسفلیات، متضاد مخلوقات، جواہر واعراض کی پیدائش وایجاد کا مرحلہ اور نظام تربیت و استحکام، اور بدون کسی نقص وکمی کے صرف چھ دن میں تعلیماً للعباد، پوری کائنات کی پیدائش اگر چاہتا تو صرف ایک اشارہ عین کے ساتھ ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ کے ساتھ امر واحد کے ساتھ یہ سب کچھ کرنے پر عالم وقادر تھا، اور جب اس پختہ وسنجیدہ محکم ومضبوط نظام کو ختم کرے گا تو وہاں چھ دنوں کا نہیں، صرف ایک آدھ اشارہ نظام عالم کی شکست وریخت کے لئے کافی ہوگا: ﴿وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ﴾[القمر:٥٠] (اور ہمارا حکم بس ایک ہی مرتبہ آنکھ جھپکنے کی طرح ہے)۔ یہ ہے ربّ العلمين، احسن الخالقين عزّ شانہ۔

یہ نظام عالم یا بعض چیزوں کی تخلیق محض ارادہ علم کلی محیط اور قدرت کاملہ ربّ العٰلمین کا نتیجہ وشاہکار ہے، جو کہ اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات ناقابل تردید ہے کہ انسان ہزاروں لاکھوں مصنوعات کا مؤجد ہے۔ آج انسان کی مصنوعات بہت بکثرت اور محیر العقول، حیران کن دنیا میں موجود ہیں، سائنسی ترقی کو وہ عروج حاصل ہوا جو کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ محیر العقول اشیاء وایجادات بنائے گئے جو کبھی انسان بے چارہ کیا، بلکہ فرشتوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھے، اور نہ کوئی اس کا تصور کرسکتا تھا۔ شاید آئندہ یہ مصنوعات ناکارہ ومتروک ہوں، ان کی جگہ ان سے بھی زیادہ حیران کن سائنسی ایجادات اور مصنوعات کا ظہور ہو، وھلم جراً۔ مگر یاد رکھیئے! یہ مصنوعات وایجادات ہی کہلائیں گی، انہیں تخلیق نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی ان کے ایجاد کنندگان پر خالق اور مصنوعات پر مخلوق کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ سارے عارضی، ناتمام، نامکمل، معیوب، ہزاروں نقائص سے پر، اور فانی وعارضی ہیں۔ ان تمام مصنوعات کا مادہ ربّ العزّت کا پیدا کردہ ہے، پھر ان میں بہت سے تجربے اور تجزیئے کارفرما ہیں، محنت اور اقتداء بالغیر، مثال سابق اور تدریجی تدریبی مشق وخواری مکمل شامل ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انسان نے جس عقل ودانائی، غور وتدبر اور تفکر فی المخلوقات کے بعد جس درجہ ایجاد پر پہنچا ہے، یہ سب حضرت حق ربّ العزّت سبحانہ کا عطیہ وبخشش اور الہام ہے۔ یہ وہ الہام ہے جسے شہد کی مکھی کو شہد بنانے، اور مکڑی کو عجیب وغریب جالا بنانے پر الہام سے نوازا گیا ہے۔ مکھی ومچھر اور مکڑی وچیونٹی کی خالقیت کا دنیا میں کوئی ذی شعور مدعی ودعویدار نہیں، ہاں! اگر کوئی سائنسدان ربّ العٰلمین کے پیدا کردہ مواد اور جواہر واعراض اور اس کی عطیہ عقل وشعور کے بغیر کوئی چیز ایجاد کرے، تو قابل نظر ہے۔ سارا جہاں جب ایک مچھر ومکھی پیدا کرنے پر قادر نہیں تو بڑی چیزیں بطریق اولیٰ پیدا کرنے پر قادر نہیں، لہٰذا تخلیق وایجاد کا فرق ضرور لازمی ہوگا۔ صرف یہ ایک بات تمام باتوں کیلئے فیصلہ کن ہے کہ تمام ایجادات کا مؤجد جب اپنی جان اور موت وحیات کا مالک نہیں تو یہی عجز وناتوانی خالقیت کے ساتھ منافی ہے، کیونکہ خالق صرف اور صرف قادر مطلق ہی کا نام ہوسکتا ہے۔

دنیا جب سے وجود میں آئی، اور انسان پیدا ہوا، تو اسے عقل وعلم اور محدود قدرت عطا کی گئی۔ پھر اسے ایک حد تک اختیار وارادہ سے نوازا گیا، یہی اس کے مکلف ہونے کے اسباب ہیں، اور بہت سی چیزیں اس کی ضرورت وفائدے کے لئے اسے بتائی گئیں۔ پس اس نے مسلسل محنت وتجربہ سے اپنے لئے چیزیں بنانا شروع کی، اور مسلسل تجربہ ومحنت سے بہت سی چیزوں کے بنانے اور تیار کرنے میں کامیابی حاصل کی، وہ اپنے ان تیار کردہ مصنوعات کا مؤجد بن

گیا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوا۔ اکثر و بیشتر چیزوں کے بنانے میں فرشتوں نے ان کی رہنمائی کی، اور جس طرح نص قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے میں فرشتوں نے رہنمائی فرمائی: ﴿اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا﴾ [المؤمنون: ۲۷] (اور کشتی بناؤ ہمارے سامنے، اور ہماری وحی سے)۔ قرآن حکیم نے ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ [البقرہ: ۳۱] (اور بتادیا آدم (علیہ السلام) کو تمام نام) سے اسی سمت اشارہ فرمایا، چیزوں سے مخلوقات کے نام اور قیامت تک کی بولیاں زبانیں سب کی تعلیم مراد ہے۔

یاد رہے! اس وقت ساری دنیا میں جتنی زبانیں رائج ہیں، ان کی صحیح تعداد بارہ ہزار آٹھ سو چوہتر (۱۲۸۷۴) ہیں، صرف ہندوستان میں آٹھ سو پینتالیس (۸۴۵) زبانیں رائج اور بولی جاتی ہیں۔ پاکستان میں جزوی طور پر تیس (۳۰) کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی کو تردد ہو، مگر تحقیق کرنے کے بعد شک وشبہ دور ہوجائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ایک حیثیت نبوت کی ہے، دوسری حیثیت سے آپ ابوالبشر ہیں، تیسری حیثیت معلّم الاسماء کی ہے، چوتھی حیثیت میں آپ تمام نسل انسانیت کیلئے صنعت وحرفت اور مؤجد الاشیاء والمصنوعات والحکمۃ کے ہیں۔ اور یہ سلسلۂ ایجادات ومصنوعات کا وہاں سے چلا اور آہستہ آہستہ ترقی واضافے کے ساتھ برابر جاری رہا، تاکہ حضرت ادریس (اخنوخ) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ایجادات میں اچھا خاصا نمایاں اضافہ فرمایا۔ آپ پہلے پیغمبر ہیں کہ آپ پارچہ سازی کی صنعت اور زراعت وباغبانی ولکھ پڑھ، تعلیم اور دیگر کئی چیزوں کے مؤجد ہیں، یہ زمانہ دنیا کے بچپن کا زمانہ کہلاتا ہے، زمانہ ابھی تک اپنے بلوغ کو نہیں پہنچا، اور ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [البقرہ: ۲۱۳] (اور لوگ ایک اُمت تھے) کا دور دورہ رہا، جوں ہی زمانہ اپنے بلوغ کو پہنچا تو انسانوں کی طرح زمانہ بھی بالغ ومکلف ہوا، اور بے دینی، الحاد، شرک وبت پرستی نے سر اٹھایا، تب حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے، مگر ایجادات ومصنوعات کے اعتبار سے دنیا اب بھی نابالغ شمار ہوتی رہی، تب ہی تو نوح علیہ السلام کشتی بنانے سے عاجز رہے، اور فرشتوں نے ان کو اس پر آمادہ کیا اور سکھایا، یہاں تک کہ طوفان سے سارا جہاں غرقاب ہوکر فنا ہوگیا، قصہ ختم۔

بحث ششم:

رب العٰلمین سبحانہ کی ربوبیت کا ایک اہم نکتہ:

طوفان کے بعد جب دنیا کی نشاۃ ثانیہ شروع ہوئی، اور حضرت نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹے حام، سام، یافث کی

اولادِ کرۂ ارض پر تیزی سے پھیل گئی، اور دنیا کے مختلف ملکوں علاقوں میں لوگ آباد ہو گئے، ربّ العزت کی مشیت نے بھی اسی سمت اپنی نیرنگیوں کو عام کیا کہ انسانیت اور اس کی آبادی نے معمورہ کے مختلف گوشوں کو لپیٹ میں لے لیا، چین اور اس کے اطراف آباد ہو گئے، ہندوستان میں آبادی بڑھ گئی، ادھر مصر و افریقہ بشمول یمن وحجاز وعراق آباد ہو گئے، موجودہ تہران سے کاشغر چین تک، ادھر سے یورپ، رومہ، اٹلی، یونان یہ تمام ممالک آباد ہو گئے، دنیا کی ترقی کا عروج دیکھنے میں آیا، فارس وخراسان میں ایرانیوں کی، مصر وافریقہ میں فراعنہ کی، یمن وحجاز سے شام تک تبابعہ کی، یونان واطراف میں رومیوں کی، چین ونواحی میں خاقانیوں کی، ہندوستان واطراف میں ہنود اقوام کی حکومتیں قائم ہوگئیں، اور صابئیت کا دور شروع ہوا، شرک واوثان پرستی نے دوبارہ زندہ ہو کر تمام اقوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، رفتہ رفتہ مختلف اقوام میں ارسال رُسل اور نبوتوں کا دور شروع ہوا (اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آئے گی) مختصر یہ کہ صابئیت نے ترقی کر کے ہندومت، بدھ مت، مجوسیت وبت پرستی کے مختلف ادوار جنم لئے، یونان میں حکماء وفلاسفہ کا زور وشور شروع ہوا، خراسان میں مجوسیت اور زرتشت نظریات عام ہو گئے، اہرام مصر، بابل، کابل، دیوار چین اسی زمانے میں تعمیر ہوئے، قابل اعتماد مؤرخ مسعودی نے مروج الذہب اور یاقوت حموی نے معجم البلدان میں بسط وتفصیل سے بیان کئے ہیں، اور دیگر مؤرخین (خاص کر امام طبریؒ) نے بھی قابل قدر تاریخی حالات، قوموں کی آبادی، عروج وزوال، جنگی معرکے اور فتوحات بیان کئے ہیں، میں نے اشارۃً ایک اجمالی خاکہ لکھ کر اسی پر بطور تمہید اکتفاء کیا، تاکہ بعد والے واقعات کو اسی پر تفریع کر سکوں۔

اس ترقی یافتہ دور سے جناب سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک رنگ برنگی مختلف مذاہب وادیان، عقائد واعمال دنیا میں ظاہر ہوئے، اگرچہ حضرت ذوالقرنین جیسے عظیم مؤمن ومصلح بادشاہ بھی آئے، مگر دارا، سکندر رومی جیسے مجوس ومشرکین کی بھی کمی نہیں رہی، اس سکندر مقدونی بانی اسکندریہ مصر نے پنجاب (پاکستان) تک مسلسل فتوحات کئے، وہ آگے بھی جانا چاہتا تھا، مگر اسے معلوم ہوا کہ آگے رہنے والے لوگوں نے ہاتھی پال رکھے ہیں اور وہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر لڑتے ہیں، وہ ہاتھیوں کے لشکر سے مرعوب ہو کر واپس آیا، اس نے اس سے پہلے دارا جیسے ایرانی بادشاہ کو شکست دے کر پورے خراسان کو فتح کیا، یہ بڑا بت پرست ظالم خونخوار سفاک بادشاہ تھا، ۳۶ سال کی عمر میں مر گیا، اگر یہ مزید زندہ رہتا تو پتہ نہیں کیا کرتا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ارشاد فرمایا کہ: "اُوتیت مفاتیح خزائن

الأرض "۔ [البخاري] اللہ ربّ العزت نے دنیا کے سارے خزانوں کی کنجیاں (چابیاں) مجھے عطا کی ہیں، جو کہ پہلے کسی پیغمبر کو یہ خزانے، اور اس کی چابیاں نہیں دی گئیں، اب میری امت جو کہ آخری امت اور خیر الامۃ ہے، اور گزشتہ تمام امتوں کی جانشین اور وارث ہے، اس لئے یہ گزشتہ لوگوں کی ترقیوں اور عروج کا وارث ہوگی، امت اجابت اور امت دعوت کی آپ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی، تو آپ کی امت کا زمانہ دنیا کے عروج وترقی کا زمانہ قرار پایا، اور دنیا کے ان حیران کن خزانوں کا، اور مخفی و پوشیدہ نعمتوں کا ظہور ہوا، اور مسلسل ہو رہا ہے، جسے چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اب انسانی مصنوعات وایجادات کا جو اکناف و اطراف عالم میں ایک دو نہیں، بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہر ملک وعلاقہ، ہر شہر وبستی، خشکی اور سمندر، آبادی اور صحراؤں میں ایک جال بچھا ہوا ہے، جن کا گزشتہ امتوں نے تصور تک نہیں کیا تھا، کسی وقت سادہ ہتھیار، تلوار، خنجر، چاقو، بندوق، زرہ بنانے کیلئے خام لوہا بھی دستیاب نہ تھا، ابھی موجودہ زمانے میں لوہے اور فولاد کی کثرت اور بہتات پہاڑوں سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ تیل، اور سینکڑوں قسم کے پٹرولیم مصنوعات، بجلی، گیس اور کوئلہ و دیگر قیمتی اشیاء، انہی قدرتی خزانوں کا حصہ ہیں، اور آئے دن یہ ترقی وعروج مسلسل بڑھ رہا ہے، اور اس کا سلسلہ پورے عالم میں ہمہ وقت جاری ہے۔ گزشتہ زمانوں میں بادشاہوں نے وہ چیزیں نہیں دیکھی تھیں جو آج عام غریبوں کے زیر استعمال ہیں، یہ کشادہ سڑکیں، ائیر پورٹ، یہ کروڑوں کی گاڑیاں، یہ دوربینیں، ہسپتالوں کے اندر بیش قیمت مشینریاں، یہ ریڈیو، ٹائپ، ٹیلیویژن، ٹیلیفون، موبائل فون، ہوائی جہاز، راکٹ، توپ، ٹینک، ریوالور، چینی، دال، چاول، گھی اور دیگر ہزاروں چیزوں کے کارخانے اور فیکٹریاں، بجلی گھر، بجلی اور اس کی مصنوعات، جنگی اسلحہ وہتھیار، ایٹم بم اور دیگر بے شمار ہتھیار وبارود، ایٹمی ساز وسامان، ریلوے کا نظام، بغیر پائلٹ کے جہاز، کلاشنکوف اور دیگر طرح طرح کی جنگی اور غیر جنگی لاکھوں کی تعداد میں ہر قسم کی مشینری، اور ہر قسم کے آلات ومصنوعات۔

امریکہ نے بے شمار بحری بیڑے بنائے ہیں، ایک تباہ کن بحری بیڑہ ایسا بنایا ہے کہ پورے عالم میں اس کی مثال نہیں، ایٹمی ایندھن سے چلتا ہے، جس کے عرشے (چھت) پر سات سو سے زائد بمبار جنگی جہاز موجود ہیں، یہ ایک جہاز نہیں پورا ایک شہر ہے، تمام جنگی ہتھیاروں سے ہر وقت لیس ہے، ہزاروں میلوں تک کام کرنے والے راڈاروں سے لیس ہے، اتنا مضبوط ومحفوظ ہے کہ اس پر دشمن کا کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا، اس کے علاوہ اور دنیوی مصنوعات وایجادات ہر قسم کی، جن کا پورے عالم میں جال بچھا ہوا ہے، اللہ ربّ العزت کی نیرنگیاں اور قدرتی، تخلیقی، تربیتی الہامی کمالات

کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ یہ ہوشیاری و دماغ سب اسی کی بخشش والہامات اور کرم وعنایت کے کرشمے ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پورے جہاں کی مخلوقات اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں نے نہ دیکھے، نہ سنے، اور نہ کبھی یہ فلسفہ ان کے وہم وگمان میں آیا۔ بد بخت فرعون نے تو بجلی بھی نہیں دیکھی، اور نہ کبھی ٹیلیویژن دیکھا، اور نہ کسی گاڑی یا جہاز یا موبائل فون سے استفادہ کیا، اور نہ موجودہ مصنوعات کا تصور کیا، یہ سب سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت ومعجزہ ہیں، جو فرمایا تھا: "أوتیت مفاتیح خزائن الأرض"۔ [الحدیث]

آگے آگے دیکھئے! ہوتا ہے کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر"۔ [الحدیث] انسان کیلئے ایک قید ضرور مقرر ہے، خواہ یہاں دنیا میں کاٹ لے یا آخرت میں، یہاں ایمان واعمال، اتباع شریعت اور بندگی کی قید و پابندی جو چندروزہ عارضی ہے، اور موت کے ساتھ اس عارضی قید سے رہائی ہوگی، اور عالم آخرت میں اچھا خاصا استقبال ہوگا، جس طرح حکومت کی قید سے رہائی پانے والوں کا اس کے عزیز و رشتہ دار جیل خانہ کے گیٹ پر استقبال کرتے ہیں، جبکہ آئندہ اور اگلے جہاں میں بے کسی و بے بسی اور جہنم کی قید ہے، وہ تباہ کن اور دائمی ہے، جس سے خلاصی اور رہائی ممکن ہی نہیں، خاص کر کفار کیلئے۔ رہا فاسق وفاجر مؤمن جس میں ایمان کی دولت اگر موجود ہو تو وہ کسی وقت رہائی پائے گا، مگر بہت دیر کے بعد۔ مؤمن کیلئے حدیث پاک نے دنیوی زندگی کو قید سے اور دنیا کو قید خانہ سے تعبیر فرمایا، جب وہ یہاں سے چھوٹے گا تو جنت کے طویل وعریض اور نہایت خوشگوار فضاؤں میں داخل ہوگا، اور دنیاوی زندگی کے تمام جان لیوا رنج و پریشانیوں کو وہاں کی لذتوں کو دیکھ کر بھول جائے گا، اس کے برعکس دنیوی زندگی کی راحتوں اور آزادیوں میں لت پت کافر جب اس کھلی و وسیع دنیا سے وہاں پہنچے گا تو ایک تنگ و تاریک فضاء میں وارد ہوگا، وہاں کی قید وعقوبت کے مشاہدے کے بعد وہ دنیوی عیش و راحتوں کو سراسر بھول جائے گا۔ [متفق علیه]

واضح ہو کہ مادر پدر آزاد زندگی جنگلی جانوروں کا حق ہے، اشرف المخلوقات انسان کی فطری زندگی ایک متمدن زندگی وحیات کا نام ہے، انسانی زندگی اور اس کی تخلیق کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ صحیح عقائد، شرعی اعمال اور دینی اقدار و تہذیب اخلاق کا پابند ہو، اسے اخلاق حسنہ اور شرعی پابندیوں سے لاتعلق رہنا زیب نہیں دیتا، اسلام دین الٰہی اور دین فطرت ہے، ربّ العزّت سبحانہ کی غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ اس کی مخلوق ہر قسم کی بے حیائی، آزادی، اور خود سری سے پاک ہو، اور اپنے خالق و مالک کے حکموں پر عمل پیرا ہو کر شریعت کی زنجیروں میں قید و پابند ہو، ان شرعی پابندیوں کی

بدولت وہ خود بھی قیمتی ہیرا بن جائے گا، اور اس کے اعمال صالحہ کے نتیجے میں معاشرہ ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہوکر جنت کا منظر پیش کرے گا، اور انسانی معاشرہ امن و سلامتی عدل و انصاف کا گہوارہ بن جائے گا، حقوق اللہ و حقوق العباد کی قدم قدم پر پاسداری اور حفاظت ہوجائے گی، جہالت و گمراہی کی تاریکیاں، ظلم و ستم اور ہر قسم کے جرائم پر قابو پالیا جائے گا، شرعی پابندیوں پر غیر شرعی ہزاروں آزادیاں قربان ہوجائیں گی، اسلام کا اولین دور اسی حکمت الٰہی اور شرعی پابندیوں کی بدولت نہایت عمدہ اور قابل تقلید زرین دور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جہاں انصاف کا دور دورہ رہا، اور تمام ظلم و زیادتیوں کا نام و نشان نہیں رہا، اس مبارک عرصہ میں مسلمان تو کیا غیر مسلم اور جرائم پیشہ لوگ بھی برملا متاثر ہوکر اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، اور اسلامی خیمے میں داخل ہوگئے، اس حدیث پاک نے دنیا کو سجن المؤمن سے تعبیر کرکے انہی شرعی پابندیوں کو سراہا، اور کفر و شرک کی غیر فطری آزادی کی مذمت فرمائی۔

جب امت مسلمہ ان شرعی پابندیوں پر شوق و رغبت سے عمل پیرا ہو تو حیوانیت اور غیر فطری آزادی سلب ہوکر پورا معاشرہ ایک جیل خانہ کی کیفیت پیش کرے گا، جہاں اپنی نفسانی خواہشات ساری دب جائیں گی، اور سارے احکام الٰہی پر عمل ہوتا رہے گا، جیسے کہ جیل میں بند قیدی کے اختیارات سلب ہوکر جیل کے حکام ہی کا حکم و قانون قیدیوں پر نافذ رہتا ہے، اس کے برعکس کا فرانہ زندگی حیوانات کی زندگی ہے، جس طرح کوئی جنگلی جانور کسی قانون وضابطہ کا پابند نہیں، بعینہٖ کا فرانہ زندگی اس کی نظیر و مانند ہے۔ جب کافر اپنے خالق و معبود حقیقی کا باغی ہوگا تو اس کی زندگی باغیانہ زندگی ہوگی، جس میں شرافت، عدل و انصاف، اخلاق حسنہ کا نام و نشان نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس حیوانیت، ظلم و بے رحمی، خونریزی، تباہی وغیرہ کا راج قائم ہوگا، وہ اپنے پالتو کتے کے عوض لاکھوں انسانوں کی خونریزی اور تباہی سے نہیں شرمائے گا، شرم و حیاء، ندامت، رحم دلی یہ ایمان باللہ کا خاصہ اور حصہ ہے، جہاں ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ روس و امریکہ اور مغربی بلاک (جو تہذیب کے مدعی ہیں) نے افغانستان و عراق، فلسطین اور دیگر بلاد اسلامیہ کے بے گناہ اور نہتے انسانوں کو خاک و خون میں تڑپایا، اور ان کے شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کیا، اس کے باوجود وہ خود کو برحق سمجھتے اور مدعی تہذیب و انصاف کہلاتے ہیں (لاحول ولاقوۃ إلاباللہ العلي العظیم) ان ظلم و زیادتیوں کے باوجود وہ پشیمان و تائب و نادم بھی نہیں ہوئے، اور ان سے باز پرس کرنے والا اور کوئی پوچھنے والا بھی نہیں، تو جنۃ الکافر کہہ کر حدیث پاک نے واضح فرمایا کہ جس طرح جنتی جنت میں خود مختار ہوگا، یہی حال دنیا میں کافروں کا ہوگا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی وہ آج ہماری نظروں کے سامنے ہے، اور موجودہ وقت اس پر شاہد عدل ہے کہ یہ دنیا کافروں کیلئے جنت ہی ہے، اور مسلمانوں کیلئے قید خانہ، جس طرح جنتی زندگی ایک شاہانہ زندگی ہوگی، جس میں اہل جنت پر نہ ملامت ہوگی، نہ روک ٹوک، وہ جو چاہیں گے وہ سب کچھ ہوجائے گا، اور جنتی زندگی میں اہل جنت کو کن فیکون والا منصب ورتبہ بھی حاصل ہوگا۔ آج کی ترقی اور تمام عالم میں حیران کن ایجادات، مصنوعات، حربی وجنگی اسلحہ، ایٹم بم، راڈار کا سسٹم، بغیر پائلٹ کے ہوائی بمبار جہازوں کی جھرمٹ، ہزاروں میلوں پر انسانی حرکتوں کی نگرانی، چاند وسورج پر کمند ڈالنا، بیس ہزار میل سے پورے عالم کے ذرہ ذرہ پر نگرانی کرنا، یہ ٹیلیویژن، یہ کمپیوٹرائز نظام، جس سے زمینی، سمندری، فضائی، کنٹرول اور نگرانی، بجلی کا نظام، تیل اور اس کی ہزاروں پیداوار، دس میل تک زیرزمین کھدائی کرنا، یہ موبائل، یہ کلاشنکوف، یہ راکٹ وغیرہ دیگر ہزاروں ایجادات ومصنوعات، جن کا سلسلہ ابھی جاری ہے، یہ سب جنۃ الکافر کا حصہ ہے، یہ سب کچھ بنانے والے اور ایجادات کرنے والے سارے غیر مسلم ہیں، اور ربّ العزّت سبحانہ کے الہام سے ان پر رحمتوں اور آسائشوں، سہولتوں کا دروازہ کھول دیا گیا، قال اللہ تعالیٰ سبحانہ: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ [بنی إسرائیل: ۲۰] (سب کو ہم دیتے ہیں، ان کو بھی اور ان کو بھی، تیرے ربّ کی بخشش سے، اور تیرے ربّ کی بخشش بند ہونے والی نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ یہ طالب دنیا (کافر) ہو یا طالب آخرت (مؤمن) دنیوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے، محض کفر وعصیان کی وجہ سے دنیوی بخشش کے دروازے بند نہیں کئے جاتے (کافروں پر بخشش کا دروازہ کھلا رہے گا) اب وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ زمین وآسمان، چاند وسورج، بادلوں، بارشوں، دریاؤں، تمام عالم کے رزق وروزی پر کس طرح کنٹرول حاصل کیا جائے؟ اور پورے نظام عالم کو اپنے ہاتھ میں لے کر سارے جہانوں کو اپنا دست نگر، تابع اور غلام بنایا جائے، خاص کر اسلام، قرآن، مساجد، مدارس، دینی اقدار واعمال پر کس طرح قابو پایا جائے؟ حتی یکونوا امثلنا کا خواب دیکھ رہے ہیں، اور مسلسل کوشش میں لگے ہوئے ہیں، مزید جنۃ الکافر کا دائرہ وسیع کرکے، العیاذ باللہ، خدائی منصب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بحث ہفتم:

ربّ العٰلمین سبحانہ وتعالیٰ کی تربیت وپرورش تمام مخلوقات کیلئے ایک جیسی نہیں ہے، ہر نوع مخلوقات کی تربیت اسی

نوع اور افرادِ نوعی کے مطابق ہے، تو ظاہر ہے کہ اونٹ اور ہاتھی کی تربیت مچھر و مکھی کی تربیت سے مختلف ہے، ہر ایک کی تربیت اسی کے مطابق ہے، اعلیٰ کی تربیت اعلیٰ، اور ادنیٰ کی ادنیٰ ہوتی ہے، جب انسان اشرف المخلوقات اور خلاصۂ کائنات ہے، تو اس کی تربیت سب سے اعلیٰ اور مقدم ہے، چونکہ کائنات صرف انسان کیلئے ہے، اور باقی مخلوقات بھی انسان کیلئے ہیں، تو وہ سب کا سردار ہے، انسان کو کسی مخصوص کارنامہ انجام دینے کی بنیاد پر یہ سرداری نہیں ملی ہے، بلکہ ابتداء و بالذات اس کی تخلیق اسی مقصد کیلئے ہوئی ہے۔

اور اس کے سر پر خلافت کا تاج اسی خاطر ہے کہ وہ احکام الٰہی کی پاسداری کرے گا، اور ربّ العزّت کی ذات وصفات کو دنیا میں متعارف کرائے گا، اور بحیثیت خلیفہ و نمائندہ اس کے قوانین وضوابط کا جہاں میں نفاذ کرے گا، اس کے فرامین پر عمل پیرا ہو کر دوسری مخلوقات کا تحفظ اور نگہداشت کا فریضہ بجالائے گا، اسی مقصد کی بنیاد پر اسے تعظیم وتکریم کی خلعت سے نوازا گیا، اور اس پر ہر قسم کی ظاہری و باطنی نعمتوں کا دروازہ کھولا گیا۔ قرآن حکیم نے یوں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات:۵۶] (اور میں نے جنات اور انسان کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں)۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ [الإسراء:۷۰] (اور بیشک ہم نے آدم کی اولاد کو عزّت بخشی ہے، اور انہیں خشکی اور سمندر دونوں میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے، اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے)۔ ﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ [لقمان:۲۰] (اور مکمل کر دیا ہے تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں)۔ خشکی و سمندری، اور تمام مخلوقات پر انسان کی برتری ثابت ہوگئی، اور تقریباً پورے عالم کو اس کی تسخیر میں دیدیا گیا، اور بیشتر مخلوقات کو اس کا تابع بنایا گیا، "إن الدنيا خلقت لكم وأنتم خلقتم للآخرة"۔ [الحدیث]

دراصل تینوں جہاں، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت صرف انسانوں کیلئے ہیں، اور انسان ہی کو مکلف بنایا گیا ہے کہ تینوں جہانوں کو کامیابی کے ساتھ عبادت وتقویٰ اور احکام الٰہی کی پیروی کے ساتھ آباد رکھے، ان میں پہلا جہاں صرف اعمال حسنہ واتباع شریعت واقتداء باعمال انبیاء کے ساتھ، اور باقی دونوں جہاں صرف نتائج اعمال کے ساتھ مخصوص ہوئے، انبیاء ورُسل اور کتب منزلہ اسی مقصد کیلئے ہیں کہ مکلف انسان کیلئے دین الٰہی کی طرف رہنمائی ہو، فرشتے

جو نظام عالم اور خدمت خلق پر مامور ہیں، وہ بھی انسانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر، حفاظت، کراماً کاتبین، بارشوں، بادلوں، ہواؤں، ارزاق روزی، روشنی، موسموں کی تبدیلی وغیرہ پر مامور ہیں، یہ ایک منظم و مربوط نظام ہے، جس کو ہم آسمانی حکومت اور تکوینی نظام سے تعبیر کرتے ہیں، یہ ساری فطری حکومت انسان ہی کیلئے قائم ہے۔

دراصل یہ مکلف انسان خلیفۃ اللہ علی الارض، مبدأ کائنات وسبب تخلیق عالم ہے، اور وہی جہاں میں حکمرانی و سرپرستی کا محور ہے، وہ اپنی پیدائش، شکل وصورت، قیام اور اکل طیبات، ماکولات ومشروبات ودیگر امور میں تمام مخلوقات سے ممتاز ونرالا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے تمام جہاں کا نظام اسی کو سونپا ہے، اور اسی نے اللہ ربّ العزّت کے حضور جواب دینا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام صدیقیت پر فائز تھے، جنت کی خوشخبری حاصل کئے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے انہیں جنتوں کے کسی بھی دروازے سے داخل ہونے کی بشارت بھی سنائی تھی، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ میری زندگی کے تمام اعمال لے کر صرف غار ثور والے عمل کے ساتھ سودا کریں، لیکن یہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے جو رو رو کر کہتے تھے کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، یا صغرسنی میں مرجاتا، یا کوئی گھاس ہوتا، جسے جانور کھا کر ختم کر دیتے، تو اپنے ربّ کے سامنے پیش ہونے سے بچ جاتا، اور نجات پالیتا۔ خلاصۃ الکلام انسان اشرف المخلوقات کی تربیت بہ نسبت دوسری مخلوقات کے اعلیٰ واشرف اور ممتاز ہے، انسانی تربیت کے اصول ومبادی تقریباً بیس چیزوں کے ساتھ منسلک وابستہ ہیں، جن کو دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اول ''قویٰ ظاہری'' یہ پانچ ہیں، جن کو حواس ظاہرہ بھی کہتے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

① قوت باصرہ، دیکھنے کی طاقت۔ ② قوت سامعہ، سننے کی طاقت۔ ③ قوت ذائقہ، چکھنے کی طاقت۔ ④ قوت لامسہ، محسوس کرنے کی طاقت۔ ⑤ قوت شامہ، سونگھنے کی طاقت۔

قسم دوم ''حواس باطنہ'' جو کہ پندرہ ہیں:

① وہم ② خیال ③ حس مشترک ④ قوت متفکرہ ⑤ ذہانت وقوت عاقلہ ⑥ قوت ناطقہ ⑦ قوت شہویہ، ⑧ قوت غضبیہ ⑨ قوت جاذبہ، غذا کیلئے ⑩ قوت ہاضمہ، طعام کیلئے ⑪ قوت غاذیہ، طعام ودواء وغیرہ کو اپنے ٹھکانے پر پہنچانے کیلئے ⑫ قوت دافعہ، فضلات کو جسم سے اخراج کے لئے ⑬ قوت نامیہ، جسم کی نشوونما کیلئے ⑭ قوت مولدہ،

تولید ونسل کیلئے ⑮ قوت حافظہ، ہر چیز کی نگہداشت کیلئے۔

ان تمام حواس وقویٰ میں انسان ودیگر حیوانات معمولی فرق کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، سوائے قوت ناطقہ اور عاقلہ کے، کہ یہ دونوں انسان کے ساتھ مخصوص ہیں، اور انہی دونوں قویٰ کی بدولت انسان کو تمام حیوانات پر برتری حاصل ہے، اور اس کی عظمت وشرف اور سید المخلوقات ہونے کی دلیل ہیں۔ انسان میں ربّ العزّت نے جو قوت عاقلہ رکھی ہے وہ اتنی اہم واعلیٰ ہے کہ اس پر تمام کائنات کی تسخیر منحصر ہے، مگر ناشکر انسان نے اس نورانی عقل کا حق ضائع کیا، اور ربّ العزّت سبحانہ کی اس عظیم نعمت کی بے قدری کی، وہ اس طرح کہ عقل سے کائنات کی تسخیر کا کام روز اول سے لیتا رہا ہے، اور اب تو عجائبات وبے مثال کارناموں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا ہے، مگر یہ سارے وہ عقول فاسدہ والے کارنامے ہیں جن کو وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل نہیں ہے۔ عقل ایک عمدہ صفت ہے، مگر وہ وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر سعادت وشقاوت کا راستہ معلوم کرنے سے عاجز ہے۔

فارس وروم، یمن، عرب، مصر وافریقہ، ہندوسندھ، چین وجاپان، اسلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اسلام تک کا عرصہ جو ہزاروں سالوں پر مشتمل ہے، ان علاقوں اور ملکوں میں سینکڑوں بادشاہ گزرے ہیں، اور اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے ہیں، قرآن کہتا ہے: ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [یٰس: ۳۰] (افسوس ہے ایسے بندوں کے حال پر ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے ہوں)۔ یہ مذکورۃ الصدر ممالک آباد اور متمدن رہے ہیں، مگر عقل کے اندھوں نے نہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی بات مانی، اور نہ آسمانی کتابوں کو تسلیم کیا، اور نہ ہی ربّ العزّت سبحانہ کی خالقیت ومالکیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام تک تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ ہے، اس مختصر عرصہ میں توحید وایمان اور وحی الٰہی کا زمانہ رہا، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ [البقرۃ: ۲۱۳] (سارے انسان ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نبی بھیجے، جو خوشخبری سناتے، اور ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں ان کا اختلاف تھا)۔

انبیاء کرام علیہم السلام ہر زمانے میں آتے رہے، کوئی زمانہ وحی الٰہی کے انوار و فیوض سے خالی نہیں رہا، اور وحی و نبوت میں کوئی انقطاع نہیں ہوا، مگر اہل دنیا کے ذوی العقول طبقہ میں اس کی پذیرائی نہیں ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک کا عرصہ ۱۲۵۶ سال کا ہے، طوفان نوح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا عرصہ ۱۰۲۰ سال کا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام تک کا عرصہ ۵۳۰ سال کا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا عرصہ ۵۵۰ سال کا عرصہ ہے، سلیمان علیہ السلام سے بخت نصر تک کا زمانہ ۴۴۶ سال کا عرصہ ہے، بخت نصر سے اسکندر رومی تک کا عرصہ ۴۳۶ سال کا عرصہ ہے، یہ سارا دور جو کہ ہزاروں سالوں پر مشتمل ہے، ترقی یافتہ اور متمدن زمانہ گزرا ہے، مگر توحید و رسالت اور وحی الٰہی پر کہیں بھی عمل نہیں ہوا، نمونہ کے طور پر آپ صرف چند مثالیں گوش گزار فرمائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت عراق بابل کا حکمران نمرود بن کنعان تھا، جس نے ایک اعلیٰ شاندار محل تعمیر کیا تھا، جس کی اونچائی پانچ ہزار ذراع اور عرض تین ہزار ذراع تھا۔ [قرطبي] بقول بعض مؤرخین اس کی بلندی اونچائی دو فرسخ تھی (قرطبی سورۃ نحل اور سورۃ ابراھیم)۔ اسی طرح فراعنہ مصر نے جو تین اہرام بنائے ہیں، یہ آج بھی موجود ہیں، آج بھی امریکہ بہادر اس کے کھوج لگانے سے قاصر نظر آتا ہے کہ یہ کیا معمہ نما تعمیر ہے، تیسرے نمبر پر سد مآرب، جسے ملوک یمن و تبابعہ اور حمیر قوم نے تعمیر کیا تھا، جس کا ذکر اور تباہی کا بیان قرآن حکیم کی سورۃ سبا میں ہے، چوتھے نمبر پر شداد بادشاہ کی جنت جو کہ صنعاء یمن بندرگاہ عدن کے قرب و جوار میں بنائی گئی تھی، اس کی روئیداد اور پوری تفصیل تفسیر عزیزی سورۃ الفجر کے تحت مذکور ہے، اور پانچویں نمبر پر دیوار چین ہے، جس کا شمار دنیا کے عجوبات میں سے ہے۔

مختصراً یہ حال ہے عجائبات زمانہ کا، جو کہ اس وقت کے سلاطین و بادشاہان عالم کا بیان ہوا، یہ سارے وہ لوگ ہیں جن کا دامن توحید الٰہی اور اعمال صالحہ سے خالی ہے۔ یہ سب کے سب صابئیت اور بدھ مت مذہب کے رکھوالے تھے، اور اسی کے پیروکار تھے، صرف ایک سدّ ایسا ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے کیا جو کہ آنکھوں سے غائب ہے، اور پائیدار بھی ہے، جس کا بانی یا پیغمبر ہے، یا ملک صالح علیٰ الاختلاف، اور وہ ہے سدّ ذوالقرنین علیہ السلام۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس عرصہ میں ملوک فارس جو گزرے ہیں، مؤرخ ابن جریر طبریؒ اور مسعودیؒ نے مروج الذہب میں، نیز دوسروں نے بھی بیان کیا ہے، وہ یہ کہ فارس کا پہلا بادشاہ کیومرث اور آخری بادشاہ یزدجرد، جسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تباہ کیا۔ کیومرث سے لے کر یزدجرد تک ایرانی بادشاہ تقریباً ۵۵ بتائے گئے

ہیں، ان کی حکمرانی کی مدت (۴۲۸۱) سال ہے، یہ سب زرتشت اور مجوسی المذہب گزرے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی دین الٰہی پر نہیں تھا، یہ سارے ساسانی ملوک کہلاتے ہیں، اسی طرح یمن وافریقہ اور موجودہ سعودی عرب، شام، یمن، میں عرب بادشاہوں کی حکمرانی تھی، جن کا پہلا بادشاہ سباء بن یشجب بن یعرب بن قحطان، اور آخری بادشاہ سیف ذی یزن تھا۔ بقول بعض مؤرخین اس نے اسلام قبول کیا تھا، واللہ اعلم۔

یمن کے آخری چند ایک بادشاہ عیسائی مذہب کے تھے، وہ بھی برائے نام، انہی میں سے ایک ابرہہ اشرم بھی ہے، جس کی تباہی کا ذکر قرآن حکیم سورۃ الفیل میں ہے، اور اسی کے پیشرو بادشاہوں میں وہ ظالم بادشاہ یوسف ذونواس بھی گزرا ہے، جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ البروج میں بنام ''اُصحاب الاخدود'' مذکور ہے۔ یہ واقعہ نجران شہر کا ہے، جو کہ اب سعودیہ میں ہے، پہلے یمن کا حصہ تھا، ان سارے بادشاہان یمن میں صرف ایک شخص جسے تبع اکبر کہتے ہیں، یہ موحد تھا، اور کتب تاریخ میں اس کے کچھ اشعار اور ایمانیات بھی مذکور ہیں، جو کہ اکثر کتب سیرت نے بیان کئے ہیں۔

باقی ملکہ سبا بلقیس کے ایمان کا تذکرہ قرآن حکیم سورۃ النمل میں تفصیلاً مذکور ہے، رہا مغرب و یونان وہاں کا حال تاریخی نوادرات اور کتب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو و دیگر حکماء یونان عقلمند، فلسفی، منطقی، ریاضی دان، طبیب و حکیم ضرور تھے، جس سے کوئی عقلمند منکر نہیں، مگر ان پر بھی صابئیت وستارہ پرستی، ملائکہ پرستی کا غلبہ رہا۔ رہا ہندوستان، جاپان وچین وہ اب بھی بدھ مت مذہب کے پیروکار ہیں۔ ہزاروں سال پہلے بھی ان کا یہی مذہب رہا ہے، کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے، اب بھی جاپان میں ایک ایسا فرقہ موجود ہے، جو گدھے کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل اِن شاء اللہ آنے والی ہے۔

بحث ہشتم:

ربّ العٰلمین تربیت و پرورش بذریعۂ عقل۔ یہ بحث ہفتم کا تتمہ ہے۔ انسان قوت عاقلہ کی بدولت حیوانات و دیگر مخلوقات سے ممتاز ہے، اور یہی اس کی عظمت وبرتری کا اصلی سبب ہے۔ انسان میں ربّ العزّت سبحانہ نے قوت عاقلہ جو رکھی ہے، اس بارے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہ عقل کا محل دماغ ہے، اگرچہ اس کا گہرا تعلق قلب کے ساتھ بھی ہے''۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر حضرات کے نزدیک عقل کا محل قلب ہے، اگرچہ اس کا تعلق دماغ کے ساتھ بھی ہے۔ قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سائنس اور اسلام میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور دل کو اصل

قرار دے کر دماغ کو اس کا تابع قرار دیا ہے۔حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ’’کہ محمل دونوں قولوں کا ایک ہی ہے، کیونکہ قلب ودماغ کا آپس میں تعلق ایسا ہے جیسا کہ بلب وبٹن کا تعلق ہو،ہاں! یہ بات قابل ذکر ہے کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ دماغ میں فتور پیدا ہونے سے عقل جاتی رہتی ہے،تومحل دماغ ہی ہوگا،اور قلب اس کا معاون ہے۔ حیوانات کی کھوپڑی اور سروں میں دماغ موجود ہے،مگران میں عقل کی روشنی نہیں ہوتی۔حیوانات کا دماغ صرف بدنی ڈھانچہ اعصاب وحواس ساخت بدن کی نگرانی اور تحفظ تک محدود ہے،اس میں قوت عاقلہ کا فقدان ہے۔عقل ایک غیر مرئی نورانی قوت وکیفیت کا نام ہے، جسے خلاق جہان سبحانہ نے صرف انسان کے دماغ میں ودیعت فرمائی ہے۔اس کی مختصر تشریح اطباء نے یوں بیان کی ہے:

دماغ ایک عضورئیس ہے،جس کے ساتھ روح انسانی کا تعلق ہے،یا یہ کہ جس کے ساتھ روح نفسانی منسلک ہے ،دماغ ہی دیکھنے، سننے،سونگھنے،چکھنے،چھونے کی ظاہری قوتوں اور سمجھنے اور خیال میں لانے،سوچنے،فرض کر لینے اور یاد رکھنے کی باطنی قوتوں اور طاقتوں کا منبع ہے،اسی میں عقل کا خزانہ ہے،جوانسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے،جب تک انسان کا دماغ صحیح وسالم ہے،اس کی عقل وتمیز اور ہوش وحواس بھی قائم رہتے ہیں،جب ذرا دماغ میں خلل واقع ہوتو اس کی عقل میں فتور آجاتا ہے،پھراس کی حرکتیں بے محل اور اس کی باتیں بے معنی ہوجاتی ہیں،اور وہ دیوانہ ومجنون ہوکر وحشی جانوروں سے مشابہ ہوجاتا ہے۔انسان کا دماغ اپنے تمام ہموزن وہم قد حیوانات سے بڑا ہے،اس لئے عقل میں وہ سب پر فائق وغالب ہے۔مردوں کے دماغ کا اوسط وزن ایک سو چوبیس تولہ،اور عورتوں کا ایک سو دس تولہ ہوتا ہے۔چالیس برس کی عمر تک دماغ تکمیل کو پہنچتا ہے،پھر ہر دس سال میں تقریباً نصف چھٹانک اس کا وزن کم ہونے لگتا ہے۔بڑے سر اور وزنی دماغ والے اشخاص زیادہ عقیل وفہیم ہوتے ہیں،اور چھوٹے سر اور ہلکے دماغ والے لوگ کم عقل ہوتے ہیں۔[کلید مطب]

اللہ ربّ العزت سبحانہ کی تربیت تکوینی بھی ہوتی ہے،اور تشریعی بھی۔تکوینی کا تعلق تمام مخلوقات کے ساتھ ہے بشمول انس وجن،تقریباً تکوینی تعلق وتربیت میں اگرچہ موجودات ومخلوقات میں فرق واختلاف کی وجہ سے ہر قسم کا اختلاف فی التربیت ہوگا،مگر کوئی مخلوق تکوینی تربیت سے خالی نہیں۔تکوینی تربیت جمادات،نباتات،حیوانات،جواہر واعراض سب پر محیط ہے۔

تشریعی تربیت انسان و جنات کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ یہی دونوں مکلف ہیں، باقی سب غیر مکلف۔ شرعی تکلیف کا مدار عقل وقوت عاقلہ ہے، مگر یاد رہے کہ شرعی تربیت اور تکلیف دونوں برگزیدہ اور عمدہ ہیں، البتہ جہاں فائدہ اجر وثواب کا وعدہ ہے وہاں نقصان اور عقاب وعذاب کی وعید بھی ہے۔ دراصل تخلیق کائنات کا اصل سبب و بنیاد بھی یہی ہے، کیونکہ انسان کی تخلیق برائے خلافت ایزدی ہے، نہ اور کچھ، خلافت ایک بہت بڑا منصب شرعی اور اعلیٰ مرتبہ ودرجہ تخلیقی پر مرتب ہے۔

من نکردم خلق تا سودے کنم ☆ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

ربّ العزّت سبحانہ کا لطف وکرم اپنے بندوں پر اتنا زیادہ اور عام ہے، جس کا حد و اندازہ نہیں ہے، بے جان اور ناکارہ مٹی سے وجود وحیات، زندگی پیدا فرمانا کرم نہیں تو اور کیا ہے؟ ربّ العزّت سبحانہ نے محض وجود نہیں بخشا، بلکہ ایسا خوبصورت ڈھانچہ عطا فرمایا جو کہ ساری مخلوقات سے اعلیٰ وافضل ہے، ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ [التین:۴] (ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے)۔ پھر اس جسم انسانی میں وہ خوبصورت و پائیدار مختلف قیمتی اور کارآمد اعضاء ومفاصل جوڑ پیدا کئے کہ جن میں سے ہر ایک کی قیمت لاکھوں کروڑوں میں ہے۔ قلب ودماغ، قوت ناطقہ وقوت عاقلہ وہ بے مثال نعمتیں ہیں جن کی دنیا میں کوئی بشر قیمت ادا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ جب ان بے شمار نعمتوں سے نوازا تو ان فانی چند روزہ نعمتوں کو ایک ابدی اور دائمی نعمت کا ذریعۂ حصول بنا کر انسان کو مکلف بنایا، تاکہ ان نعمتوں کو رأس المال قرار دے کر اس کی تجارت نفع بخش فائدہ مند ہو، جس کے استعمال شرعی سے اسے جنت اور رضائے الٰہی حاصل ہو۔ قیامت کے روز اس کی تجارت کا نفع بے شمار راحتوں اور خوشحالیوں کا سبب بن کر ایک بادشاہ جہاں سے بھی زائد آسائشوں کو حاصل کرے گا۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [الصف:۱۰] (اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟)۔ غریب انسان دنیا کی تجارت اور فوائد سے اس لئے محروم رہتا ہے کہ اس کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا، اور ربّ العزّت سبحانہ نے آخرت کی تجارت ومنافع کمانے کیلئے اپنے فضل وکرم سے ہر بندہ کو مفت بلا قیمت سرمایہ مہیا فرمایا، جو کہ بدن اور اعضاء بدن ہیں، اور یہ اخروی تجارت ہر قسم کے نقصانات سے پاک ہے۔ دنیوی تجارت کا فائدہ مشکوک ہے، جبکہ اخروی تجارت کا نفع یقینی ہے، اور وہ ہر قسم کے خسارہ وتباہی اور نقصانات سے پاک ہے۔ سید

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ کوئی شخص صدق دل سے کھجور کا ایک دانہ صدقہ کرے تو رحمن عزّ شانہ اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی پرورش فرمائے گا، جیسے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے، قیامت کے دن اسی ایک کھجور کا نفع مند ثواب پہاڑوں کے برابر اس کو دے دیا جائے گا۔ یہ ہے ربّ العٰلمین کی ربوبیت و پرورش، کہاں ایک خرما کہاں پہاڑوں کے برابر ثواب؟ [رواه البخاري ومسلم] یہ ایک مشت نمونہ خروار کی مثال ہے، مزید اس پر قیاس فرمائیں۔

اس کے ساتھ آپ یہ اندازہ بھی لگالیجئے کہ سہولتوں اور کرم نوازیوں کا ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر آپ کے پاس ہے۔ پیدائش سے لے کر بلوغ تک سارے احکام کی پابندی معاف ہوئی، ایک آزادی کی زندگی عطا ہوئی، اس عرصہ میں بچے یہ نہیں کہ نِکمّا ناکارہ ہوتے ہیں، بلکہ شعوری طور پر کماتے اور کاروبار بھی کرتے ہیں، بڑے لائق اور سنجیدہ ہوتے ہیں ،مگر کرم نوازی دیکھیے! اس کی طرف سے کوئی شرعی پابندی نہیں، ہاں! اتنا ضرور فرمایا کہ سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز کا امر کرو، اور دس سال کی عمر میں بطور تنبیہ معمولی مارا کرو، یہ اس لئے کہ ابھی سے دین سیکھ جائیں، مگر ان پر احکام شریعت کی پابندی فرض نہیں فرمایا۔ دیکھیں! اگر یہ بچے اسی عمر میں مرجائیں گے تو میں اپنے کرم سے انہیں مفت بلاعمل جنت عطا کروں گا، پھر اس پر بھی بس نہیں، ان کے صبر کنندہ والدین کو جنت بخش دوں گا، اور یہ بچے اپنے والدین کا اکرام کریں گے، انہیں دوزخ میں جانے سے روک دیں گے۔ [الحديث متفق عليه] ان بچوں کو اس اعزاز کے ساتھ میں نے اس لئے نوازا ہے کہ ان کے والدین مسلمان اور میرے فرمان بردار رہے ہیں، اور بچوں کو یہ اعزاز میں نے اس لئے عطا فرمایا کہ انہوں نے میرے احکام کی بے احترامی نہیں کی، اور مکلف ہونے کا زمانہ نہیں پایا۔ ہاں! ان کے پاس کوئی نیکیوں کا انبار اگر نہیں تو نہ سہی، میری جنت کی قیمت اور بدلہ عمل نہیں، بلکہ میرا فضل اور کرم ہے، جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے: "لن یدخل الجنة أحدکم بعمله"۔ [متفق عليه]

یہ ہے سلسلۂ ربوبیت کے رحم وکرم کا، اور یہ نہیں کہ صرف بچوں کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ ذی شعور صاحب عقل ،بالغ لوگوں تک کے لئے بھی یہ فیض عام ہے کہ ربّ العزت سبحانہ نے محض عقل پر انسان کو مکلف نہیں بنایا، بلکہ اس کے ارادہ اور قدرت واختیار کا بھی جوڑ لگادیا، جہاں قدرت واختیار نہ ہو وہاں بہت سے احکام شرعیہ میں سہولتیں ہوں گی۔ نابینا انسانوں پر حج وجہاد معاف، فقراء پر حج وزکوۃ، صدقۃ الفطر، قربانی معاف، معذوروں پر بہت سارے احکام معاف ۔لطف یہ ہے کہ بندہ اپنے مفاد کی خاطر سفر کررہا ہے، مگر معافی اس کو حاصل ہے کہ نصف نماز معاف، سفر اپنا اور معافی ربّ

العزّت سبحانہ کی۔ یہ مسائل تفصیلاً کتب فقہ میں موجود ہیں، فلیراجع۔

عقل ایک روحانی نور ہے، جس کی بدولت نفس علوم ضروریہ ونظریہ کا ادراک کیا کرتا ہے، اور اس کے وجود کی ابتداء اسی وقت سے شروع ہونے لگ جاتی ہے جب سے بچہ ماں کے پیٹ میں جنم لیتا ہے، اور پھر وہ برابر بڑھتا رہتا ہے، تا آنکہ سن بلوغ میں جا کر تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے اس کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں، سب کا مآل یہی ہے۔

انسان کی سعادت وشقاوت (خیر وشر، ابدی کامیابی وناکامی) کے اصول بتلانے اور متعین کرنے کے لئے عقل انسانی کافی نہیں ہے، وگرنہ ارسطو اور دوسرے یونانی حکماء اپنی عقول وسوچ کی بدولت تمام دنیا کے عقلمندوں میں شمار ہوتے، اور ربّ العزّت سبحانہ کی ذات وصفات کی معرفت میں گمراہ وگم نہ ہوتے، ان دونوں چیزوں کی شناخت وحقیقت میں تمام یونانی حکماء پاگلوں اور بچوں سے بدتر زیادہ غیر سنجیدہ اور بے وقوف مانے گئے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے **تہافۃ الفلاسفۃ** رسالہ میں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے **مجموعۃ الفتاوی** اور **نقض المنطق** نامی رسائل میں یونانی حکماء کی غیر حکیمانہ قواعد وآراء کی قلعی کھول دی ہے، جو قابل مطالعہ ہیں۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان وہم ☆ واز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندیم (سعدی)

اگر عقل انسانی حقائق وخواص مخلوقات کی معرفت وشناخت کیلئے کافی ہوتی تو ربّ العزّت سبحانہ خالق کائنات اس کی پیشوائی اور رہنمائی کیلئے انبیاء ورسل علیہم السلام اور آسمانی وحی کا کیونکر انتظام فرماتے؟ اللہ ربّ العزّت سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی ہدایت اور صراط مستقیم پر انہیں چلانے کی خاطر ہی تو وحی آسمانی کا انتظام وتربیت مہیا فرمایا، اور عقل انسانی کی باگ ڈور وحی آسمانی کے ہاتھ میں دے کر عقل کو وحی کا تابع فرمایا۔ اگر عقل کا صحیح استعمال وحی کی روشنی میں ہوگا تو بہتر نتائج اور فائدہ مند ادراکات کا ظہور ہوگا، لیکن عقلِ محض کو اگر وحی الٰہی کی رہنمائی ورہبری حاصل نہ ہو تو وہ عقل محض کیا کچھ کرسکتی ہے، وہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت وتعین میں وہ وہ ٹھوکریں کھائے کہ جس پر کتے اور گدھوں کو بھی ہنسی آئے۔

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی ☆ اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل ☆ عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ☆ عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی
عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل ☆ عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی ☆ تو ہے زناریٔ بت خانہ ایام ابھی
عذر پرہیز پہ کہتا ہے بگڑ کر ساقی ☆ ہے ترے دل میں وہی کاوش انجام ابھی
سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات ☆ تیری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی
ابر نیسان یہ تنک بخشیٔ شبنم کب تک؟ ☆ مرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی
بادہ گردان عجم وہ عربی میری شراب ☆ مرے ساغر سے جھجکتے ہیں مے آشام ابھی
خبر اقبال کی لائی ہے چمنستان سے نسیم ☆ نو گرفتار پھڑکتا ہے تہ دام ابھی

پس اسی مریض و آفت زدہ عقل کی رہنمائی، اور اسے راہ راست پر ڈالنے کی خاطر حضرت حق لطیف و خبیر نے برگزیدہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی مقدس جماعت کا انتخاب فرمایا، اور اس بیمار عقل کے علاج کی خاطر ان پر وحی نازل فرمائی۔ آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ دنیا کے جس معاشرہ میں بھی وحی پہنچی ہے وہاں روشنائی اور شرافت کا دھوم دھام ہے، جہاں وحی پہنچی نہیں، یا اس کی پذیرائی نہیں ہوئی، وہاں برابر تاریکی ہے، اور انسانیت و شرافت کا نام و نشان تک نہیں۔ بچے مسلسل پیدا ہو رہے ہیں، مگر شفقت پدری سے محروم ہیں، شناختی کارڈ ماں کے نام پر بنتا ہے، باپ کا خدا حافظ۔

قدم قدم پہ برکتیں، نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں گزہوا وہاں وہاں سحر ہوئی
جہاں نہیں ہوا گزر وہاں ہے رات آج تک

یہ وحی کی برکت و فیض ہے کہ جس نے انسانیت و شرافت کا بول بالا کیا ہوا ہے، اور انسانی تہذیب و شرافت کو غرق ہونے سے تحفظ دیا ہوا ہے، عقل ایک ترازو کی طرح ہے، اس کے اکثر احکام پسندیدہ ہیں، لیکن کسی کو یہ امید نہیں کرنی چاہئے کہ اسی ترازو سے توحید و رسالت اور امور آخرت اور انسانی سعادت و شقاوت بھی تول سکتا ہے، کیونکہ یہ محال ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص سونا تولنے والا کانٹا دیکھے، اور یہ امید وابستہ کرے کہ اسی سے پہاڑ یا بھرے

ہوئے مال سے ٹرک تول سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے، کانٹا صحیح ہے، خراب نہیں ہے، مگر اس میں بڑی چیزوں کا تولنا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح امور آخرت واحکام شریعت کو انسانی عقل کے ترازو میں نہیں تولا جاسکتا، رہا یہ کہ اس میں ذات باری تعالیٰ اور صفات کا تولنا وادراک کرنا یہ عقل کیلئے محال ہے، اور یہ صرف وحی الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے، پس اگر وحی عقل کی معاون ہو تو پھر ایسا کرنا ممکن ہے، ورنہ نہیں۔ اور پھر یہ بات قابل غور ہے کہ جتنے عقلاء اور دانشور انسان ہیں ان کی عقول میں بھی اتنی تفاوت ہوگی، اور جب عقول مختلف ہیں تو راستے بھی مختلف ہوں گے، ہر عاقل کی عقل دوسرے کی نفی کرتی ہے، لیکن وحی الٰہی میں کوئی اختلاف نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی شرائع اگرچہ مختلف ہیں، مگر اصول سب کے برابر اور ایک جیسے ہیں۔ یہی حال آسمانی کتابوں کا ہے، کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، اور اہل اسلام کا طرہ امتیاز بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان سارے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتا، اور انہیں برگزیدہ وبرحق سمجھتا، اور ان پر ایمان لاتا ہے، ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ [البقرۃ: ۲۸۵] (ہم رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے)۔

لاکھوں مسلمانوں کے بچوں کا نام ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب، ہارون، موسیٰ عیسیٰ پیغمبروں کے نام پر رکھے ہوئے ہیں، کیا آپ ثابت کرسکتے ہیں کہ کسی یہودی یا عیسائی بچے کا نام محمد ہو یا کسی رافضی بچے کا نام عمر یا ابوبکر ہو؟ ہرگز نہیں، یہ رواداری بھی ہمیں وحی الٰہی نے سکھائی ہے، اور ان بدبختوں نے وحی اور اس کی تعلیمات پر پانی پھیر دیا، اور تحریف کرکے ضائع کردیا، نام ونشان مٹا دیا۔ ہندو، بدھ، صابی، سکھ یہ لوگ اہل کتاب نہیں تو ان سے گلہ کس چیز کا؟ گلہ نام نہاد اہل کتاب سے ہے، نبی ورسول علیہم السلام ان معصوم پاکیزہ برگزیدہ ہستیوں کو کہتے ہیں جو رب العزت سبحانہ کے نمائندے ہوتے ہیں، جو کچھ اوپر سے حاصل کرتے ہیں، ذوی العقول انسانوں کی اس سے اصلاح وتربیت فرماتے ہیں۔ ان کی اپنی تربیت براہ راست ربّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے، سارے جہاں سے نسباً، حسباً، خَلقاً، خُلقاً، علماً، عملاً، عقلاً، اکمل واشرف اور افضل ہوتے ہیں، نیز گفتار، سیرت وصورت کے لحاظ سے معیاری اور ساری خلقت کیلئے نمونہ ہوتے ہیں، جہاں خلقت کی عقول وعلوم کی انتہاء ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہوتی ہے، ان کے علوم ومعارف کا سرچشمہ ومنبع وحی الٰہی ہے، جس کا مرکز عرش الٰہی عزّ شانہ ومجدہ ہوتا ہے۔

خصوصیات نبوت:

اول: انتخاب الٰہی، یعنی عہدہ نبوت کسبی نہیں وہبی ہے، اس کا انتخاب ربّ العزّت خود فرماتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ

اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾[الأنعام: ۱۲۴] (اللہ پاک خود جانتا ہے کہ عہدۂ رسالت کس کو دینا ہے) ربّ العزّت اپنے علم محیط کے ساتھ یہ عالی مرتبہ اور منصب جس کو عطا فرماتا ہے وہ نبی اور رسول ہوتے ہیں، یہ ایسا محقق انتخاب ہے کہ جس میں کسی شبہ وشک اور غلطی کا امکان تک نہیں ہوسکتا۔

دوم: نبی کے علوم وہبی ہوتے ہیں، کسبی نہیں، وہ کسی زمین کے استاد سے استفادہ کیا ہوا نہیں ہوتا، بلکہ وہ آسمانی علوم کا آسمانی استاد سے استفادہ کرتے ہیں، زمینی سلسلہ تعلیم کے لحاظ سے وہ امی کہلاتے ہیں۔

سوم: وہ حسن صورت وسیرت، یعنی ظاہری خوبصورتی اور باطنی خوبصورتی میں تمام جہاں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خَلقاً و خُلقا"۔[متفق عليه] اور یہی حال دیگر سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے، کہ سیرت وصورت ہر اعتبار سے عمدہ صفات وکمالات کے حامل ہوتے ہیں۔

چہارم: انبیاء علیہم السلام کے علوم واعمال کامل، بلکہ افضل واکمل ہوتے ہیں، علم کا کمال یہ کہ اس میں قطعاً غلطی نہ ہو، اور عمل کا کمال یہ کہ علم پر مکمل عمل ہو، ذرہ بھر علم وعمل میں تفاوت نہ ہو، اور ساری امت کیلئے نمونہ عمل ہو، اور ان میں گناہ وبے عملی کا نام ونشان تک نہ ہو، حتیٰ کہ مخالف دشمن کو بھی اس کی طہارت وتقویٰ کا اعتراف واقرار ہو۔

پنجم: تکمیل علم وعمل، یعنی جو حضرات نبی پر ایمان لاکر اس کے دائرہ تربیت میں داخل ہوجاتے ہیں وہ لوگ علم وعمل کے اعتبار سے کامل بن جاتے ہیں، نہ ان کے علم میں نقص ہوتا ہے، اور نہ عمل میں۔

ششم: ان کی تعلیم اور عملی زندگی سے ہزاروں مصالح عامہ کی مقصدیت اور فوائد نمایاں ہوتے ہیں، اور مصالح عامہ کو ہر میدان میں افراد اور اشخاص سے زیادہ اعتبار اور ترجیح ہوتی ہے۔

ہفتم: نبی کی معاشی زندگی امارت اور فقر دونوں صورتوں میں یکساں ہوتی ہے، نبی کی پوشاک، طعام، مسکن میں جو سادگی اور فقر کی حالت ہوتی ہے، بادشاہت، امارت اور حکومت حاصل ہونے پر بھی وہی حالت ہوتی ہے، اور جو تواضع، انکساری، کسر نفسی بوقت فقر ہوتی ہے وہی سلطنت وبادشاہت پر کردار وگفتار میں وہی عجز وانکساری، تواضع و نیازمندی نمایاں ہوتی ہے۔ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے۔ گویا انبیاء علیہم السلام کے ایثار کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مفاد عوام الناس پر ذاتی مفاد کو قربان کرتے ہیں، اور غلبہ وسلطنت حاصل ہونے پر بھی ان کے عجز ونیاز اور شان عبدیت اور تواضع پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا، اور ان کے قلب وروح کی خداداد

پاکیزگی کسی بھی ماحول سے متاثر نہیں ہوتی، تاکہ یہ معلوم ہو کہ عام انسانوں سے ان کی فطرت مختلف ہے۔

ہشتم: نبوت کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ نبی کی زندگی میں بناوٹ، تکلیف، تصنع، علوذات، نمائش نام و نمود اور شخصیت کا کوئی اثر اور وجود نہیں ہوتا، اور اس نبی کا حب و بغض اپنی ذات کیلئے نہیں، بلکہ ذات ربّ العٰلمین کے لئے ہوتا ہے، وہ اپنا حق ہر ایک پر معاف کرتا ہے، حق اللہ کو معاف نہیں کرتا۔ [بخاري و مسلم]

نہم: نبی اطاعت الٰہی کا عملی نمونہ ہوتا ہے، خلوت، جلوت، گھر میں، گھر سے باہر، دوستوں اور دشمنوں میں، خوشی، غم، غصہ، الغرض کسی حالت میں بھی رضائے الٰہی کی راہ سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے۔ مجلس، احوال اور نفسانی کیفیات ان کی استقامت میں خلل انداز نہیں ہوتے، کیونکہ رضاء الٰہی و اطاعت شرع ان کی فطرت کا جزء ہوا کرتی ہے۔

دہم: دسویں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے دعویٰ نبوت کی تائید میں خوارق اور معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ شرح مواقف میں معجزہ کے لئے سات شرطیں لکھی گئی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا فعل ہو۔ (۲) خارق عادت ہو۔ (۳) اس کا معارضہ ناممکن ہو۔ (۴) مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ (۵) دعویٰ کے موافق ہو۔ (۶) نبی کا مکذب نہ ہو۔ (۷) دعویٰ پر مقدم نہ ہو۔ [علوم القران]

معجزہ:

معجزہ کی حقیقت اور اس کی مختصر تشریح کی خاطر سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں جس قدر امور و اشیاء رونما و موجود ہوتے ہیں ان کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) عادیات۔ (۲) عجائبات۔ (۳) معجزات۔

عادیات:

عادیات سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق ایسے اسباب مادیہ سے ہو جن کو عام و خاص سب لوگ جانتے ہیں، اور روزمرہ زندگی میں ہر جگہ پیش آتے ہیں، اور ادنیٰ یا زیادہ محنت سے موجود ہوتے ہیں، جہاں علم و ہنر اور مہارت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً گندم کی کاشت ہوئی، اور حفاظت کی گئی، اور گندم وقت پر تیار ہوگئی، یا سبزی کاشت کی گئی تو وقت پر فصل تیار ہوگئی، آگ جلائی گئی اور روٹی، سالن، چائے تیار ہوگئے، کپڑے مشین میں ڈالدیئے تو صاف ہوگئے، قلم کی لکھائی، مکان کا رنگ کرنا، بکرا ذبح کرکے گوشت تیار کرنا، وغیرہ ہزاروں امور جو عام و خاص لوگ جانتے اور تیار کرتے ہیں، ان میں کوئی عمل ایسا نہیں جو انسانی طاقت کے دائرہ سے باہر ہو۔

عجائبات:

عجائبات وہ اشیاء جو مادی اسباب کے ذریعہ پیدا ہوں، لیکن مخصوص ماہرین فن کے کدو کاوش اور محنت کا حصہ ہوں، جنہیں ہر کس و ناکس تیار نہ کرسکتا ہو، اور ان کی تیاری میں ایک خاص عملی وفنی مہارت درکار ہو۔ مثلاً مکان بنانا، موٹر سائیکل، ٹرین، گاڑیاں، مشینری، ہوائی جہاز، بحری جہاز، راکٹ، بندوق، کمپیوٹر، ٹی وی، ایٹم بم، میزائل یہ عادی اور عام اشیاء نہیں ہیں، یہ مخصوص ایجادات اور عجائبات میں شمار ہیں، لیکن شروع میں ان کا مؤجد ایک ہی شخص ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کی نقل اتار کر دوسرے ملک و علاقے والے بنانا شروع کرتے، اور کامیاب ہوجاتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہر ماہر فن کی استطاعت وقدرت پر موقوف ہے، ان عادیات وعجائبات میں قدر مشترک ایک چیز ہے کہ دونوں انسانی طاقت کے ماتحت ہیں۔ ان میں ایسا اعجازی پہلو نہیں ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی تیار کرنے سے عاجز ہو، اور بنانے پر قادر نہ ہو۔

معجزات:

معجزات وہ ہیں جن کا وجود مادی اسباب پر مبنی نہ ہو، خواہ عام اسباب ہوں، جیسے امور عادیہ یا خاص اسباب ہوں، جیسے امور عجائبات ومصنوعات، یہ معجزات ان دونوں سے بالاتر اور مختلف ہوں گے، بلکہ ان کا وجود خالق کائنات کی مخفی قوت اور مشیت کا نتیجہ ہو۔ عام انسان ہزاروں علم وتجربہ اور ہر قسم کی مہارت واستعداد کے باوجود اس کی تخلیق وایجاد سے سراسر عاجز و بے بس ہو، جس کو پیغمبر کے سوا کوئی شخص حاصل نہ کرسکتا ہو، مثلاً انسانی ایجاد ہوائی جہاز جو شب و روز اڑایا جارہا ہے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت بھی ہوا میں اڑتا تھا، کام ایک ہے، لیکن یہ صناعت ہے، اور وہ معجزہ تھا، کیونکہ ہوائی جہاز مشین، تیل، پرزے کے ساتھ اڑتا ہے، اسی طرح جہاز بنانا ہر انسان، ماہر فن، ہر ملک و دولت کیلئے بنانا، تیار کرنا، اور اڑانا آسان اور روزمرہ کا معمول ہے، مگر حضرت سلیمانؑ کا تخت مشین سے نہیں، تیل اور دیگر اسباب سے نہیں، بلکہ مشیت الٰہی کی تسخیر کردہ ہوا سے اڑتا تھا، اور جتنے اسباب ظاہری ہیں ان سب سے مستغنی تھا، جس کی نقل اتارنے پر نہ پہلے کوئی قادر تھا، نہ اب، نہ آئندہ، کیونکہ مشیت الٰہی کی کارسازی دوسروں کیلئے ممکن نہیں ہے، تو یہ ہے فرق مصنوعات اور معجزات میں۔ اس سے نتیجتاً معلوم ہوا کہ دنیا میں دو قسم کی مصنوعات ہیں:

(۱) مصنوعات الٰہی، جیسے زمین، آسمان، پہاڑ، سمندر، چاند، سورج، ستارے وغیرہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان خدائی مصنوعات کی نقل اتارنا اور بنانا انسانی قوت کے دائرے سے خارج ہے، سارے انسان وجن مل کر اگر کسی خدائی مخلوق کو

بنانا چاہیں تو ہرگز ایسا نہیں کرسکتے، ایک ادنیٰ مکھی و مچھر بنانے پر پوری انسانیت کو قدرت حاصل نہیں۔

(۲) دوم انسانی مصنوعات، جیسے جہاز، کمپیوٹر، گاڑی، میزائل، وغیرہ، ان کو ہر ماہر فن اور صاحب علم و ہنر بنا سکتا ہے، اور روزمرہ مسلسل ایک دوسرے کی مصنوعات سے اپنے لئے بعینہ وہی چیز بنارہے ہیں وغیرہ، مگر یہی لوگ خدائی مصنوعات کو نہ کسی کارخانے اور فیکٹری میں بناسکتے ہیں، نہ بازاروں میں فروخت کرسکتے ہیں، اور یہی حال کتابی مصنوعات کا ہے، انسانی کتابوں کی نقل اور ان جیسی کتب کو ترتیب دینا تمام انسانوں کے دائرہ اختیار میں ہے، مگر قرآن حکیم جو ربّ العزّت کا کلام ہے، اس کی نظیر و مثال پیش کرنا، بلکہ قرآن کریم کی مختصر سورۃ الکوثر کی نظیر پیش کرنا پوری انسانیت کی طاقت وکارسازی سے باہر ہے، ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ [بنی إسرائیل:۸۸] (کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات جمع ہوجائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں، تو اس کی مثل نہیں لاسکتے، اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہوں) اس آیت میں اقوام عالم کو خطاب کیا گیا (بلکہ پوری انسانیت اور جنات کو قیامت تک کیلئے چیلنج کیا گیا) جن کو اپنی ادبی، علمی قابلیت اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، اور جو قرآن کے شدید دشمن تھے، قرآن کے دعویٰ کو توڑنا ان کیلئے ہر چیز سے زیادہ اہم اور ضروری تھا، اور یہ اعلان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کردیا گیا کہ ساری عمر آپ نے نہ کوئی تعلیم پائی تھی، اور نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے، نہ لکھ سکتے، اور نہ جانتے تھے، خالص امی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ شعر پڑھا، اور نہ سیکھا، اور نہ شعر و شاعری کی کوئی مشق کی، نہ کسی شعر و ادب پر توجہ مبذول فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کاغذ پر لکھا ہوا ہوتا تو اس کو شناخت کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ دیکھیں! اس چیلنج نے مخالفین اسلام و بدخواہاں رسالت کو قیامت تک ذلیل و شرمندہ اور عاجز و بے بس کردیا، یہ ہے معجزہ بمعنی عاجز کرنے والا، طوق بشر سے خارج۔ اس کی مختصر تفصیل بیان کرنا ضروری معلوم ہوا۔

اگر نظر صحیح سے کام لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حساب و شمار سے زیادہ ہیں، کیونکہ آپ کا ہر قول، ہر فعل، ہر حال، باعتبار تضمن حکم مصالح اور اسرار، دعاء اور طلب یا اشارہ سارے خارق عادت ہیں، یہی تو نام ہے معجزہ کا، بلکہ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے، قرآن حکیم کلام اللہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداءِ امر میں طلب بھی نہیں تھی، ابتداء نزول میں نہ طلب ہے، نہ عمل، بلکہ بعد میں فترۃ

الوحی کے بعد طلب عمل کا حصہ بنی، فتدبر! اور یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بڑے معجزۂ معراج کا ہے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ سے نہیں مانگا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہم وخیال میں تھا، بلکہ غیر ارادی طور پر اچانک بلاوا آگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ ہاں! معجزۂ شق القمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب کا حصہ ہے، اگر سورج والی روایت صحیح ہو، تو یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب تھی۔ کھانے میں برکت، وضو میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب تھا وغیرہ۔ سورج کا غروب کے بعد دوبارہ طلوع ہونا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز ادا کرنا، اس پر بعض محدثین حضرات نے کلام کیا ہے، مگر علامہ حافظ ابن حجر، قاضی عیاض، امام نووی، حضرت آلوسی، حافظ سیوطی، علامہ سبکی، علامہ قسطلانی، حضرت کشمیری، اور علامہ سخاوی رحمہم اللہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ دیکھو! فتح الباری اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اجوبہ اربعین کتاب میں اسی طرح صحت حدیث کے قائل ہیں۔ تو علماء کرامؒ نے مختلف زاویوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات شمار کئے ہیں، بقول قطب الشیخ عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دس ہزار کے قریب ہیں، یہ اس صورت میں کہ تمام اسرار شریعت کا شمار معجزات میں ہو۔ حضرت الشیخ مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے ساڑھے چار ہزار معجزات کا قول منقول ہے۔ رحمۃ للعلمین فی معجزات سید المرسلین کے مؤلف لبنانی عالم ہیں، انہوں نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں، آخر میں تین ہزار کی تعداد کو صحیح بتایا ہے۔ حضرت حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الخصائص الکبریٰ میں ایک ہزار معجزات بیان کئے ہیں۔ دراصل سیرت اور حدیث کی کتابوں سے اگر کوئی تمام معجزات کو نقل کر کے جمع کرے تو بآسانی تین ہزار کی تعداد پوری ہوسکتی ہے۔ بعض علماء کرامؒ کے نزدیک معجزات کی تعداد سات ہزار سات سو ہے، اس تعداد میں قرآن مجید کی آیات اور بلاغتوں کا لحاظ مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک وضاحت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ تمام عالم دو قسم پر ہے:

① عالم اعیان و جواہر۔ ② عالم معانی و اعراض۔

جواہر و اعراض کے معانی معلوم ہیں۔ پھر عالم اعیان یعنی جواہر دو قسم پر ہیں:

① ذوی العقول۔ ② غیر ذوی العقول۔

پھر ذوی العقول تین قسم پر ہیں: عالم ملائکہ، عالم انسان، عالم جن۔ پھر عالم غیر ذوی العقول یا عالم علوی ہوگا، یا سفلی۔ پھر عالم سفلی دو قسم پر ہے: ایک بسائط دوم مرکبات۔ دراصل بسائط چار ہیں: آب، آتش، باد، خاک۔ عالم

مرکبات تین ہیں: حیوانات جمادات، نباتات، انہیں موالید ثلاثہ کہتے ہیں، تو عالم کی تفصیلی اقسام نو ہوئیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

❶ عالم معانی۔ ❷ عالم ملائکہ۔ ❸ عالم انسان۔ ❹ عالم جنات۔ ❺ عالم علوی افلاک کواکب۔ ❻ بسائط اربعہ۔ ❼ حیوانات۔ ❽ جمادات۔ ❾ نباتات۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مرکبات دو قسم پر ہیں:

(۱) وہ مرکبات جن میں ایسا مزاج ہو کہ مرکب کی ترکیب محفوظ ہو۔

(۲) مرکب کی ترکیب محفوظ نہ ہو، یہ دوم کائنات ''الجوّ'' کے نام سے موسوم ہوگا، جیسے بادل۔

اول کی وہی تین قسمیں ہیں، موالید ثلاثہ والے، پس بجائے نو قسموں کے دس ہوگئیں، دسویں کائنات الجوّ۔

ان تمام اقسام عشرہ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہر ہوئے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تمام عالم اور اقسام عالم پر حاوی رہیں گے، یہی مطلب ہوگا۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء:۱۰۷] (اور یقیناً ہم نے آپ کو مخلوقات کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ آیت کریمہ کی وضاحت سے یہ سارے معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کی حقانیت وصداقت پر واضح وروشن دلائل ثابت ہوں گے۔ [فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه المصطفیٰ ورسوله المجتبیٰ وعلیٰ اٰله وأصحابه وأتباعه الغر المحجلين إلى يوم البعث والقضاء وسلم تسليما كثيراً كثيراً مادامت الأرض والسماء]

نمبر شمار	عالم	معجزہ
۱	عالم معانی میں معجزہ	القرآن الحکیم والفرقان الحمید
۲	عالم ملائکہ میں معجزہ	میدان بدر میں نزول ملائکہ، اسی طرح احد وحنین کے معرکوں میں۔
۳	عالم انسان میں معجزہ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا فوری اسلام قبول کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے طفیل سے۔ حضرت قتادۃ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوۂ احد میں ضائع ہوگئی، اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ اسے اس کی جگہ پر رکھدی تو وہ صحیح ہوگئی، اور آخر عمر تک اس کی روشنی میں کمی نہیں آئی۔

۴	عالم جنات میں معجزہ	جنات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں پر اطاعت کا وعدہ کرنا۔
۵	عالم آتش میں معجزہ	حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مان کر آگ نے اطاعت کی۔
۶	عالم ہوا میں معجزہ	غزوۂ احزاب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نصرت بالصباء" ہوا نے دشمن کو بھگا دیا۔
۷	عالم جو بادل میں معجزہ	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استسقاء کے موقع پر فرمایا: "اللّٰھم حوالینا ولا علینا" ایسا ہی ہوا۔
۸	عالم جمادات میں معجزہ	مکہ مکرمہ کے پتھروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو السلام علیکم یا رسول اللہ کہا۔
۹	عالم نباتات میں معجزہ	میدان اور صحراء میں درختوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر سترہ بنایا وغیرہ، استن حنانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رونا شروع کیا، اور خوب رویا۔
۱۰	عالم حیوانات میں معجزہ	اونٹ نے اور گوہ نے (ضب اعرابی نے) سلام کیا، اور کلمہ پڑھا۔
۱۱	عالم جمادات میں معجزہ مکرر ہے۔	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی میں لعاب مبارک ڈالا، آج تک وہ چشمہ ٹھنڈا اور میٹھا موجود ہے۔

[نشر الطیب، الکلام المبین، سیرت حلبیة]

اشارات سے یہ چند مختصر معجزات پر اکتفا کیا گیا، اگر اللہ ربّ العزّت نے توفیق عطا فرمائی تو ہزاروں معجزات کو تفصیل مع السند ایک مستقل رسالہ میں لکھنے اور جمع کرنے کی تمنا ہے، فللّٰہ الحمد۔

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چین تو از تنگئ داماں گلہ دارد
نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی
روز وشب در وصف تو نازم بمثل عاشقاں
کے شوم سیر از بیان وصفت اے جان جہاں

نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت دونوں برحق ہیں، اور دونوں غیر اختیاری ہیں۔ کسب واکتساب اور تعلیم وتعلم کو اس میں دخل نہیں ہے، دونوں کا سبب محض ارادۂ الٰہی جل شانہ ہے۔ آئندہ ان شاء اللہ سورۃ البقرہ کی آیت:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ﴾[بقرة:۱۰۲] کے تحت معجزہ، کرامت، سحر وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا۔

بحث نہم:

ربّ العٰلمین کی تشریعی ربوبیت جو کہ روحانی ربوبیت کا نام ہے، یہ ربوبیت تمام ربوبیتوں کی سرخیل اور سردار ہے، یہ اس لئے کہ تخلیق کائنات کے اغراض و مقاصد اسی ربوبیت پر موقوف ہیں۔ خلیفۃ اللہ فی الارض والی پاکیزہ جماعت انبیاء علیہم السلام ہی کی ہے، اگر سارا جہاں عناصر اربعہ کا مرکب ہے، تو انبیاء علیہم السلام کی حیثیت ہیرے، جواہرات کے ہیں، انہیں کے طفیل نابینا آنکھوں کو بینائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر مادی سورج نے فضاؤں کو رشنی مہیا کی ہوئی ہے تو اس پاکیزہ جماعت نے پورے جہاں اور اس کی ظلمتوں کو مٹا کر انسانی قلوب و اعضاء تک اپنا نور پھیلایا ہے۔ سورج کا نور غروب ہو کر ختم ہوتا ہے، سادات انبیاء علیہم السلام کے نور کیلئے کوئی غروب نہیں، ایک محقق محدث نے فرمایا کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں ہوتا تھا، مگر سارے جہاں پر سایہ فگن رہے، اور گم گشتہ انسانیت کو معراج و عروج وہ عطا کیا جس کی مثال نہ ہو۔

الرسول، پیغمبر بھیجا ہوا:

رسول رسالة سے ہے، شیخ علامہ شمس الدین ہستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فَعُوْلٌ کا وزن مبالغہ ہے، مُرْسَلٌ مُفْعَلٌ بالفتح کا، اور فَعُوْلٌ کا استعمال اس طرح پر نادر ہی ہوتا ہے''۔ رسول اور نبی کے مابین کیا نسبت ہے؟ اس بارے میں تین مختلف آراء ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) یہ دونوں متساوی ہیں، یعنی ہر نبی رسول ہے، اور ہر رسول نبی ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح عقائد نسفی اور شرح مقاصد'' میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''المسایرۃ'' میں اس کو محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''وأما علی ماذکرہ المحققون من أن النبي إنسان بعثه الله تعالیٰ لتبليغ ما أوحي إليه وكذا الرسول فلا فرق''، لیکن محققین نے جو ذکر کیا ہے کہ نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا ہو کہ جو کچھ اس کی طرف وحی کی ہے اس کی تبلیغ کردے، اور اسی طرح رسول بھی ہے۔ اس بناء پر کوئی فرق نہیں، لیکن آیت کریمہ: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ﴾ [الحج: ۵۲] (اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی

رسول اور نہ نبی) اس قول کی تردید کررہی ہے، کیونکہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے، اور احد المتساویین کی نفی تساوی آخر کی نفی کو مستلزم ہے۔ پس اگر ان کے مابین تساوی مانی جائے تو وَلَا نَبِيٍّ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ نبی تو رسول ہی کے ذکر میں آگیا، اب الگ ذکر کرنے کی کیا حاجت؟

(۲) یہ دونوں متباینین ہیں، رسول وہ ہے جو جدید شرع لے کر آئے، اور نبی وہ ہے جو جدید شرع لے کر نہ آئے، پس کوئی رسول نبی نہیں، اور کوئی نبی رسول نہیں۔ لیکن یہ محض غلط ہے، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں صاف تصریح ہے: ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ [مریم:۵۱] یعنی وہ رسول اور نبی تھے، اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں وارد ہوا ہے۔

(۳) ان دونوں کے مابین نسبت عموم خصوص مطلق ہے، اکثر علماء کرام کی یہی رائے ہے۔ اب بعض تو اس طرف گئے ہیں کہ رسول اعم اور نبی اخص ہے، کیونکہ رسول فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی، ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:۷۵] (اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں) اور نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے، فرشتہ نہیں، پس ہر رسول نبی ہوا، لیکن ہر نبی رسول نہیں، کیونکہ بعض رسول فرشتے ہوتے ہیں۔ اور جمہور کا یہ قول ہے کہ نبی عام ہے، اور رسول خاص، پس ہر رسول نبی ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں، مگر اس صورت میں نبی اور رسول میں فرق کیا ہوگا؟ اور ان دونوں کی شرعی تعریف کیا ہوگی؟ اس سلسلے میں بہت اختلافی اقوال ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے وہ نبی ہے، اور ان میں جو خاص ہیں، امت یا کتاب رکھتے ہیں، وہ رسول ہیں۔ [موضح القران]۔ علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شریعت جدیدہ دے کر مبعوث فرمایا ہو، تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے، اور نبی اس کو بھی عام ہے، اور اس کو بھی کہ جس کو شرع سابق کے برقرار رکھنے کیلئے بھیجا ہو، جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے مابین ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کو اسی بناء پر ان انبیاءؑ سے تشبیہ دی ہے۔ پس نبی رسول سے اعم ہے، اور اس پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاءؑ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار، عرض کیا گیا کہ ان میں رسول کتنے

ہیں؟ فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر۔ اور بعض کا قول ہے کہ رسول وہ ہے کہ معجزہ اور کتاب جو اس پر نازل کی گئی ہو دونوں کا جامع ہو، اور جو نبی ہی ہو رسول نہ ہو وہ ہیں کہ جن کے پاس کتاب نہ ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے کہ جن کے پاس فرشتہ وحی لے کر آئے، اور نبی اس کو بھی کہا جاتا ہے، اور نیز اس کو بھی جس کی طرف خواب میں وحی کی جائے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "المنهج الأزهر شرح الفقه الأكبر" میں فرماتے ہیں کہ زیادہ تر مشہور فرق جو ان دونوں میں منقول ہے وہ یہ ہے کہ نبی رسول سے اعم ہے، کیونکہ رسول وہ ہے جو تبلیغ پر مامور ہو، اور نبی وہ ہے جس کی طرف وحی کی جائے، خواہ وہ تبلیغ پر مامور ہو یا نہ ہو۔ شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے "المسائرة" میں اس فرق کو بعض اہل ظواہر و اصحاب حدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ بھی "فتوحات مكية" میں اسی کے قائل ہیں۔ اور علامہ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ (مناطقہ سے ہے) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "كتاب النبوات" میں اس سلسلے میں ایک نفیس بحث سپرد قلم فرمائی ہے، فرماتے ہیں نبی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے وہ اس کو بتاتا ہے، اب اگر اسی کے ساتھ وہ اس شخص کی طرف بھیجا گیا ہے کہ جو حکم الٰہی کا مخالف ہے، تاکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کرے تو وہ رسول ہے، لیکن جس صورت میں کہ وہ پہلے ہی شریعت پر عامل ہے، اور کسی کی طرف اس کو بھیجا نہیں گیا کہ جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچائے تو وہ نبی ہوگا رسول نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ [الحج: ۵۲] (اور ہم نے جو رسول بھیجا تجھ سے پہلے یا نبی، سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں) ارسال کا ذکر فرما کر (جو ہر دو نوع کو عام ہے) ان میں سے ایک کو بایں طور خاص کیا ہے کہ وہ رسول ہے، اور یہی وہ رسول مطلق ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخالفوں کی طرف تبلیغ رسالت پر مامور ہے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام۔ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے، اور ان سے پہلے جو تھے وہ انبیاء تھے، جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام اور ان دونوں سے بھی پہلے حضرت آدم علیہ السلام جو نبی مکلم تھے، یعنی ان سے حق تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے مابین دس قرن گزرے ہیں، جو سب کے سب اسلام پر تھے، ان انبیاءؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی، جس پر یہ خود بھی عمل پیرا ہوتے تھے

اوران مؤمنوں کو بھی حکم فرماتے تھے جوان کے پاس تھے، کیونکہ وہ سب ان پر ایمان رکھتے تھے۔ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک شریعت والے ان تمام باتوں کو مانتے ہیں کہ جن کے علماء رسول کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں، اور یہی حال انبیاء بنی اسرائیل کا ہے کہ وہ شریعت تورات کے مطابق حکم کرتے تھے، اگر چہ ان میں سے کسی کی طرف ایک معین واقعہ میں خاص وحی بھی کی جاتی تھی، تاہم شریعت تورات میں ان کی مثال اسی عالم کی سی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی قضیہ میں ایسے معنی سمجھادے جومطابق قرآن ہو، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کواس قضیے کا حکم سمجھایا کہ جس میں انہوں نے اورحضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا تھا۔پس انبیاء کوتو اللہ تعالیٰ بتلاتا اوراپنے امرونہی اور خبر سے ان کو مطلع فرماتا ہے، اوروہ ان لوگوں کو کہ جوان پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ عزّوجل نے جو کچھ خبر دی ہے، اور امرونہی سے مطلع فرمایا ہے وہ بتلاتے ہیں۔پھر اگر کفار کی طرف بھی رسول ہوئے توان کو توحید الٰہی اوراس وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔نیز یہ ضروری ہے کہ رسولوں کی ایک قوم تکذیب کرے۔

اللہ تعالیٰ عزّوجل فرماتے ہیں:﴿كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾[الذاریات:۵۲] (اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جورسول آیا توانہوں نے یہی کہا کہ جادوگر ہے، یا دیوانہ) اور ارشاد ہے:﴿مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ﴾[فصلت:۴۳] (تجھ سے وہی کہا جائے گا جو کہہ دیا گیا ہے سب رسولوں سے تجھ سے پہلے)۔وجہ یہ ہے کہ رسول مخالفوں ہی کی طرف بھیجے جاتے ہیں، اس لئے مخالفوں کی ایک جماعت ان کو جھٹلاتی ہے۔ ارشاد ہے:﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰﴾[یوسف] (اورہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب مختلف بستیوں میں بسنے والے انسان ہی تھے، جن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔توکیاان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے، جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہوگئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی

تھیں، توان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور جن کو ہم چاہتے تھے انہیں بچالیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں ان سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جاسکتا)۔ اور فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ [غافر: ۵۱] (یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے)۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ﴾ [الحج: ۵۲] (اور ہم نے جو رسول بھیجا تجھ سے پہلے یا نبی) اس امر کی دلیل ہے کہ نبی بھی مرسل ہی ہوتا ہے، لیکن اطلاق کے وقت وہ رسول سے موسوم نہیں ہوگا، کیونکہ وہ کسی قوم کی طرف ایسی باتیں لے کر نہیں بھیجا گیا کہ جن سے وہ واقف نہ ہوں، بلکہ اہل ایمان کو ان باتوں کا حکم دیتا کہ جن کے حق ہونے کو وہ جانتے ہیں (جو نوعیت کہ ایک عالم کی ہوتی ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے اسی لئے ارشاد فرمایا ہے: "العلماء ورثة الأنبياء"۔ [الحدیث] نیز رسول کی شرط یہ بھی نہیں ہے کہ وہ نئی شریعت ہی لے کر آئے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام باوجود رسول ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھے۔ نیز حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں رسول تھے، اور شریعت تورات پر تھے۔ حق تعالیٰ مؤمن آل فرعون کی زبانی فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا﴾ [غافر: ۳۴] (اور یقیناً تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، تب بھی تم ان کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق شک میں پڑے رہے، پھر جب وہ فات پاگئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ اب کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔) ﴿اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ [النساء: ۱۶۳] (اور ہم نے وحی بھیجی تمہاری طرف، جیسے وحی بھیجی تھی نوح کی طرف، اور ان کے بعد انبیاء کی طرف) اور اِرسال اسم عام ہے، اِرسال ملائکہ، اِرسال ریاح، اِرسال شیاطین، اِرسال نار، سب پر مشتمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ﴾ [رحمٰن: ۳۵] (تم پر آگ کا شعلہ اور تانبے کے رنگ کا دھواں چھوڑا جائے گا) اور ارشاد ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ﴾ [الفاطر: ۱] (تمام تر تعریف اللہ کی ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے ان فرشتوں کو مقرر کیا ہے جو پر والے ہیں)۔ یہاں سب فرشتوں کو رسول کہا گیا ہے، اور ملک لغت میں اس کو کہتے ہیں جو الوکة یعنی رسالت

کا حال ہو: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:۷۵] (اللہ چن لیتا ہے پیغمبروں کو فرشتوں اور انسانوں میں سے)۔ اسی طرح: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ [الشوریٰ: ۵۱] (اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اس سے بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچادے)۔ اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ [أعراف: ۵۷] (وہ ذات ہے جو ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیج دیتا ہے اپنی رحمت سے پہلے) اور ارشاد فرمایا: ﴿اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ [مریم:۸۳] (کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں، جو انہیں برابر اکساتے رہتے ہی ہیں)۔

لیکن لفظ رسول جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو، اور رسول اللہ کہا جائے تو اس سے وہی سمجھا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لے کر آئے، خواہ فرشتہ ہو، خواہ بشر ہو، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:۷۵] (اللہ چن لیتا ہے پیغمبروں کو فرشتوں اور انسانوں میں سے)۔ اور فرشتے کہتے ہیں: ﴿يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ﴾ [هود: ۸۱] (اے لوط! ہم آپ کے ربّ کے پیغمبر ہیں، وہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتے)۔ اور عام ہواؤں، اور فرشتوں اور جنوں کا ارسال کسی فعل کی انجام دہی کیلئے ہوتا ہے، تبلیغ رسالت کیلئے نہیں ہوتا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ [الأحزاب: ۹] (پس اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تمہارے اوپر چڑھ آئے تھے لشکر، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے)۔ پس اللہ تعالیٰ کے جو رسول اور پیغمبر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر ونہی کی تبلیغ کرتے ہیں، عندالاطلاق یہی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ [کتاب النبوات]

غرض! امام موصوف کے نزدیک جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے، اور مومنین ہی کو وہ احکام الٰہی کی تعلیم دے، وہ نبی ہے، اور اگر اس کی دعوت کافروں کیلئے بھی عام ہو تو وہ رسول ہے۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نبی

کو صرف تعلیم وتبلیغ کے فرائض سونپے جاتے ہیں، انہیں جہاد بالسیف کا حکم حاصل نہیں، بخلاف رسول کے، کہ انہیں تعلیم وتبلیغ کے ساتھ منکرین کے ساتھ جہاد بالسیف کا فریضہ بھی انجام دینا ہوتا ہے۔

الأنبیاء:

یہ نبی کی جمع ہے، جس کے معنی پیغامبر کے ہیں۔ قرآن حکیم میں جن انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی بیان کئے گئے ہیں وہ کل پچیس ہیں، اور جس ترتیب کے ساتھ وہ دنیا میں تشریف لائے ہیں یہاں اسی ترتیب کے ساتھ ان کے مقدس اسماء تحریر کیے جاتے ہیں، تاکہ تقدیم وتاخیر کا اشتباہ نہ رہے، وہ یہ ہیں:

حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم الخلیل، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یونس، حضرت ذوالکفل، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور حضرت امام الانبیاء خاتم المرسلین سید الاولین و الآخرین، رحمۃ للعٰلمین، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واُصحابہ وجمیع اُمتہ وسلم وشرف وکرم۔

البتہ! جن انبیاء کرام علیہم السلام کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث [مشکوٰۃ المصابیح ص: ۵۱۱] اس سلسلے میں مشہور ہے۔ چنانچہ امام ابن مردویہؒ اپنی تفسیر میں اور امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں ان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء علیہم السلام کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے سوال کیا: یارسول اللہ! ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان میں پہلے رسول کون ہے؟ فرمایا: آدم علیہ السلام۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ نبی مُرسل تھے؟ فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، پھر ان میں روح پھونکی، اور اپنے سامنے ان کو درست کیا، پھر فرمانے لگے: اے ابوذر! چار انبیاء سریانی ہیں، حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت نوح اور اخنوخ، یعنی حضرت ادریس علیہم السلام، اور انہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا ہے، اور چار عرب سے ہیں: حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اے ابوذر! بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ اول نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور آخری

تمہارے نبی ﷺ ہیں۔ (مشکوٰۃ میں جو روایت ہے وہ مختصر ہے)۔ اس پوری حدیث کو حافظ ابوحاتم بن حبان بستی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مشہور کتاب "التقاسیم والأنواع" میں روایت کیا ہے، جس کو وہ صحیح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن حافظ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مخالفت کی ہے، اور اپنی کتاب "الموضوعات" میں اس کا ذکر کیا ہے، اور وہ اسی سلسلے میں اس حدیث کے ایک راوی ہشام بن حسان کو متہم گردانتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ولاشک أنه قدتکلم فیه غیر واحد من أئمة الجرح و التعدیل من أجل هذاالحدیث"۔ [ابن کثیر ج ۳ ص ۲۴۸] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے متعلق بہت سے ائمہ جرح و تعدیل نے اسی حدیث کی بناء پر کلام کیا ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ اس روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا پہلا نبی بتایا گیا ہے، حالانکہ یہ صفت حضرت یوسف علیہ السلام میں پائی جاتی ہے۔ اس چیز سے بھی حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً یہی تعداد نقل کی ہے، لیکن یہ روایت بھی شدید ضعیف ہے، اور مسند احمد میں حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ کے توسط سے خود ابوذر رضی اللہ عنہ کی بھی مذکورہ بالا روایت منقول ہے، لیکن اس کی سند بعینہٖ وہی ہے جو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حافظ ابوبکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری بعثت آٹھ ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد عمل میں آئی ہے، جن میں سے چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں گزرے ہیں"۔ [عمدة القاري، ج ۷ ص ۳۰۷] لیکن اس روایت کے ایک راوی احمد بن طارق کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے اس کی عدالت یا جرح کا علم نہیں۔ [ابن کثیر ج ۳ ص ۲۴۹]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ انبیاء کرام کا خاتم ہوں"۔ [ابن کثیر حوالہ بالا] ان دونوں روایتوں کی سندیں صحیح ہیں، اس لحاظ سے تعداد انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہی قول زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ [لغات القران]

الرسالة:

رسالت کی شرعی تعریف علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد نسفی میں یہ بیان کی ہے: "هي سفارة العبدبين

اللہ وبین ذوي الألباب من خلیقته لیزیح بهاعللهم فیماقصرت عنه عقولهم من مصالح الدنیا و الآخرة"۔

اللہ ربّ العزّت سبحانہ اوراس کی ہوشمند مخلوق کے مابین بندہ کی سفارت ہے، تاکہ اس کے ذریعہ ان بیماریوں کو زائل کردیا جائے جن میں ان کی عقول دنیاوآخرت کی مصلحتوں سے عاجز ہوچکی ہیں۔

سوال: وحی جوکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی ضرورت کب اور کیوں پیش آئی؟

جواب: جب خالق کامخلوق سے اور مخلوق کا آپس میں ایک دوسرے سے رابطہ منقطع ہو، اور ہر قسم کی مادی وروحانی محرومیوں کا دور دورہ ہو، فضاء ہر طرف سے زہر آلود اور مکدّر ہو، افق پر ہر قسم کا ظلم وطغیانی نمودار ہو، اور آہستہ آہستہ پھیل کر پورے معاشرے کو برباد کررہا ہو، انسانی محبت وشرافت اور دوسرے اقدار ناانصافیوں کے سیلاب میں بہہ کر غرقِ آب ہورہے ہوں، اور ہر طرف حقوق اللہ وحقوق العباد غارت ہوں، انسانی آبادی گھٹاٹوپ اندھیرے اور تاریکیوں میں ڈوب کر موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، پوری انسانیت مایوس کن حالات سے دوچار ہو، پورا عالم نجات دہندہ حقیقی کی آمد کا بے تابی کے ساتھ منتظر ہو، ایسے وقت میں اچانک ایک روشنی کی کرن دنیا میں ظاہر ہوتی ہے، اور آسمان سے ایک نجات دہندہ عدل وانصاف کا پیغام الٰہی کسی عظیم ہستی کی معرفت چمکتے ہوئے سورج کی مانند ظاہر ہوتا ہے، جس سے غم کے اندوہناک لمحات ختم ہوتے ہیں، اور محرومیوں کا خاتمہ ہوگا، پریشانیوں کے سیاہ بادل افق سے چھٹ جاتے ہیں، انسانی اقدار کی بعد از موت دوبارہ زندگی ممکن ہوتی ہے، اسی روشن کرن وپیغام کا نام وحی الٰہی ہے، جوکہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہی وحی انسانیت وشرافت کی نجات دہندہ ہے، اور خوشحالیوں کا سرچشمہ وبنیاد ہے، دینی اقدار کی محافظ اور نگہبان ہے، پورے معاشرے کیلئے نعمت غیر مترقبہ اور رحمت الٰہی ہے، مردہ دلوں اور تاریک قلوب کیلئے نورِ مجسّم ہے، سارے غموں اور بیماریوں کا علاج وتریاق ہے۔ جہاں تک اس کی رسائی اور پھیلاؤ ہوتو نور ہی نور، ہدایت ہی ہدایت کا دوردورہ ہوتا ہے، مردہ معاشرہ دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔

وحی کے لغوی معنیٰ:

الإشارة السریعة یا الإعلام في خفاء۔ یعنی کسی کو پوشیدہ طور پر جلدی میں کچھ بتاناوغیرہ۔

وحی کے اقسام:

وحی لغوی کی تین قسمیں ہیں: (۱) فطری۔ (۲) ایجادی۔ (۳) عرفانی، جس کو الہام بھی کہتے ہیں۔

وحی فطری:

جس کو سورۂ اعلیٰ میں چوتھے نمبر پر ﴿فَهَدٰى﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ انسانوں اور حیوانات سب میں موجود ہے، بکری کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں سے دودھ چوسنا اور پینا شروع کرتا ہے، اور شہد کی مکھی چھتہ بنا کر شہد پیدا کرتی ہے۔

وحی ایجادی:

انسان ہزاروں مصنوعات وایجادات کا مالک ہے، عقل وتجربہ کی مدد سے ہزاروں چیزوں کی ایجاد کو عمل میں لایا، اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے، یہ تمام مصنوعات وحی ایجادی کہلاتے ہیں۔

وحی عرفانی والہامی:

اصحاب باطن، پرہیز گار مؤمنوں کو حاصل ہے، جیسے: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾ [القصص:۷] (اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا)۔

وحی شرعی، جو کہ اصل وحی ہے، وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی **كلام الله المنزل على الأنبياء**۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) خواب میں وحی آنا، جیسے: ﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ﴾ [الصافات:۱۰۲] (اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں)۔ سرور عالم ﷺ نبوت سے پہلے مسلسل چھ ماہ تک رویاء صالحہ صادقہ سے نوازے گئے تھے۔

(۲) بیداری میں بغیر واسطۂ فرشتہ، جیسے آپ ﷺ کو شب معراج میں، اور موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا واسطہ نوازا گیا۔

(۳) وحی بواسطۂ ملک، مثل صلصلة الجرس [رواہ الشیخان] اس میں فرشتہ نظر نہیں آتا، وحی کی آواز گھنٹی کی طرح سنائی دیتی ہے، اور یہ سخت وحی ہوتی ہے، وهو أشدُّه عليَّ۔

(۴) فرشتہ جبرئیل علیہ السلام بشکل انسان آکر وحی لاتا ہے، یہ صورت سب سے آسان ترین صورت ہے۔

(۵) خواب میں اور نصف بیداری میں، جیسے: "أتاني ربي فقال فيم يختصم الملأ الأعلى" [مشکوٰۃ] اس میں نزول ربّ العلمین بدونِ واسطہ ہے، (یہ حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے، بحوالہ ترمذی)۔

(۶) بواسطۂ ملک ہو، اور خواب کے اندر ہو، فرمایا: "إن جبريل نفث في روعي"۔ [الحديث] یہ روعی کے نام سے مشہور ہے۔ [مشکوٰۃ]

قرآن حکیم کے تیس پارے، ایک سو چودہ سورتیں ہیں، جملہ آیات (۶۲۳۶) اور جمیع حروف قرآنیہ (۳۴۶۹۹۸) اور جمیع کلمات، یعنی الفاظ قرآنی (۷۷۹۳۴) ہیں۔ قرآن حکیم کا نزول تدریجاً آہستہ آہستہ (۲۳) برس میں مکمل ہوا۔ مکی سورتیں (۸۶) اور مدنی سورتوں کی تعداد (۲۸) ہے۔ یہ مکمل مجموعہ طیبہ وحی جلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ وحی خفی، جو کہ احادیث کے نام سے مشہور ہے، احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اس وقت حدیثوں کا جو ذخیرہ امت کے پاس ہے، یہ ان مجموعی حدیثوں کا ایک حصہ ہے۔ بہت بڑا ذخیرہ جو جمع وتدوین میں نہیں آیا، وہ اس کے علاوہ ہے۔ اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت حدیث سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی مسندات و مرویات کو بیان (روایت) نہیں کیا، اس خوف سے کہ کہیں غلطی نہ ہو، اور گناہ لازم نہ ہو۔ تو یہ دونوں سلسلے وحی جلی اور وحی خفی برابر (۲۳) سال تک جاری رہے۔ اس بناء پر علماء کرام نے کہا ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام بغرض وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مجموعی طور پر چوبیس ہزار مرتبہ تشریف لائے، اور اسی مقدار میں وحی کا نزول ہوا، جو کہ ایک اہم خصوصیت ہے۔ [قسطلاني]

بحث دہم:

ربّ العلمین سبحانہ وتعالی نے اپنی ربوبیت کاملہ کے سایہ میں دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری اور ضمانت اپنے ذمہ لے لی: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] (اور ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔ قرآن حکیم کی حفاظت دین اسلام کی حفاظت کی بنیاد ہے، کیونکہ بقاء قرآن درحقیقت بقاء اسلام ہی ہے، اور دونوں لازم ملزوم ہیں۔

اس وقت دنیا کی آبادی تقریباً ساڑھے چھ ارب انسانوں پر مشتمل ہے۔ مسلم آبادی ان میں تقریباً ڈیڑھ ارب سے کم ہے۔ اس تناسب سے مسلمان آبادی غیر مسلم آبادی کی تقریباً ایک تہائی ہے۔ یہ پانچ ارب غیر مسلم آبادی عیسائی،

یہودی، بدھ مت، ہندومت، کمیونسٹ، دہریہ، سکھ مت اور دیگر مذاہب واقوام پر مشتمل ہے، اور یہ سارے ملتِ واحدۃ کہلاتے ہیں، اور مذہبی سطح پر آپس میں متحد اور ایک ہیں، ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔ ان کی آپس میں مذہبی یکجہتی اور رواداری ہر وقت موجود ہے، گو سیاسی اور جغرافیائی، فوجی اور معاشرتی ومعاشی سطح پر کبھی کبھار ایک دوسرے کی بدخواہی کرتے ہیں، مگر مذہبی اختلاف ظاہراً ان میں نہیں ہوتا، یا اگر ہوتا ہے تو اتنا پھیکا کہ نہ ہونے کے برابر۔ لیکن اسلام کے ساتھ ان کی کھینچا تانی روزِ اول سے آج تک برابر جاری ہے، یہ اسلام کے ساتھ ہمیشہ معاندانہ اور حریفانہ سلوک جاری رکھے ہوئے ہیں، اور اسلام کے ساتھ ان کی سرد جنگ ہمیشہ سے جاری ہے۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی معاشرہ انہیں کھٹکتا ہے، نفاق، بغض وعداوت اور دوسرے ہر قسم کے ذرائع سے اسلام کو کمزور کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ گزشتہ ادوار میں صلیبی جنگوں اور معرکوں کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کی نسل کشی سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ بار بار سقوط بغداد، سقوط کابل، سمرقند وبخارا، تاشقند وخوارزم، فلسطین وکشمیر اور سقوط اندلس ان کی اسلام دشمنی کے واضح ثبوت ہیں۔ جب ان دشمنان اسلام نے ابھی جزائر بلقان، کوسوو اور سربیا وغیرہ پر حملہ کیا تو چنگیز وہلاکو کی تاریخی سفاکیت کو دہرایا۔ جب برطانیہ اور اس کے حواریوں نے دہلی پر قبضہ جمایا، اور مغلیہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے اقتدار کو پاش پاش کر کے شہزادوں کے سروں کو کاٹ کر طشت میں رکھا، اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا، لاکھوں مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا، اور دس ہزار علماء کرام کو تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ ہندو، سکھ آبادی کا کوئی نمایاں آدمی قتل نہیں ہوا، اسی طرح اندلس کا حال ہوا، جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، جس کی ایک سنہری تاریخ ہے، وہاں کے مسلمانوں کا ایک حصہ قتل ہوا، ایک حصے کو جلاوطن، اور تیسرے حصے کو زبردستی عیسائی بنایا گیا۔ قرطبہ کی تاریخی جامع مسجد جس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد جامع کا اندرونی حصہ چودہ سو سترہ عجیب وغریب خوبصورت ستونوں پر قائم ہے، آج وہ چرچ اور گرجا بنی ہوئی ہے۔ سرزمین خراسان، نیشاپور سے لے کر کاشغر تک مسلمانوں کے علوم وادب، تفسیر وحدیث، اصول اور فقہ حنفی کا گہوارہ تھی، اور بڑے بڑے ائمۂ حدیث، جیسے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، عبداللہ بن المبارکؒ اور علم فقہ کے سارے ائمہ ومجتہدین بے شمار وبے حساب علماء اسی خراسان کی پیداوار ہیں، آج وہاں کون ہے، اور کیا ہو رہا ہے؟ شاعر نے کہا ؎

؎ جائیکہ بودند گل رخسان با دوستان در بوستان

شد گرگ و روباہ را وطن شد زاغ و کرگس را مکان

یہ مذہبی تنزل اور ملکی تخریب کاری، اسلام دشمنی، مسلمان دشمنی، تہذیب وثقافت دشمنی، جسے آج کوئی اچھا نام دے کر یاد کیا جارہا ہے، اور مغربی اتحادی اسے امن وانصاف کہنے سے نہیں شرماتے، اور مسلمان سے جنہوں نے حق دفاع بھی چھین لیا ہے، اسے دہشت گرد اور دوسرے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پورے خطے میں ایک صلاح الدین ایوبی نہیں، جو انہیں للکارے، اور خاموش کرائے، یہ منحوس اتحادی آخر کیا چاہتے ہیں؟ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کو کمزور کیا جائے، یا ختم کیا جائے۔ مسلمان ہمارے تابع اور دست نگر بن جائیں۔ اسلامی تہذیب ومعاشرہ ختم ہو کر قصۂ پارینہ بن جائے۔ اسلام شہروں سے غائب ہو کر صرف تاریخی اوراق تک محدود ہو۔ قرآن وحدیث میں بھی وہی تحریف ہو جو کہ انجیل وزبور اور توراۃ میں ہوئی۔ ہماری طرح مسلمان بھی مادر پدر آزاد ہوں۔ جہادی آیتوں کو اور یہودیت ونصرانیت کی نشاندہی والے مضامین وآیتوں کو قرآن پاک سے نکال دیا جائے۔ مسلمان قوم کی سنہری تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جائے۔ بہادران اسلام، خلفاء راشدین اور عالمگیر محی الدینؒ جیسے عدل وانصاف والے سلاطین کو غاصب اور ظالم قرار دیا جائے، اور پورے عالم میں اسلام وقرآن حکیم کی تعلیمات کو بدنام کیا جائے، اور طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے مسلم امت کو تخریب کار اور دہشت گرد قرار دیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

آج یہ منصوبے سارے چل رہے ہیں، اور مسلمانوں کے اندر سے مختلف نام نہاد روشن خیال بنا کر اپنے ہمنوا اور ہاں میں ہاں ملانے والے افراد بنا رہے ہیں، بلکہ بنائے ہوئے ہیں۔ خود بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم در تقسیم ہو چکے ہیں، اور مسلمانوں کو ہر محاذ پر تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم در تقسیم کر چکے ہیں۔ علمی میدان میں مستشرقینِ یورپ نے وہ کچھ کیا ہے، اور کر رہے ہیں جس کی حد وانتہا نہ ہو۔ یہ ایک طرفہ حملہ زوروں پر ہے، اور دوسری طرف سے جواب ہی نہیں، اور کوئی مردِ میدان نہیں، ہم صرف اس خوش فہمی میں کھا پی کر عیش کر رہے ہیں، اور محفلوں میں کہہ رہے ہیں کہ قربِ قیامت ہے، دجال کا زمانہ آپہنچا ہے، یہ سب کچھ تکوینی طور پر ہو رہا ہے۔ (إنا للہ وإنا إلیہ راجعون)۔

مگر چونکہ اسلام دینِ الٰہی اور دینِ رحمت ورواداری کا نام ہے، اور سارے عالم کیلئے باعث برکت وسبب بقاء ہے، اور اس پر رب العٰلمین کی رحمتوں وعنایتوں والی نظر شفقت ہے۔ اتنی مخالفتوں اور قسم قسم کے ہتھکنڈوں کے باوجود اپنا تشخص اور شناخت برقرار رکھے ہوئے ہے، اور اپنے اصلی روپ وصورت کے ساتھ پورے عالم میں موجود ہے، کیونکہ

وہ مٹنے اور نیست ونابود ہونے کے تصور سے ماوراء ہے، وہ جہاں میں باقی رہنے کیلئے آیا ہے، جانے کیلئے نہیں آیا۔ اس کی ایک سنہری روئیدادا اور پس منظر ہے، اگر وہ جانے کیلئے ہوتا تو پوری دنیا کی مخالفتوں کی تاب نہ لاکر کب کا ختم چکا ہوتا، مگر ایسا ہرگز نہیں: ﴿وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ [ابراھیم: ۴۶] (چاہے ان کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں) یعنی سب اگلے پچھلے ظالم اپنے اپنے داؤ پیچ کھیل چکے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلہ میں حق کو دبانے اور مٹانے کی کوئی تدبیر اور سازش انہوں نے اٹھا نہیں رکھی۔ ان کی ساری تدبیریں نیست ونابود اور ناکارہ ہوجائیں گی، ربّ العٰلمین سبحانہ انہیں ناکام بنائیں گے۔

؎ باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

جو کفر مسلمان کا نام سن کر لرزہ براندام ہوجاتا، اور اس کے اوسان خطا ہوجاتے تھے، اس کی عورت رات کو بچوں کو سلا کر یہ کہتی تھی: ''سوجاؤ عمر کا لشکر آرہا ہے''، آج وہ کفر دندناتے ہوئے مسلمان کو دہشت گرد اور قرآن حکیم کو دہشت گردی سکھانے والی کتاب کہہ رہا ہے۔ یہ بہادری اسے کس نے سکھائی؟ آج وہ ہمارا سردار بنا ہوا ہے، اور ہمارے اوپر ایسے حکم رانی کررہا ہے کہ کوئی اپنے غلام اور لونڈیوں پر بھی حکم نہ کرتا ہو، اور ہم آنکھیں نیچے کرکے اس کی خوش آمد کررہے ہوتے ہیں۔ اس کے بہت سارے اسباب ہیں، مگر بڑے سبب صرف دو ہی ہیں:

❶ پہلا یہ کہ ہم نے دین کو سیاست سے الگ کردیا، جس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں، حالانکہ ہماری تعلیمات نے ان دونوں کو جمع کیا تھا، اور دونوں میں مضبوط پیوند لگائی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے: ''**كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء**''۔ [**الحدیث**] بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ آپ یقین کریں جس قوم کو آپ انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کا دشمن قرار دیتے ہیں وہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی اپنی سیاست کا ایک نمایاں حصہ معتد بہ اندازہ کے ساتھ اپنے اُحبار ورہبان اور پوپ پال کے ہاتھوں میں دیئے ہوئے ہے، اور انہی کے اشارے اور مشوروں سے تمہارے خلاف کام ہورہا ہے۔ اگر ان کا پوپ ان کے خلاف فتویٰ صادر کرے تو مجال نہیں کہ کوئی حرکت کرے۔ یہ تم ہو کہ قرآن پاک سے منحرف ہو، اور علماء اُمت ورثۃ الانبیاء کے دشمن ہو۔ یورپ سے بداخلاقی سیکھنے پر تمہیں فخر ہے، لیکن مذہبی علماء سے دشمنی سیکھ کر ان کی پوپ دوستی اور اُحبار ورہبان وعلماء دوستی سے سبق نہیں سیکھا۔ اگر

یورپ تمہاراامام ہے تو علماء سے دوستی بھی اپنے امام سے سیکھو۔ اسلام روز اوّل سے زندہ تابندہ درخشندہ رہا ہے، وہ صرف تائیدایزدی کی برکت وطفیل سے ہے۔

قرن اول کے بعد کسی بادشاہ یا امیر کی سرپرستی اسلام کو حاصل نہیں ہوئی، سوائے چند ایک سلاطین کے، بلکہ روز اوّل سے اس کو یہ سعادت حاصل رہی ہے: "بدأ الإسلام غريبا و سيعود كما بدأ"۔ البتہ ایک معتد بہ تعداد نے اسلام کی سرپرستی کو سعادت سمجھ کر اس کا تحفظ کیا، اور قرآن حکیم کو اپنا آئین سمجھا، اور آج پوری دنیا میں ساٹھ (٦٠) کے قریب مسلمان مملکتوں میں کوئی ایسا ملک نہیں کہ جس کا آئین قرآن حکیم ہو، پھر گلہ کس سے ہو رہا ہے؟

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر ☆ اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

اس وقت مسلمان غیرمسلم کافروں کی زد میں نہیں، بلکہ بقول حضرت الشیخ محمد یوسف ابن الشیخ محمد الیاس رحمہم اللہ بانی تبلیغی جماعت مسلمان قرآن کی بے حرمتی اور بے اعتنائی کی زد میں ہے۔ حضرت نے فرمایا جو میں نے سنا کہ ہمیں اس وقت یورپ نہیں مار رہا، بلکہ قرآن حکیم ہمیں مار رہا ہے، کہ ہم نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا۔ کسی وقت مصر کے ساتھ نہر سویز کے محاذ پر یورپ کی یلغار جاری تھی، ہمارے شیخ، عمدۃ المحدثین، صاحب إعلاء السنن، حضرت الشیخ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین سو سال پہلے جنیوا میں یورپ کے پروفیسر اور دانشوروں کا اجتماع ہوا، جس میں کافی غور خوض کے بعد بالاتفاق دو باتوں پر زور دیا گیا، اور دونوں منظور ہو گئیں۔ دراصل یہ اجتماع اس لئے منعقد کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی وعظمت پر کس طرح قابو پایا جائے؟ اور انہیں کس طرح اور کیسے غلام بنایا جائے؟ تو یہ طے کرنے کے لیے دونوں باتیں منظور ہوئیں:

پہلی بات یہ کہ ان کے اور قرآن مجید کے درمیان بے اعتنائی کی خلا پیدا کی جائے، انہیں قرآن اور اہل قرآن علماء سے دور رکھا جائے، بس کام بن جائے گا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے افرادی قوت اور فنڈ مہیا کیا۔

دوسری بات یہ کہ ان کا رب ہر وقت ہر محاذ پر انہیں فتحیاب کر رہا ہے، ان کا اپنے رب پر پختہ مضبوط اعتماد ہے، اس اعتماد میں رخنہ وتزلزل پیدا کیا جائے، تا کہ ان کا خدا ان سے ناراض ہو کر کنارہ کشی اختیار کرے، اور انہیں ان کے نفسوں پر چھوڑ کر ان کی حمایت ترک کردے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب بھی ان کے ساتھ کسی محاذ پر جنگ ہو تو تمہارا بڑا حصہ ان کا مقابلہ کرے، اور ایک چھوٹا حصہ ان کا اتحادی بن جائے، تو وہ اس اتحادی پر ایک حد تک بھروسہ

کریں گے، اور اپنے خدا پر اعتماد و بھروسہ کھو بیٹھیں گے، پس ربّ العٰلمین کے ساتھ انہیں جو اعتماد حاصل تھا وہ کمزور پڑ جائے گا، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت سے محروم رہیں گے۔

کیا چال ہے؟ ہر زمانے میں اسی پر عمل ہو رہا ہے، اور ہم نصرت الٰہی سے مسلسل محروم ہیں، اور یہ ایک ایسی شرارت ہے کہ جسے انہوں نے پاس کیا، اور ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ جب حنین میں محض اپنی کثرت پر بھروسہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی فوج ظفر موج کو شکست سے دوچار کیا، تو یہاں اپنی کثرت پر توکیا، بلکہ کافر اتحادیوں پر بھروسہ ہو رہا ہے۔

بہ بین تفاوت راہ از کجا ست و تا بہ کجا
اے بندہ بمن بیا و خود را ترہ کن
پس اگر شاہ جہانت نہ کنم گلہ کن

ایک چھوٹے دوست نے بڑے دوست کی بے رخی دیکھ کر گلہ شکوہ کیا، کہ تم پہلے کی طرح محبت نہیں کرتے ہو، تمہاری چاہت میں فرق آیا ہے۔ تو بڑے دوست نے جواب میں کہا کہ یہ قصور تمہارا ہی ہے کہ تم پہلے صرف ہم سے محبت کرتے تھے، اب رویہ بدل گیا، تم نے ہمیں چھوڑ کر دوسروں سے محبت کرنا شروع کی، تو ہم بددل ہو گئے، تمہارے اوپر اعتماد نہیں رہا، پہلے صرف ہمارا تھا، اب سب کا ہو گیا، تو خدا حافظ۔

سوال: اے یار وفادار چرا گرد شدی ☆ یا دل بکسے دادی و یا زرد شدی

جواب: نے دل بکسے دادم و نے زرد شدم ☆ تو یار دیگر کردی من آزردہ شدم

جب بندہ صرف اللہ ربّ العزّت کا ہوگا، اور اسی کے در پر سجدہ ریز ہوگا، تو ربّ العزّت ہر حال میں اس کی نصرت و حفاظت فرمائے گا، اور جب اپنے معبود کے ساتھ کسی کو شریک سمجھے گا، تو خسر الدنیا والآخرۃ کا لقب پائے گا۔

❷ ہماری بے بسی اور ذلتوں کا دوسرا بڑا سبب ترکِ جہاد ہے کہ جہاد کا تمغہ عرشِ معلیٰ سے اتار کر ربّ العزّت سبحانہ نے مسلمان کے سینہ پر لگایا تھا، اور ہیرے جواہرات کا تاج بنا کر مسلمانوں کے سروں پر رکھا تھا، اور اس جہاد کی اہمیت کو واضح فرما کر زمانۂ رسالت میں مجاہدین کی کمک کیلئے فرشتوں کو اُن کی نصرت و دل جوئی کی خاطر اتارا تھا، اور بذات خود جل شانہ نے مجاہدوں کی معیت کا مژدہ سنایا تھا۔ مجاہدین کی صف بندی اور میدان کارزار میں حضرت خاتم

الانبیاء ﷺ رئیس المجاہدین کو جہادی معرکوں میں شمولیت ومعیت کا حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے باوصف ختم نبوت وسید الرُسل ہوتے ہوئے میدان جہاد میں شہادت کی تمنا فرمائی تھی، اور جنت کو "تحت ظلال السیوف" قرار دیا تھا، اور اپنی امت کا رزق وروزی جہاد کو قرار دے کر جہاد کی اہمیت بیان فرمائی تھی، اور جہاد کو اسلام کا "ذروۃ سنامہ" کہہ کر واضح فرمایا تھا کہ اسلام کی برتری وبلندی، اور اسلام کا معراج وعروج جہاد ہی میں ہے، اور یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا، اور یہ جہاد اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ اس امت کا آخری گروہ مسیح الدجال کے ساتھ مصروف پیکار ہوگا، اور مجاہدین کیلئے اتنے فضائل ومناقب اور اجر وثواب کا وعدہ کیا تھا کہ کسی بھی عمل پر اتنے عظیم وبے پناہ اجر وثواب کا وعدہ نہیں ہوا۔ دوران جہاد مجاہد کے خورد ونوش اور دیگر اجر وثواب، نان ونفقہ کو سات سو گنا سے بڑھا کر کبھی سات لاکھ، کبھی بیس لاکھ، اور اس سے بھی زائد بتایا، اور وعدہ کیا، اور یہ بھی فرمایا کہ تمہاری کامیابی اور سرخ روئی جہاد میں ہے، اور تمہاری ناکامی اور ذلت ترک جہاد میں مضمر ہے۔ ایک رات کا رباط ونگرانی تمام جہاں سے افضل ہے۔ کتب حدیث وسیرت فضائل جہاد سے لبریز اور پر ہیں۔

جب سے امت مسلمہ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی اور پہلوتہی شروع کی ہے، وہاں سے اس کی خواری وذلت شروع ہو چکی ہے۔ اگر جہاد کا عمل ہر وقت ذہر محاذ پر جاری رہتا تو اندلس وبغداد، سمرقند وتاشقند، کابل ودہلی، کشمیر وفلسطین پر دشمنان اسلام کا قیامت تک قبضہ نہ ہوتا۔ کفر وطاغوت کو کسی بھی ہتھیار وتدبیر سے اتنا خوف وخطرہ نہیں ہوتا جتنا کہ جہاد کے نام سے، یہی وہ بات تھی کہ برطانیہ نے منحوس مزاج، بے دین، دشمنان جہاد کا سہارا لے کر کچھ جھوٹے خسیس لوگوں کو جھوٹی نبوت کا جھوٹا، اور باطل نبی کا لبادہ اوڑھا کر، کچھ کو مصنوعی ولایت کے جھوٹا ولی کا لباس اوڑھا کر اپنے الو سیدھا کرنے کی خاطر ان کی آخرت تباہ کر کے صرف ان سے یہی ایک کام لیا کہ تم فتویٰ دے کر مسلمانوں کو جہاد سے منع کرو، اور جہاد کو منسوخ کہہ کر اس کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے نکالو، اور بس۔ مرزا غلام قادیانی انگریزوں کا پروردہ اور نبوت کا جھوٹا دعوے دار اسی مقصد کے لئے کام آیا، اور واضح طور پر کہا کہ میں پچاس الماریوں کی کتابیں انگریزوں کی وفاداری میں جہاد کے خلاف لکھ چکا ہوں، لاحول ولا قوۃ إلا باللہ۔

؎ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

آج جہادِ افغانستان اس کا منہ بولتا ثبوت ہے، وہاں کیا ہے؟ بدست ہاتھیوں کے ساتھ چیونٹیوں کی معرکہ آرائی ہے، چند نہتے اور بے سروسامان، غیر تربیت یافتہ، غیر مسلح، پیدل، بھوکے پیاسے، دنیاوی عیش وعشرتوں سے مستغنی، اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ پچاس ملکوں کے لاکھوں سپاہی، ہر قسم کے جدید زمینی وفضائی ہتھیاروں سے لیس، تمام نازنخروں اور عیش وعشرتوں میں پھلتے پھولتے، دنیا کی مانی ہوئی تربیت یافتہ افواج، اور ان کے متعلقہ ملکوں کو لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کئے ہوئے ہیں۔ ہر چند بھاگنے اور میدان خالی کرنے کا بہانہ تلاش کررہے ہیں، یہ انہیں بھاگنے پر مجبور کرنے کے باوجود بھاگنے نہیں دیتے۔ یہ ہے نصرت خداوندی، اور یہ ہے ربّ العٰلمین کی ربوبیت، یہ ہے فضاءِ بدر، یہ ہے رئیس المجاہدین محمد عربی ﷺ کا معجزہ، یہ ہے حقانیت اسلام۔ یہ نصرت الٰہی نہیں تو اور کیا ہے؟ زمانہ اپنا ماضی دہرا رہا ہے، طالوت کے لشکر سے لے کر بدر تک، وہاں سے لے کر یرموک تک، وہاں سے لے کر محمد بن قاسم، عقبہ بن نافع، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد تک، وہاں سے کابل وافغانستان تک، اِن شاء اللہ یہاں سے فتح بیت المقدس اور قتل عدو اللہ سب کافروں کے سردار دجال تک، اور یہ تمام اتحادی اور ان کے حواری مسلسل چیخ رہے ہیں، اور اپنے ہمنوا ونمک خور علماء سے فتویٰ لے رہے ہیں کہ یہ خودکش حملے (فدائی حملے) جائز نہیں ہیں، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اگر اسلام پر فیصلہ چھوڑنا ہے تو اسلام تمہاری بربریت کی بھی اجازت نہیں دیتا، کہ بیس ہزار میل سے آکر مختلف ملکوں میں محض اپنے مذموم مفادات کی خاطر مسلمانوں کی نسل کشی کرو، اور لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہاؤ، شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کرو، املاک کو تباہ کرو، عورتوں کی عصمتوں کو پامال کرو، آبادیوں کو تہہ وبالا کرو، مساجد ومدارس، کالج وسکولوں کو ویران کرو، علمائے کرام کو شہید کرو، وغیرہ۔ اس کے باوجود خود کو تہذیب یافتہ، امن پسند کہو، اور پوری دنیا کو یہ باور کراؤ کہ ہم دہشت گردی ختم کرنے آئے ہیں، درا صل خود ہی دہشت گرد ہو، اور اتنے بے رحم وبے انصاف ظالم ہو کہ لوگوں کو ناحق بلاوجہ مارتے ہو، اور ان سے حق دفاع سلب کر کے انہیں دہشت گرد کہتے ہو۔ اگر ایک پورا خاندان تمہارے ظلم وبربریت کا شکار ہو کر تباہ ہو جائے، جس کا صرف ایک فرد زندہ رہے، تو اسے اپنی زندگی کا کیا مزہ آئے گا؟ وہ مجبور ہو کر اس قسم کا حملہ کرے گا جس کو تم خودکش اور خودکشی سے تعبیر کرتے ہو۔

بحث یازدہم:

ربّ العٰلمین کی ربوبیت اسماءِ حسنیٰ کی روشنی میں:

حضرت الشیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ربّ العزت سبحانہ کے اسماء حسنیٰ ہزاروں میں ہیں۔ تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مفسرین حضرات کا بھی یہی خیال ہے کہ اسماء حسنیٰ تقریباً چار ہزار یا اس سے زائد ہیں۔

الاسماء الحسنیٰ:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار اسماء الحسنیٰ تورات میں، ایک ہزار انجیل میں، ایک ہزار زبور میں، اور ایک ہزار قرآن وسنت میں، یہ چار ہزار اسماء الحسنیٰ ہوئے، اور جو قرآن وسنت میں ہیں وہ سارے عربی میں ہیں، اور گزشتہ آسمانی کتابوں میں جو تھے وہ انہی زبانوں اور لغات میں تھے۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی کوئی ایسی آیت نہیں جس میں اسماء حسنیٰ میں سے کسی ایک کی خوشبو اور جھلک نہ ہو، ہر آیت میں ان پاکیزہ اسماء کا رنگ واثر ضرور موجود ہے، جو شخص ہر آیت میں ادنیٰ غور اور توجہ مبذول کرے گا وہ اس مقصد کو ایسا پائے گا جیسے کوئی کسی شیشہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی شکل وصورت دیکھے۔ اسی طرح تمام کائنات کی مخلوقات میں، خواہ جمادات ہوں یا از قسم نباتات، اسی طرح خشکی اور دریائی حیوانات، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں میں بھی اسماء حسنیٰ کا رنگ وجھلک نہایت واضح نظر آئے گا۔ کوئی ایسی مخلوق نہیں جس میں یہ رنگ وجھلک واضح طور پر موجود نہ ہو، اور اگر کوئی اشرف المخلوقات انسان میں یہ دیکھنا چاہے تو سب سے زیادہ واضح ربوبیت کی تصویر نمایاں ہے۔ آپ دیکھیں! شکم مادر میں چند ایک قطرے چلے جاتے ہیں تو ان سے یہ خوب صورت انسان پیدا ہو جاتا ہے، اور شکم مادر میں ایک حساس طاقتور عضو ہے، جو اس کی نگہداشت اور تربیت کرتا ہے، اور پانی کے ان قطروں کی حفاظت کرتا ہے، انہیں خون پلاتا رہتا ہے، اور ایک خاص مدت تک اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے، اور پھر تکمیل کے بعد اسے باہر پھینک دیتا ہے۔ وہ عضو نہ تو خود مختار ہے نہ خود تخلیق کا کام انجام دے سکتا ہے، اور نہ مادر و پدر کو یہ پتہ چلتا ہے کہ حمل ٹھہر گیا ہے، اور نہ انہیں اس کے اندرونی انقلاب اور تبدیلی کا حال معلوم ہوتا ہے، نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بچہ کب اور کس وقت کس نوعیت کے ساتھ پیدا ہو جائے گا۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کرد است بر آب صورت گری
(سعدی)

اور جب پیدا ہوتا ہے تو اپنا رزق ساتھ لاتا ہے، جس میں مناسب شکر ونمک، وٹامن وذائقہ اور قوت شامل ہوتا ہے، اور ماں کو پتا نہیں چلتا کہ وہ دودھ جو پلا رہی ہے کب اور کیسے بنا؟ کتنی مقدار میں بنا؟ اس کے سرخ خون نے سفید وبراق دودھ کی شکل کیسے اختیار کی؟ اس میں مٹھاس کہاں سے آئی؟ پھر بغیر علم وکوشش اور سعی کے اس خشک سینے سے دوفوارے جوش مارتے ہوئے کیسے پیدا ہوئے؟ پھر اس بچے کے اعضاء بغیر اس کے اور اس کے والدین کی کوشش واختیار کے دن رات کیسے تناسب کے ساتھ بڑھتے رہے؟ کہ ہر عضو کو اس کی مناسب غذا پہنچتی رہی۔ کسی کو خون، کسی کو پانی، کسی کو بلغم، کسی کو سوداء، کسی کو صفراء، اور ہر غدود کو اس کی مناسب مقدار میں غذا پہنچی، اور ہر رگ وریشہ کو مناسب رزق ملا۔ بچے کو صرف ایک غذا دودھ پلایا گیا، اسی دودھ نے اندر جا کر کتنی شکل وصورت پیدا کرلی، اور یہ غذا ہضم ہوکر دونوں فضلات کیسے خارج ہوئے؟ اور اس دودھ سے آنکھوں کی روشنی کیلئے بیٹری کیسے تیار ہوئی؟ قوت سماعت کیسے پیدا ہوئی؟ رگوں میں خون اور بدن کو گوشت کیسے مہیا ہوا؟ وغیرہ۔

اگر کوئی مغرب زدہ یورپ کا پجاری یہ کہے کہ یہ سارے کام دل اور جگر، گردے اور تلی نے انجام دیئے تو بتایئے کہ ان اعضاء رئیسہ نے یہ کام کہاں سے سیکھے؟ اور وہ خود کس کی پیداوار اور مخلوق ہیں؟ وہ کوئی اور کام کیوں انجام نہیں دیتے؟ انہیں اس کام کی انجام دہی کی قوت واستعداد کس نے مہیا کی؟ سفید دودھ میں سرخی کہاں سے آئی؟ خشک روٹی میں خون بننے کی استعداد کس نے پیدا کی؟ تم ایک تیار لوہے کو جس طرح چاہو، جیسے چاہو، ہزاروں مختلف شکل وصورت میں تبدیل کرکے اوزار، پرزے اور اسلحہ بناؤ، پھر اپنی عقل ودانش اور کاریگری پر ناز کرو بجا ہے۔ مگر ذرا یہ بتاؤ کہ یہ عقل تم کہاں سے لائے؟ یہ کس نے دی؟ اور حیوانات کو چھوڑ کر یہ تمہیں کیوں عطاء ہوئی؟ مگر یہ بتاؤ کہ کیا تم لوہے کو محنت کرکے سونے میں تبدیل کرسکتے ہو؟ کیا ایک دھات سے دوسری دھات بنا سکتے ہو؟ کیا لوہے پر محنت کرکے اس کو خون، بلغم وصفراء میں تبدیل کرسکتے ہو؟ مٹی پر محنت کرکے اس کو منی یا ہڈی یا جگر یا دل یا گردہ بنا سکتے ہو؟ یا ان بے شمار مصنوعات میں جان اور روح ڈال سکتے ہو؟ کیا اپنے بدن اور وجود سے موت کو ٹال سکتے ہو؟ ان سب کا جواب نفی میں ہوگا۔ تو ماننا پڑے گا کہ اوپر سے ایک ماوراء مخفی قوت موجود ہے، جس کے حکم وچاہت سے یہ سارا نظام اور دستور العمل چل رہا ہے، اسی کا نام ہے رَبُّ الْعٰلَمِیْن، جس نے مٹی سے منی بنائی۔ منی کے قطروں کو خون بنایا۔ خون سے گوشت، پوست، ہڈی، رگ وریشہ، دل، جگر، دماغ وسوچ، آنکھیں، سماعت اور بے شمار متضاد اعضاء جواہرات

واعصاب اور اعراض ترتیب دیئے، جس سے عالم صغیر انسان بنا۔ اس کے بدن واعضاء بناوٹ وترتیب کا مطالعہ کرکے تم نے اپنے لئے ایک لامحدود مشینری، اوزار اور مصنوعات کا جال بچھایا۔ یہ سب ربّ العٰلمین کی ربوبیت وکاریگری کی مرہون منت ہے، اور فرمایا: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:۸] (اور ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کو تم نہیں جانتے)۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ایک مچھر اور مکھی، یا ان سے کم تر کوئی مخلوق اگر سارا جہاں ملکر پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں کرسکتا۔

اگر کوئی ظاہر بین، مناظر قدرت سے خالی دامن، نابینا یہ کہے کہ ان چیزوں میں پہلے سے سرخ ذرات موجود تھے، تو ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ سرخ ذرات ازخود پیدا ہوئے یا کسی نے پیدا کئے؟ اگر اسباب کا سہارا لیتے چلے جاؤ گے تو تھک کر خود ہی لاجواب ہو جاؤ گے، اور ضرور ایک مسبب الاسباب کو مان کر ہی گلوخلاصی ہوگی۔

یہ دنیا عالم کبیر ہے، اور اتنا وسیع وعریض جہاں ہے، اور یہ بے چارہ انسان عالم صغیر اس کی وسعتوں کا کیا احاطہ کرسکتا ہے؟ اس کے اندر سمندر، دریا، پہاڑ، راہیں، آبشاریں، لاسلکی تار، بجلی، ٹیلیفون، ٹیلیویژن، راڈار، کمپیوٹر، پرنٹنگ پریس، کیمرہ، انجن، کارخانے، فیکٹریاں، مشین غرض سب کچھ ہے۔ دیکھ لو، اور خوب غور سے دیکھو، اور حقیقی کاریگر مصوّر کو بھی دیکھو، اور یاد کرو کہ یہ سب کچھ کس کا ہے؟ اور کس کا عطا کردہ ہے؟

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں

یا معدن وکوہ ودشت ودریا دیکھوں

ہر جا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے ☆ حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

دہریت اور کیموزنم بالشکوک پارٹی کے بانی لینن جس نے کہا تھا کہ سویت یونین کی سرزمین سے ہم نے خدا کا تصور ہمیشہ کیلئے ختم کیا۔ اس کی بیٹی، جو باپ سے بھی دو قدم آگے تھی، اس نے اپنے باپ کو مرتے وقت نہایت نزدیکی سے دیکھا، جس کے مرنے کا منظر نہایت حیران کن اور عجیب تھا، باپ کے مرنے کے بعد پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ میں دنیا سے دل برداشتہ ہوگئی ہوں، میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ کائنات میں کوئی طاقت ضرور موجود ہے جس تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے، جو ہماری تدبیروں کو ناکارہ بنانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

کاش یہ ظلوم وجہول انسان بغاوت وسرکشی چھوڑ کر اپنے ربّ جل جلالہ کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتا، اور انبیاء

کرام علیہم السلام کے مقدس فرامین وتعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اپنی ذات کی دشمنی سے بچ جاتا، اور عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرکے سعادت دارین کا مستحق بن جاتا، اور ہمیشہ کیلئے نجات پالیتا۔

اسماء حسنیٰ:

ان مبارک پاکیزہ ناموں کی کثرت مسمّٰی کی عظمت وجلال، اور بے پناہ بزرگی کی نشانی ہے۔ سارے عالم میں ظاہر یا پوشیدہ کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے جس کا ربط وتعلق کسی اسم مبارک کے ساتھ نہ ہو۔ یہ پورا نظام اور اس کی نشوو نما، تروتازگی، حیات وبقاء انہیں مبارک ناموں کے مرہون منت ہے، اور ہر مخلوق خواہ وہ کوئی بھی ہو انہیں پاکیزہ ناموں کا ورد اور وظیفہ جاری رکھ کر حیات وزندگی حاصل کررہی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ درخت کی شاخ اس وقت خشک ہوجاتی ہے جب اس تک پانی نہیں پہنچتا، اسی طرح حمد ثناء باری تعالیٰ جہاں منقطع ہوگا وہاں مخلوقات پر بربادی وتباہی آجاتی ہے۔ ہر شجر وحجر، ہر پرندہ وہر سبزہ اسی حمد وثناء کی برکت سے بقاء وحیات حاصل کررہی ہے۔ ہر مخلوق کے ساتھ الگ الگ اسماء حسنی کا تعلق قائم ہے۔ انسان کا شمار افضل الذاکرین میں ہے، اس کو چاہئے کہ اپنے مطالبات اور بے شمار حاجات دنیا وآخرت کیلئے انہی مبارک ناموں کا انتخاب کرکے اس کا ورد جاری رکھے۔ غنا حاصل کرنے کیلئے "يامغني" بیماری سے شفاء پانے کیلئے "ياشافي" علم کیلئے "ياعليم" روشنی کیلئے "يانور" حفاظت کیلئے "ياحفيظ" کا ورد جاری رکھیں، علیٰ ہذا القیاس۔ ہر مطلب وہر مقصد کیلئے اسی کی مناسبت کا خیال رکھے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ان اسماء کے وسیلہ سے دعاء کرتے ہیں۔ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [أعراف: ۱۸۰] (اللہ ہی کیلئے ہیں مبارک نام، انہی کے وسیلہ سے دعاء مانگا کرو)۔

ربّ العزّت سبحانہ کے سارے نام توقیفی، مسموعی وماثور ہیں، قیاس وظن اور ہر قسم کی تخمینوں سے بالاتر ہیں۔

جس طرح ذات باری تعالیٰ سبحانہ ہر عظمت وبلندی کا مالک ہے، یہی شان اسماء حسنیٰ کی بھی ہے۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن لله تعالىٰ تسعة وتسعين اسما من أحصاها دخل الجنة۔ [متفق عليه]

حدیث پاک میں ننانوے ناموں کے تذکرے سے حصر مقصود نہیں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں مفرد ومرکب بہت سے دیگر اسماء کا بھی ذکر ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اسماء حسنیٰ کو تفصیلاً روایت کیا ہے، مگر بہت سارے اسماء

وہاں بھی مذکور نہیں مثلاً:

الرّب	العالم	العلّام	الخلّاق	الوتر	الميسّر	السامع	القاهر
المريد	الرّفيع	المنعم	الوسيع	الحافظ	المعطي	الستار	الوحيد
الجميل	القدير	المقتدر	الولي	الشافي	الجابر	السبوح	الوهاب
الحاكم	الحكم	المفيد	المليك	المجير	الحنّان	المنّان	الديّان
التائب	الصادق	القديم	الصانع	الشاكر	المولٰى	الستير	الحيي
الكاشف	الطيّب	المحيط	الفعّال	المدبّر	الفاطر	الكفيل	الوفي
الوافي	المغيث	الموفّق	الجوّاد	الرفيق	الكافي	القاضي	العادل
الرّازق	الناجي	المنجي	البار	الراشد	الأمان	الأكبر	الأقرب
المحسن	المجمل	المفضل	المنير	الغالب	الصاحب	الطاهر	الشاهد
الناظر	المحمود	السريع	الشديد	المنزل	المترقب	المظهر	الواضع
الشارع	العماد	السند	الذخر	المنقذ	الحرز	الفرد	الكنز

اس کے علاوہ اور بھی اسماء حسنیٰ ہیں، جو کہ تتبع وتلاش کے بعد معلوم ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح چند مرکب اسماء جو اکثر دعاؤں اور مناجاتوں میں مذکور ہیں، مثلاً:

أرحم الراحمين، مسهل المشكلات، خير الرّازقين، خير الرّاحمين، مفتح الأبواب، قاضي الحاجات، دافع البليات، جامع الناس، ذو الفضل العظيم، ذو انتقام، ذو القوة المتين، راحم المساكين، أول الأولين، آخر الآخرين، شديد العقاب، سريع الحساب، باسط اليدين بالرحمة، عظيم العفو، حسن التجاوز، مفرج المكروبين، مروّح المكروبين، مصرّف القلوب، مقلّب القلوب، مثبت القلوب، رب العزّت، رب العٰلمين، فاطر السمٰوٰت والأرض، غافر الذنب، قابل التوب، شديد البطش، ذو الطّول، ذو العرش المجيد، مجيب الدعوات، فعّال لمايريد، غياث المستغيثين، أمان الخائفين، رب العرش الكريم، ذو المجد والكرم، أكرم الأكرمين، أجود الأجودين، عالم الغيب، علّام الغيوب، كاشف

الغمّ، فارج الهمّ، رحمٰن الدنیاو الآخرة، رحیم الآخرة، کنز الفقراء، عظیم الرجاء، منقذ الهلکیٰ، رافع الدرجات، بارئ المسموکات، ولي الإحسان، حرز الضعفاء، رافع السمٰوٰت، خیر الناصرین، أحسن الخالقین، خیر المعطین، بدیع السمٰوٰت و الأرض، فالق الحب و النویٰ، علیم بذات الصدور، سامع الدعاء، منتهیٰ العائذین، صریخ المستصرخین، واسع المغفرۃ۔

ان کے علاوہ اور بہت سے مبارک مرکب اسماء ہیں، رزقنا اللہ الاستغاثة بأسماء ہ الحسنیٰ آمین۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جوفہرست بیان کی ہے یہ اسماء مبارکہ اس میں شامل نہیں ہیں۔

بنیادی بات یہ ہے کہ تینوں عالم، دنیا، برزخ اور عالم آخرت کے ساتھ اسماءِ حسنیٰ کا ربط وتعلق حقیقی ہے، کیونکہ ربّ العزّت سبحانہ قدیم اورواجب الوجود جیسی صفات سے بالذات علی الدوام موصوف ہے۔ اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں، جن کا انفکاک عن الموصوف جائز نہیں ہے۔ بقول حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ان مبارک ناموں کے معانی اور تقاضوں کے ساتھ عالم کا قیام وبقاء بطورلزوم ہے، جب تک یہ تمام تقاضے اور سارے مطالب پورے نہیں ہوں گے اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، اور جب تقاضے سارے پورے ہوجائیں گے تو اتمامِ حجت بھی مکمل ہوگی، جو قیامت کیلئے پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

سورۃ الفاتحہ خلاصۃ القرآن الکریم ہے، اورقرآن حکیم خلاصۃ الکتب السماویہ کے ساتھ خلاصۂ لوح محفوظ بھی ہے، اوربسم اللہ الرحمن الرحیم خلاصۃ الفاتحہ قرار پائی، جس میں تینوں مبارک اسماء مذکور ہوئے۔ اول ایجاد، دوسرے ابقاء، تیسرے الرحیم سے انتاج عالم پردلالت ہوئی، توتینوں عالم اس میں شامل ہوگئے۔ ان میں الرحمن صفت کاتعلق دنیااور برزخ دونوں کے ساتھ مضبوط ہے، کیونکہ دنیامیں دعاء، استغفار، تلاوت قرآن، طاعات، صدقات اور صدقات جاریہ وغیرہ کاثواب مسلسل اموات کوبرزخ میں پہنچتارہے گا، باذن اللہ۔ اسی طرح بداعمالیوں کی سزابھی گناہ گاروں کوبرزخ میں پہنچتی رہے گی، اور جب تسمیہ میں اسم ذات آگیاتوایسا سمجھو کہ تمام صفات باری تعالیٰ داخل وشامل ہوگئیں، کیونکہ موصوف کے اندر بدون ذکرصفات خودبخود ساری صفات ملحوظ رہتی ہیں۔ پس اگرکوئی شخص دعاء میں یااللہ کہے گاتومعنی یہ ہوگاکہ اے وہ ذات جوتمام صفات کمالیہ سے موصوف ومتصف ہو، تویااللہ کہنے والے نے گویاکہ اللہ تعالیٰ کوجمیع صفات کے ساتھ پکارا، مزیدصفات ذکرکرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں! توضیح وتعیین کی خاطر اگرکوئی صفت ذکر ہوتوبہتر

ہے، جیسے کہ تسمیہ میں اسم ذات کے ساتھ دونوں صفات الرحمن اور الرحیم مذکور ہوئیں تکثیر أ للفائدة تتميماً للدلالة۔ کیونکہ جب مخلوقات کی صفات عارضی ہوتی ہیں پھر بھی موصوف اپنی صفات کے ساتھ ملحوظ رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ واجب الوجود کی ذاتی صفات کا کیا کہنا؟ وہ تو ذات سے ہرگز الگ نہیں ہو سکتیں۔

اسماء حسنیٰ سارے ایک جیسے نہیں ہیں۔ ہر ایک کے الفاظ، کلمات، معانی، اغراض، تقاضے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں، یہی تعدد و کثرت کی نشانی ہے، جیسے اکثر عام صیغوں اور کلمات کا حال ہے، پس جو معنیٰ علیم کے ہیں وہ حکیم کے نہیں ہیں، علیٰ ہذا القیاس۔ اور یہی اصلی بنیادی مسئلہ ہے کہ اَسّی ہزار عالم مختلف الحقائق واَحوال، مختلف منافع واغراض، مختلف الوجود وبقاء پر مشتمل کائنات کی خلقت کا نظام تربیت، اصلاح وترقی، نتائج وعواقب وغیرہ ان مختلف اسماء وصفات باری تعالیٰ کی نگہداشت وحفاظت اور حمایت میں موجود اور باقی رہتے ہیں، اور آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صفت تخلیق ورزق، وصفت اِبقاء ونتیجہ جس کا تعلق انسانوں کے ساتھ الگ اندازے کے ساتھ ہے، حیوانات اور دیگر مخلوقات کے ساتھ دوسرے اندازے کے ساتھ ہوگا۔ یہ ہر چیز میں بدیہی اور واضح ہے، اور حدیث میں ارشاد ہے: لن تموت نفس حتیٰ تستکمل رزقها۔ [الحدیث] (یعنی کوئی جان ہرگز اس وقت تک نہیں مرے گی جب تک کہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے)۔

جب یہ سارے تقاضے پورے ہوں گے، اور صفت الرحمن عزّ شانہ اس پر محیط ہوگی، تو اتمام حجت ہو جائے گی، اور بس۔ اسی طرح موجودہ زمانہ کی حیران کن ایجادات جو آئے دن بڑھتی رہتی ہیں، اور انسانی مصنوعات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، مشرق ومغرب آپس میں مل کر ایک آواز میں منسلک ہو گئے ہیں، بلکہ مشرق کا فوٹو وعکس مغرب میں نظر آ رہا ہے۔ مختصر مدت میں انسان بذریعۂ جنگی طیارہ ہزار میل کی مسافت طے کر کے کہاں سے کہاں تک پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ آنے والے دنوں میں مزید ترقی کے کیا کیا مدارج طے ہوں گے؟ یہ سارے ربّ العزت سبحانہ کے صفاتی تقاضے ہیں، جن کی کسی نہ کسی حدیث میں زبان نبوت سے اطلاع اور خبر دی گئی تھی۔ ماضی کے مسلمان حسنِ ظن اور صداقت کی بنیاد پر ان چیزوں پر ایمان لائے، اور کیفیتِ مشاہدہ ووجود اشیاء سے مستغنی رہے، جبکہ موجودہ وقت کے لوگ ان ایمانی صداقتوں سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا انہیں بالمشاہدہ عیاناً دکھانا پڑا جو کہ سلسلہ چل رہا ہے، اور اتمام حجت کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾

[الکھف:۴۹] (جو کچھ دنیا میں کیا تھا وہ سامنے پائیں گے)۔دیکھیں! یہ مسئلہ موجودہ کمپیوٹر، ویڈیو،ٹی وی نے حل کیا ،جو پہلے ایمان بالغیب کے درجہ میں تھا،اب مشاہدہ میں آ گیا۔

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ ایک وقت تمہارے ہاتھ کی چھڑی (چابک) بات کرے گی،اس کی ماضی کے مسلمانوں نے ایمان بالغیب کہہ کر تصدیق کر لی،اب ہمارے زمانہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ٹیپ ریکارڈ،موبائل،ہاتھ کی چھڑی وغیرہ بات کر رہے ہیں۔غرض یہ کہ یہ ساری پیشیں گوئیاں مشاہدے میں آ کر اتمام حجت کا راستہ صاف کر رہی ہیں۔

فائدہ:

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا کہ "من أحصاها أي حفظها" یعنی جو کوئی ان ننانوے اسماء حسنیٰ کو زبانی یاد کرے گا اس کو دخول جنت نصیب ہو گا۔بڑی خوش قسمتی ہو گی کہ ہر مسلمان ان کو یاد کر کے حرز جان بنائے،اور ہر نماز کے بعد پابندی کے ساتھ ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر بعد میں ان مبارک اسماء کی ایک مرتبہ تلاوت کرے،زہے نصیب وسعادت!

اس پر صرف دو تین منٹ صرف ہوں گے،اور کروڑوں کا ثواب ملے گا،کیوں نہیں یہ اس ذات پاک کے نام ہیں جس کے احسانات کا کوئی اندازہ نہیں۔ماں باپ اور سارے جہاں سے زیادہ مہربان ہے اور لطف یہ ہے کہ ثواب کے علاوہ اس ناکارہ بندہ کے ساتھ اس کا تعلق پختہ ومضبوط رہے گا۔اس کے علاوہ دینی ودنیوی بے شمار مقاصد وحاجات بھی پوری ہو جائیں گی۔بدقسمتی ہو گی کہ ہم نے ہزاروں بازاری چیزوں کے نام تو یاد کئے ہیں اور اپنے رب بلکہ کائنات کے رب کے نام یاد نہیں کئے روز قیامت کتنی ندامت ہو گی۔یہ اس کا لطف وذرہ نوازی ہے کہ ہم جیسے ناکاروں کو اپنے پاکیزہ ناموں کے پڑھنے کا اہل بنایا۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ☆ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

دوم یہ کہ اس کے پسندیدہ اور پاکیزہ ناموں کے معانی واثر،کیفیت ورنگ اپنے اندر پیدا کیا جائے۔یہی مطلب ہے **تخلقوا بأخلاق الله** کا۔**الرحمن الرحیم** کا مطلب شفقت ورحمت اپنے اندر پیدا کرنا۔**القدوس** یعنی پاک،اپنے ظاہر وباطن،قلب ولسان کو صاف ستھرا رکھنا۔**السلام** سلامتی دینے والا۔**المسلم من سلم المسلمون من**

لسانہ ویدہ۔[الحدیث] کیا بڑی خوش قسمتی ہو گی کہ یہ مبارک اسماء حسنی زبانی یاد بھی ہوں اور عملاً بھی۔ اللّٰھم ارزقنا و جمیع عبادک من إخواننا واغفر لأمۃ محمد صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم۔

بحث دوازدہم:

ربّ العلمین کی تربیت وربوبیت کا عجیب وغریب رنگ:

سارا جہاں چاروں سمت میں ربّ العزّت سبحانہ کی ربوبیت کا عجیب منظر پیش کر رہا ہے۔ تمام مخلوقات اور ان کی بود و باش اور روزمرہ کے اعمال و کردار جس اختلافی اور متعدد مناہج پر چل رہے ہیں وہ قابل غور ہیں، یہ متعدد مختلف مناظر ہی انسانوں کی ترقی وخوشحالی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ ان مختلف رنگ و نیرنگیوں سے قدرت کے کمال و کرشمے نظر آئیں گے ایک ایک مخلوق کئی مناظر پیش کر رہی ہے۔ اگر چند ایک لوگ ان تمام مناظر کو نوٹ کرنا چاہیں تو صدیوں تک ان کا احاطہ نہیں ہو سکے گا۔ دیکھیں! قدرت نے انسانی ضروریات کیلئے جتنے خانے مقرر کئے ہیں اور ان میں سے ہر خانہ میں جدا رنگ بھر دیا ہے، جس سے جہاں کی بوقلمی روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ انسان کو دیکھیں! کہ اس کو اپنی زندگی میں کتنے ادوار اور حالات سے گزرنا پڑتا ہے، اور نظام حیات وبقاء عالم کیلئے اس کو کتنے مدار پر چلنا پڑتا ہے، اور روزمرہ زندگی کی فلاح وکامیابی کیلئے کتنے دروازوں پر دستک دینی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے زندگی کے بے شمار شعبے اور مدارج ہیں جنہیں ہر وقت انسان اپنی محنت سے زندہ رکھنے کا مکلف ہے۔ اگر کسی ایک شعبے کو تھوڑی دیر کیلئے نظرانداز کیا گیا تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ پھر جتنے شعبے ہوں گے ان کی تربیت اور نگرانی کیلئے تکوینی طور پر قدرت نے رجال کار بھی پیدا کئے ہیں، کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ لوگ وہ کام انجام دیدیتے ہیں۔ آپ صحراؤں، شہروں، بازاروں، محلوں اور گھروں میں ضروریات زندگی کی مصنوعی اشیاء مختلف صنعت اور مختلف بناوٹ، مختلف استعمال، مختلف قیمت کی چیزوں کو دیکھیں، اور ان کی فراہمی اور صنعتوں پر توجہ کریں، تو آپ کو فوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ کسی بالائی نظام وتربیت کا ضابطہ و قانون ہدایت ورہنمائی موجود ہے، جس کی بدولت یہ مربوط نظام چل رہا ہے۔ مختلف شکل وصورت، مختلف الاستعمال، مختلف شہروں میں مختلف کاریگروں کے ہاتھوں یہ تمام چیزیں مرتب ہو کر مختلف ملکوں، شہروں، قصبوں، صحراؤں میں پہنچ رہی ہیں۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک خوراک وغذاء تک اور تازہ ماکول ومشروب دستیاب ہے، علیٰ ہذا القیاس ۔ملکی اور شہری نظام زندگی سلسلہ وار جو قائم ہے یہ پورا نظام ربّ العلمین کی ربوبیت کی نشانی بھی ہے، اور القائی بھی۔ ایک

ادنیٰ سوئی بٹن اور دھاگہ سے لے کر اعلیٰ ضروریات زندگی کی اشیاء تک۔

دراصل اسماء حسنیٰ میں سے الجامع، الباري، الفتاح، الرزاق وغیرہ کے تقاضے ایسے ہوتے ہیں جن کا بیان گزر گیا، اللہ تعالیٰ ہی مدبر الاشیاء والامور ہے، اور ان کا اصلی مالک بھی، کبھی کسی انسان کو دنیا میں مہمل نہیں رکھا۔ کوئی نہ کوئی ہنر و پیشہ اسے سکھایا، جس سے نظام عالم کو آباد و خوشحال رکھا۔ دیکھو! زراعت، تجارت، صنعت، حرفت، علم و ہنر علیٰ ہذا القیاس، سینکڑوں پیشے ہیں، جنہیں مختلف طبقات پر تقسیم فرمایا ہے۔ دینی اور دنیاوی، مادی اور روحانی طرز زندگی حضرت آدم اور حضرت ادریس علیہما السلام سے لے کر قیام قیامت تک مختلف طبقات اور مختلف لوگوں کے ذریعہ جاری فرما کر اپنی ربوبیت کے مناظر کو دنیا والوں پر عام کیا ہوا ہے۔ اگر وہ چاہتا سب کو امیر یا سب کو غریب بنا سکتا تھا، یا سب کو علماء و صلحا بنا نا اس کیلئے کیا مشکل تھا، مگر اس کی حکمت کا تقاضا کچھ اس طرح ہے کہ کائنات کے رنگ ہر محاذ پر مختلف اور دلکش ہوں۔ مشہور کہاوت ہے: لولا الحمقاء لبطلت الحکمۃ، اگر دنیا میں بیوقوف اور پاگل نہ ہوں تو علم وحکمت کی قدر دانی نہ ہو۔ یہ جہاں اضداد و اختلاف کا گھر ہے، اگر جہالت نہ ہو تو علم کی قدر نہ ہو، مرض نہ ہو تو تندرستی کی اہمیت ختم، بھوک نہ ہو تو سیری کا احترام نہ ہو، بڑھاپے اور ضعف ہی سے جوانی کی قیمت اور غم و پریشانی سے خوشی کی اہمیت، اور فقر و فاقہ کی بدولت مال و سرمایہ کا اندازہ و شکر معلوم ہوگا۔ تو زندگی کے جتنے شعبے ہیں تکوینی طور پر ان کی حفاظت و بقاء کی خاطر رب العزت سبحانہ نے اسباب پیدا کئے ہیں۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او اندر دلش انداختند

ہر محاذ زندگی، چاہے مادی ہو یا روحانی، از قسم معاش ہو یا سماج، صحت ہو یا سقم، تعلیم ہو یا صنعت، سب کیلئے قدرت نے رجال کار پیدا کئے ہیں۔ یہ سلسلہ ادنیٰ سے لے اعلیٰ تک، گھروں سے محلوں اور شہروں تک، ایک ملک سے دوسرے ملک تک پورے جہاں میں مربوط و منسلک ہے۔ یہ امر بطور خاندانی و قبائلی اور نسلی و توریثی طور پر نہیں، بلکہ جدوجہد و محنتوں کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ لوگ محنت و جان فشانی سے اسے حاصل کرتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ، امراء، وزراء، کی اولاد محروم رہتی ہے، اور غریبوں کی اولاد جدوجہد کے طفیل بڑے بڑے مناصب پر فائز ہو جاتی ہے۔ بہت سے عقلمند، دانشور، علماء، شاعر، ادیب اور اسی قسم کے لوگوں نے اپنی اولاد کی تربیت اور نگہداشت نہیں کی، یا قدرتی اور فطری

طور پر استعداد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد یہ مقام حاصل نہ کر پائی، تو ذلیل ہوگئی، اور مفلوک الحال غریب و پریشان حال لوگوں کی نسل جدو جہد کے ذریعہ کہاں سے کہاں پہنچی؟ یہ تو ایک ظاہری تخمینہ ہے۔ دراصل یہ سارے رنگ و روغن قدرت کی کارستانی کا نتیجہ ہے، اسی سے ربّ العزّت سبحانہ کی حکمتوں اور مصلحانہ فیصلوں کا پتہ چلتا ہے۔ بیٹا سیدنا ابراہیم علیہ السلام بت شکن ہیں، تو باپ آزر بت تراش ہے۔ نوح علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی، تو بیوی اور ایک بیٹا کافر ہیں۔ لوط علیہ السلام بھی نبیُ اللہ، تو بیوی کافرہ ہے۔ فرعون خدائی کا مدّعی، اور بیوی آسیہ مؤمنہ وصدیقہ ہیں۔ درزیوں، موچیوں، کوچوانوں، خدمتگاروں اور جاہلوں کی اولاد علماء، فضلاء، عباد وزہاد، مجاہد، فقہاء ومحدث ومفسر ہیں، اور اسی پاکیزہ طبقے کی اولاد نالائق، بے دین، جاہل، نہایت ذلیل وبیکار ہیں۔ باپ موحد ہے، تو بیٹا مشرک، والد سنی تو بیٹا رافضی یا برعکس۔ کچھ لوگ صدر اور وزیر قاضی اور جج ہوتے ہیں، تو ان کے والدین وخاندان مزدور پیشہ، یا برعکس۔

ے از ہنر پیدائش صد بے ہنر ☆ بے ہنر رادادۂ گنج وگہر

کور چشما نرا پسر نور نظر ☆ بے پسر گشتند صد عاقل پدر

اندھوں کی اولاد عقلمند وبینا، اور عقلمندوں کی اولاد نابینا وجاہل، ننگ مادر و پدر۔

وقتے افتاد فتنہ درشام

ہر کس از گوشہ فرا رفتند

روستازادگان دانشمند ☆ بوزیری بادشاہ رفتند

پسران وزیر ناقص عقل ☆ بگدائی بروستا رفتند

اللہ ربّ العزّت کی حکیمانہ شان کا اندازہ لگائیں! برصغیر ہندو پاک میں تقریباً تین سو سال کی تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہو جائے گا کہ اس پورے عرصہ میں لاکھوں کی تعداد میں علماء، محققین، صوفیا، مشائخ، فقہاء، مؤرخین، محدثین، شاعر اور عظیم دانشور پیدا ہوئے۔ یہ اتنا علمی زمانہ اور علم وحکمت کا زرخیز عرصہ گزرا ہے کہ ماضی قریب میں جس کی مثال نہیں ملتی، اور جس سے قرون اولیٰ کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ بدقسمتی سے ان مقتدر ہستیوں اور علماء کی بیشتر تعلیمات اور کارناموں پر انسانیت کے دشمن وبدخواہ برطانیہ نے ایک بے رحمانہ خوفناک چال کے ذریعہ پانی پھیر دیا، اور اس پورے خطے میں اپنا نصاب تعلیم جو کہ حقیقت میں نصابِ جہالت وارتداد ہے، جاری کر کے یہی کہا کہ

ہماری تعلیم سے یہ فائدہ ہوگا کہ یہاں کے لوگ نسلاً ہندوستانی رہیں گے، مگران کے دل دماغ اور خیالات انگریزی بنیں گے۔ چنانچہ اس ناروا سیلاب نے عالمِ اسلام کے اچھے خاصے عوامی طبقے کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر تباہ کیا۔ ہماری صفوں کے اندر سے ان کیلئے چیلے اور دشمنان اسلام پیدا ہو گئے، اور بہت سے فرقوں نے جنم لیا۔ خاص کر دو غلام (قادیانی و پرویزی) بد باطن و مرتد، ایک نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، اور دوسرے نے انکار حدیث کا نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا مغرب زدہ طبقہ جو کہ بظاہر اسلام کا مدعی ہے، اور ضمیر ودماغ اور خیالات سوچ وفکر کے لحاظ سے انگریزوں کا مداح ودلدادہ، اور ایجنٹ ہے۔ ضروری ہے کہ سارے اہل علم ذاتی مفادات کی قربانی دے کر متحد ہو جائیں، اور اللہ پاک کے بھروسہ پر ان اعداء اسلام کے عزائم کو خاک میں ملائیں۔

؎ منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہے سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے تو مسلمان بھی ایک

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے ☆ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

جن علماء کرام نے حطام دنیا کی خاطر عاجلہ کو آجلہ پر، دنیاوی مال واسباب کو آخرت پر، انگریزی تعلیم کو اسلامی تعلیم پر ترجیح دے کر اپنے پیاروں کو یہودیت کی راہ پر لگایا ہے، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اب بھی سجدہ سہو کر سکتے ہیں۔ یہ تھے وہ الفاظ جو مفکر اسلام حضرت مفتی محمود نور اللہ مرقدہ نے ایک جلسے میں ارشاد فرمائے تھے، جنہیں میں نے نوٹ کیا۔

شان ربوبیت اکتساب وانفاق شرعی:

اللہ رب العزت عزّ شانہ نے جس طرح دین کا نظام جاری فرمایا، تو دنیا کے درست کرنے کے لئے بھی انتظام فرمایا ہے، اور ایسے قوانین رکھے ہیں کہ دنیا وآخرت دونوں سدھر جائیں، یہ قانون اکتساب اور انفاق ہے۔ اس کی بنیاد یہ رکھی کہ ناحق اور باطل طریقوں سے مال کمانے پر بندش فرمائی، تاکہ حلال مال حاصل ہو اور حرام نہ آئے، کیونکہ حرام مال نہ آنے کی وجہ سے افراط زر نہ ہوگا، اور نرخ نہ چڑھیں گے۔ دوم یہ کہ ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا کہ کھانے پینے کی چیزوں

کو اس خیال سے جمع کر کے رکھ دینا کہ جب نرخ چڑھے گا تو فروخت کریں گے، اس کو اسلام نے انتہائی بڑا جرم کہا، اور سختی سے ممانعت فرمائی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”الجالب مرزوق و المحتكر ملعون“۔ [الحديث] تاجروں کو رزق ملے گا، اور ذخیرہ اندوز اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہوں گے، یعنی وہ لعنتی رہیں گے۔ ”جمع الفوائد“ میں حدیث ہے کہ جو شخص نرخ چڑھنے پر خوش ہو وہ بہت برا ہے، اور کم ہونے پر غمگین ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے کھانے کی چیزوں کو چالیس دن تک اس نیت سے بند کئے رکھا کہ نرخ زیادہ ہونے پر فروخت کروں گا، پھر تائب ہو کر اپنے ارادے کو فسخ کیا، اب اگر وہ سارا مال صدقہ خیرات کرے پھر بھی گناہ کا کفارہ اور معافی ممکن نہیں۔ آج کل غیر قانونی سمگلنگ کرنے والے لوگ برابر اس گناہ میں شریک ہیں، جو ایک ملک سے غیر قانونی رشوتیں دے کر دوسرے ملک میں بغیر اجازت کھانے کی اشیاء لے جا کر فروخت کر کے زیادہ منافع حاصل کرتے ہیں، اور یہاں کے لوگ مہنگائی اور قحط میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ لعنتی ہیں، ان کا مال خبیث و حرام ہے، اور بہت سخت گناہ گار اور ظالم لوگ ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک ڈاکوؤں سے زیادہ مجرم ہیں، اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ”الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله“۔ مخلوق یعنی لوگ اللہ ربّ العزّت کا کنبہ ہیں، ان کے ساتھ بھلائی کرنے والا اللہ کے نزدیک پسندیدہ شمار ہوگا، اور ان پر زیادتی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ظالم شمار ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اس شخص کا مجھ پر ایمان نہیں ہے جو پیٹ بھر کر سو جائے، اور وہ جانتا ہو کہ میرا پڑوسی بھوکا سو گیا ہے۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی غریب پڑوسی ضرور ہوگا، اور پڑوسی کے بارے میں ہمیشہ حضرت جبریل علیہ السلام سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خوف ہوتا تھا کہ ابھی حکم آئے گا کہ پڑوسی کو مال میں وارث بنایا جائے۔ ایک صحابی نے کسی شخص کے صوم و زکوٰۃ، نماز و صدقات کی بڑی تعریف بیان کی، اور کہا کہ البتہ وہ شخص ہمسایہ کے بارے قدرے اچھا نہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جہنمی کہا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پڑوسی کا بہت بڑا حق ہوتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت عزّ شانہ جس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے گا اسے اس قسم کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے گا، اور جسے محروم رکھے اسے توفیق نہیں بخشے گا۔ (یہ ساری حدیثیں مشکوٰۃ و مجمع الزوائد کی ہیں)۔

حکایت:

جلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حج کے موقعہ پر میدان مزدلفہ میں کچھ دیر کیلئے آرام کیا، خواب میں بشکل انسانی دوفرشتے آئے، ایک نے پوچھا کہ اس سال کتنے لوگ حج پر آئے؟ دوسرے نے جواب میں کہا کہ پانچ لاکھ۔ پھر پوچھا کہ کتنوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے جواب میں کہا کہ صرف پانچ کا، اور ایک ایسے شخص کا جو حج پر نہیں آسکا جس کا نام علی بن موفق موچی ہے، جو سوق سانین بغداد کا رہنے والا ہے۔ صبح جب بیدار ہوئے تو دل میں اس شخص کے دیدار کا شوق پیدا ہوا، کہ اس شخص کی تحقیق کر کے ضرور حقیقت معلوم کروں گا۔ احکامِ حج سے فارغ ہو کر بغداد پہنچے، اور لوگوں سے معلوم کر کے اس شخص کے گھر پہنچے، اور مسجد میں آکر اس کو پورا واقعہ سنایا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا کر بہت رویا، اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ دراصل میں نے حج کے شوق و تیاری میں کافی عرصہ انتظار میں گزارا، پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بمشکل تین ہزار درہم اکٹھے کئے، اور حج پر جانے کا ارادہ کیا، مگر اس دوران بیوی کو وضعِ حمل کی شکایت ہوئی، گھر گیا تو کھانے کیلئے کچھ نہ تھا، پڑوسی کے گھر گیا اس سے کھانے کیلئے کوئی چیز مانگی اس نے کہا کہ ایک چیز پک رہی ہے، مگر دے نہیں سکتا، کیونکہ وہ ہمارے لئے حلال اور تمہارے لئے حرام ہے۔ میں نے کہا یہ کیا بات ہے کہ تمہارے لئے یہ چیز حلال اور میرے لئے حرام ہے؟ اس نے کہا کہ تین دن سے سب بچے بھوکے ہیں، آج جب بھوک نے شدت اختیار کر لی تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مردار کھانے کی بھی اجازت دی ہے، اس لئے مردار گدھے کا گوشت کاٹ لایا ہوں، وہی پک رہا ہے۔ تو میں یہ سن کر گھر آیا، اور حج والے تمام (۳) ہزار درہم ان کو دیدیئے، اور حج نہ کر سکا۔ بعض کتابوں میں یہ واقعہ اور طریقے پر لکھا ہے، مگر مقصد ایک ہی ہے۔

مسئلہ:

علماء کرام فرماتے ہیں کہ شدت اضطرار میں جان بچانے کی خاطر حرام گوشت مثلاً گدھے وغیرہ کا گوشت حلال ہو جاتا ہے، پس اگر تقویٰ اختیار کر کے نہیں کھایا، اور مر گیا تو گنہگار ہوگا۔ اگر اس حالت میں کسی دوسرے انسان کا مال دستیاب ہوا، اور تقویٰ کی بناء پر نہیں کھایا، اور مر گیا تو بہت بڑا رتبہ وثواب حاصل ہوگا۔ اندازہ لگائیں کہ غیر کا مال اس اضطرار میں بھی حلال نہیں ہوتا۔ پس قیامت کی تباہی ہے ایسے لوگوں کیلئے جو بغیر خوف وخطرہ لوگوں کے مال کھاتے ہیں، اور جب روزِ قیامت آئیں گے، تو پہاڑوں کے برابر نیک اعمال کے ساتھ۔ جب حقدار اپنے حقوق وصول کرنے

آئیں گے، تو اس کی نیکیوں سے حقوق کی وصولی ہوگی، وہاں درہم و دینار کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ایک روپیہ میں سینکڑوں قبول شدہ نمازیں ان کو ملیں گی۔ تین روپیہ کے عوض پورا حج حقداروں کے حوالہ ہوگا، علیٰ ہذا القیاس دوسرے حقوق۔ اگر ان نیکیوں سے لوگوں کے حقوق پورے ادا ہوئے تو شکر ہے، اگر نیکیاں ختم ہوگئیں، اور کچھ حقوق باقی رہے، تو حکم ہوگا کہ حقداروں کے گناہ اس پر ڈال دو، اور جہنم روانہ کرو۔ کہاں گئیں وہ پہاڑوں جتنی نیکیاں؟ سب ضائع ہوگئیں، سرمایہ تباہ ہوا، نیکیوں کا فقیر و مسکین ہو کر جہنم رسید ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی شخص میری امت کا حقیقی مسکین کہلائے گا (نعوذ باللہ)، یہ حدیث صحاح ستہ کی ہے۔

مسلمانوں کو عبرت سیکھنی چاہئے، اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ روز قیامت دوسرون کا سودی کاروبار، شراب نوشی، زنا و دیگر گناہ ایک ایسے شخص پر رکھے جائیں جس نے یہ گناہ نہیں کئے؟ اور لوگوں کا مال بلا تأمل سمیٹ کر نوش جان کیا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے، آج کا معاشرہ کتنا خراب ہے، اور اچھے دیندار لوگ ان جرائم میں ملوث نظر آتے ہیں۔

گزشتہ واقعہ سے یہ اندازہ ہوگیا کہ پانچ لاکھ حاجیوں میں صرف پانچ کا حج قبول ہوا ہے، باقی کدھر گئے؟ حالانکہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں، اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی کے شاگرد ہیں۔ ہمارے زمانے میں حجاج کرام قریب قریب چالیس لاکھ کے لگ بھگ ہوتے ہیں، خدا جانے کتنوں کا حج قبول ہوتا ہے؟ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ حرام تو حرام ہی ہے، اگر حج کے پیسوں میں ایک مشکوک درہم ہو تو حج کی قبولیت مشکوک ہو جائے گی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے **"الدرة الفاخرة في كشف علوم الأخرة"** میں لکھا ہے کہ مشہور عابد و زاہد قاضی یحیی بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کی بعد از موت ربّ العزّت عزّ مجدہ کے حضور پیشی ہوئی۔ فرمایا: ہاں! بندہ کیا عمل لائے ہو؟ کہا: ستر حج لایا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ایک بھی قبول نہیں ہوا، پھر فرمایا: اور عمل بتاؤ۔ غالباً کہا تین ہزار ختم قرآن مجید۔ ارشاد ہوا کہ ایک بھی قبول نہیں ہوا۔ اللہ ربّ العزّت کتنا پاک اور کریم ہے، اور ہم کتنے ناپاک و لئیم ہیں، وہ پاکیزہ اعمال کا حکم دیتا ہے، اور ہم بغیر اخلاص ہزاروں نقائص سے بھرے ہوئے اعمال جمع کر کے شرمندہ نہیں ہوتے ، یا أسفی۔

مختصراً مطلب یہ ہوا کہ مال کمانے اور جمع کرنے سے اسلامی شریعت نے ہرگز منع نہیں کیا، نعم المال الصالح

للرجل الصالح حدیثِ پاک ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تارک الدنیا ہوتے ہوئے خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بڑے مالدار ہوئے۔ اگرچہ مسکنت اور فقر کی فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے، مگر حلال ذرائع سے مال حاصل کرنے کی اجازت عام ہے، لیکن شرعی قوانین وحدود کی پابندی ونگہداشت کے ساتھ۔ یہ احتیاط ضروری ہے کہ حرام تو کیا مشکوک کمائی بھی روز قیامت دردسر بن جاتی ہے۔ صحیحین میں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں ایک شخص نے زمین فروخت کی، دوسرے نے خرید لی، اور زمین ہموار کرنے لگا، اچانک سونے سے بھرا ہوا مٹکا برآمد ہوا، سوائے اللہ پاک کے کسی نے نہیں دیکھا، مگر وہ شخص ایماندار اور متقی تھا، مٹکے کو اٹھا کر سیدھا زمین کے پہلے مالک کے پاس پہنچا، اور کہنے لگا: برادر! آپ نے مجھ پر زمین بیچی ہے، سونا نہیں، ہاں لے لو اپنا یہ سونا۔ وہ شخص بھی ایماندار اور متقی تھا، کہنے لگا: سبحان اللہ! مجھے گنہگار نہ کرو، جب میں نے زمین فروخت کی تو اس کے اندر کا سب کچھ تمہارا ہو گیا۔ اب وہ اس کی منت ساجت کرتا ہے کہ لے لو، تمہارا حق ہے، اور یہ اس کی منت زاری کرتا ہے۔ یہ جھگڑا جاری رہا، آخر دونوں نے فیصلہ کیا کہ قاضی صاحب کے پاس جائیں گے، وہ جس طرح فیصلہ کرے۔ قاضی نے پوچھا کہ تمہاری اولاد کیا ہے؟ ایک نے کہا کہ میری لڑکی ہے، دوسرے نے کہا کہ میرا لڑکا ہے، قاضی صاحب نے فیصلہ سنایا کہ ان کا آپس میں نکاح کراؤ، اور یہ مال ان کو دیدو۔ بس فیصلہ قبول ہوا، اور مال دلہا ودلہن کے حصے میں آیا۔

اگر آج ہمارے معاشرہ میں اس عمل پر کوئی گامزن ہو تو اس کو جنت کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں، جنت خود چل کر اس کا استقبال کرے گی، اور اس کے پاس آجائے گی۔ اسی طرح اسلام نے ہمیں مال خرچ کرنے کے حدود وقواعد بھی بتلائے ہیں، کہ فضول خرچی سے اجتناب کرکے احتیاط وکفایت شعاری کے ساتھ خرچ کرنا چاہئے۔ اس میں ربّ العزّت کی رضامندی ہے، اور انفاق خیر کے کاموں میں کرو، نیکی کے کاموں میں، اور جو مصارف شریعت نے مقرر کئے انہی میں انفاق کی حوصلہ افزائی اور ترغیب دی ہے۔ جہاں اسراف وتبذیر ہو یا غلط مصارف ہوں، غیر شرعی ہوں، گناہ اور مکروہات ومنہیات ہوں، وہاں مال خرچ کرنے سے اجتناب اور بچنا ضروری ہے۔ کتب فقہ واحکام میں ان مسائل کی تفصیلات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کو صحیح عمل اور استقامت علی الشریعۃ کی توفیق دے آمین۔

دیکھیں! ہم لوگ اپنی زندگی میں خودمختار اور آزاد نہیں ہیں، ہمارے گلے اور گردنوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق ڈالا ہوا ہے۔ زہے نصیب کہ اس ذات کریم نے بندگی اور غلامی میں قبول فرمایا، اور اس ذات

اقدس نے امتی ہونے کی غلامی میں، اور پھر قرآن حکیم اور شریعت غرّا نے اپنی غلامی میں قبول فرمایا۔ ان ہستیوں کی غلامی پر فخر وخوشی ہو، اور اس غلامی پر لاکھوں آزادیاں قربان ہوں تو کم ہیں۔

دنیا، برزخ اور قیامت، تینوں جگہ یہ شرف وتمغہ نصیب ہو کہ ربّ العٰلمین عزّ شانہ فرمائے کہ یہ میرا بندہ ہے، خواجہ عالم ﷺ فرمائے کہ یہ میرا امتی ہے، قرآن پاک فرمائے یہ میرا چاہنے والا حکم ماننے والا ہے، مجموعی لقب عبادالرحمن کا حاصل ہو۔ اس کے برعکس ایک بہت بڑی خلقت ہو جن کو دنیا میں عروج ہو، مگر روز قیامت ان تینوں ہستیوں کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ ہم ان سے بیزار ہیں، یہ عبادالشیاطین کے لقب سے موسوم ہوں گے، اور تمام شفقتوں و بے پناہ رحمتوں سے محروم ہوں گے، جنہوں نے اپنی گردنوں سے غلامی کا طوق نکال پھینکا ہو، اور خسر الدنیا والاٰخرۃ جن کا انجام ہو۔ آج کل لوگ کثرت سے حرام کماتے اور کھاتے ہیں۔

رشوت ایک لعنت ہے، الراشي والمرتشي کلاھما في النار۔ [الحدیث] لایدخل الجنة جسد غذي بالحرام۔ [الحدیث] رشوت دینے والا، لینے والا، معاملہ طے کرنے والا، سب جہنمی ہیں۔ جس شخص کی پرورش حرام سے ہو، یا جس شخص کی نشوونما، خوراک ولباس، مکان وعلاج اور سواری حرام مال سے ہو، اس کا مقام وٹھکانا جہنم ہی ہے۔ ناپاک اور حرام کمائی سے جو بدن پرورش پائے وہ کیسے جنت کا مستحق ہوگا؟ جنت تو پاکیزہ لوگوں کا مستقر ہے۔ جو لوگ حرام یا رشوت لے کر مال جمع کرتے ہیں وہ اپنی ذات اور بے گناہ بیوی، بچوں کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔ موجودہ زمانے میں حلال روزی ناپید ہے، لوگوں کے مال خالص حرام یا مشکوک ومشتبہ ہیں، اِلا ماشاء اللہ۔ اس کی اصل وجہ شریعت سے انحراف اور شرعی احکام سے غفلت اور ضعف ایمان اور تقویٰ وپرہیزگاری کا فقدان ہے۔ دوم وجہ یورپ کے انگریزوں کی تقلید ہے، اور یہ عذاب الٰہی ہے۔ جو قوم شریعت کے پاکیزہ، معیاری قوانین واحکام کو نظر انداز کرے تو ربّ العزت اسے یہی سزا دے گا کہ ایک ناپاک غیر معیاری معاشرے اور طرز زندگی کا دلدادہ بنا کر ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں مبتلا کرے گا، اور جو شخص حلال روزی پر قناعت نہیں کرے گا جس میں ہر قسم کی راحت وسکون پوشیدہ ہے تو اللہ ربّ العزّت اسے حرام میں مبتلا کر کے اس کے دسوں بیسوں انگلیوں کو حرام مال میں پھنسا کر امن وسکون اس کے دل ودماغ سے اٹھائے گا۔ وہ جتنا سرمایہ دار ہوگا، اتنا ہی پریشان رہے گا۔ امن وسکون اس کی غارت ہوگی، اور تباہی کا شکار رہے گا، وہ مخبوط الحواس پاگلوں جیسی زندگی گزارے گا۔

یورپ کی تقلید عذاب الٰہی ہے، جسے تازیانہ عبرت سے کم نہ سمجھا جائے۔ یورپ اپنی عیاشی، بے راہ روی اور مردوزن کے بیجا اختلاط سے خود برلب مرگ ہے، اب سوچتا ہے کہ اپنے معاشرے کونظر ثانی کر کے کس طرح ٹھیک کروں؟ مگر پانی سر سے گزر گیا ہے۔ اسی یورپی طرز زندگی نے ہمارے اسلامی معاشرے کوتہہ وبالا کر دیا۔ آج مسلمان مجبور ہے کہ اس کی تقلید میں بنگلہ بنائے، خورد ونوش انہی کے طرز کی ہو، گاڑی، سواری، لباس، رہن سہن، شادی بیاہ، کپڑوں کی سلائی، عورتوں کے زیورات، الماری، لباس ودیگر حیران کن مخرب اخلاق فضول خرچیوں کا سلسلہ جوختم نہ ہونے والا عذاب ہے۔ لیڈروں، سیاستدانوں اور نامور ہستیوں کے یوم ولادت و یوم وفات پر چراغاں کرنا، اور دیگر ناجائز امور کا بجالانا۔ زیادہ افسوس تو ان نام نہاد، بے حمیت، مذہبی رہنماؤں کی حرکات سیئہ واعمال غیر شرعیہ پر ہے، کیونکہ دونوں جہانوں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ تو ان غیر شرعی، شیطانی اعمال کے مٹانے اور ختم کرنے کی خاطر معبوث ہوئے۔ لیکن آج انگریزوں کے نمک خوار مولویوں نے حضور اقدس ﷺ کی کبھی نہ مانی۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ پاک اور اس کے رسول اقدس ﷺ کو کیا جواب دیں گے؟ جب انہیں حوض کوثر سے روکا جائے گا، اور جہنم رسید ہوں گے۔ اگر یہ چیز استحباب تو کجا محض جائز ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی انجام دہی میں سبقت کرتے، اور ساری امت سے پیش قدمی حاصل کرتے، جنہوں نے مراکش سے لے کر کاشغر چین تک فتوحات حاصل کیں، اور چراغان وعید میلاد النبی کی بدعات سے بے خبر رہے۔ کاش اگر بنوامیہ خاندان کی اقتدار پرستی اور من مانیاں نہ ہوتیں تو آج مشرق بعید بشمول یورپ اسلام کا حلقہ بگوش نظر آتا۔ اسلام کے مانے ہوئے جرنیلوں حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فاتح سندھ و پنجاب وکشمیر، موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ فاتح اندلس وفرانس، قتیبہ بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائی عقبہ بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ فاتح خراسان وکاشغر، یہ سارے قید وبند میں رہے، طرح طرح کی اذیتوں کے بعد شہید کئے گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔ طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ بچ تو گئے، مگر بظاہر ذلیل وخوار ہوئے۔ انگریزوں کی تقلید نے ایک طرف ہمارے دنیوی معاشرے کا ستیاناس کیا، تو دوسری طرف اسلامی معاشرے پر اثر انداز ہو کر اسے غیر اسلامی بنا دیا۔ ہم نہ شہباز کی چال پر رہے، نہ کوے وکبوتر کی چال پر۔ فإلى الله المشتكى۔

احادیث میں کفار وفساق کی تقلید سے نہایت زوردار الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ''جب تمہارے سرمایہ دار سخی اور دریا دل ہوں، اور حاکم خاندان پسندیدہ اعمال والے ہوں، اور آپس کے امور

باہمی مشورے سے طے ہوں، تو زمین کا اوپر والا حصہ اندر کے حصے سے تمہارے لئے بہتر رہے گا (یعنی زندہ رہنا مرنے سے بہتر ہوگا) اور اگر دولتمند تمہارے کنجوس و بخیل ہوں، اور حاکم بے علم و بے عمل اور برے ہوں، اور امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں، تو موت تمہارے لئے زندہ رہنے سے بہتر ہے۔ (بے غیرتی کی زندگی سے موت بہتر ہے)۔ [مشکوٰۃ شریف]

موجودہ زمانہ اسی کی صدائے بازگشت ہے، جبکہ من وعن ہمارا معاشرہ یورپی معاشرے کا عکاس اور ہم مثل ہے۔ یورپی زندگی اشرف المخلوقات انسانوں کا معاشرہ نہیں، بلکہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ میری امت بالشت در بالشت ذراع بہ ذراع یہود و نصاریٰ کی اتباع کرے گی، اور ان کے نقش قدم پر چل کر ان کی ہر برائی کو اپنائے گی، اگر وہ کسی گوہ کی سوراخ میں گھس کر چلیں گے تو یہ ان کے پیچھے اسی سوراخ میں گھس جائیں گے۔ [ترمذی شریف]

آج مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ بڑے صدمے کی بات ہے کہ اقوام عالم نے ہماری نورانی ہدایات ہم سے نہیں سیکھیں، اور قبول نہیں کیں۔ یہ ہم ہیں کہ اپنے دین پر نہ خود چل رہے ہیں نہ کسی غیر نے ہم سے ہدایت قبول کی۔ پورے عالم اسلام میں کوئی ایک ایسا مسلم ملک نہیں جس میں قرآن وسنت کا قانون نافذ ہو۔ ہر طرف گمراہی کا دور دورہ و عروج ہے۔ جب ہم خود شریعت کے نہیں رہے، تو دوسروں پر ہمارا کیا اثر ہوگا؟

؎ شور ہے ہو گئے دنیا میں مسلمان نابود
ہم تو کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

حضرت امام مالک بن انسؒ نے فرمایا: لن يصلح أخر هذه الأمة إلا ما أصلح أولها۔ امت محمدی کے آخر کی اصلاح بھی اسی ضابطہ حیات (قرآن وسنت) میں ممکن ہے جس سے امت کے اول دور کی اصلاح ہوئی۔ عوام تو بیچارے ویسے بھی کالانعام تھے، مگر کثرت مال اور حب مال وجاہ نے خواص کو بھی تباہی کے دہانے لا کھڑا کیا۔ امت کا اولین دور فقر واستغناء کا رہا، اور دنیا نے اپنی نیرنگیوں، زیب وزینت کے ساتھ دلہن کی شکل میں ناچ کر مسلمانوں کے قدموں پر گر کر

ان کے پاؤں کی مالش کی، مگران کواپنی طرف متوجہ نہ کرسکی۔ ان غیور وشیران صحراء نے اس کوایک آنکھ بھی نہ دیکھا۔حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ کے گوبر اور سونے میں جب فرق ہونے لگاتوللّٰہیت واخلاص کا خدا حافظ۔

استاذ المحدثین رئیس الاتقیاء شیخ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، چودہ (۱۴) بکریاں صدقے کی آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سامنے میدان میں باندھ کررکھو،تھوڑی دیر بعد ایک دوسرا شخص حاضر ہوا،اوراپنے آل وعیال اور بچوں کے بھوک وافلاس کی شکایت کی،اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ تعاون کا سوال کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتحاناًارشادفرمایا کہ چاہوتو یہ بکریاں سب لےلو،چاہوتوایک دعاء بتلادوں جوتمہیں ہروقت کام آئے،انتخاب کروکونسی چاہئے؟ کہنے لگے: یارسول اللہ دعاء ہی تعلیم فرمایئے،جس میں ہرقسم کی بھلائی اور فائدہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعاء بتلائی،وہ خوش ہوکر جانے لگے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ بلاکر بکریاں بھی عنایت فرمائیں۔دعاء یہ ہے: اَللّٰهُمَّ يَاأَوَّلَ الْأَوَّلِيْنَ وَيَاآخِرَ الْآخِرِيْنَ وَيَاذَا الْقُوَّةَ الْمَتِيْنِ وَيَاأَرْحَمَ الْمَسَاكِيْنَ وَيَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ [خزائن الأسرار بحواله طبراني]

دیکھئے! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھوک وافلاس کے باوجود دنیاپردین کوترجیح دیتے تھے،اوردینی امورکو دنیوی اغراض ومقاصد سے مقدم اورضروری جانتے تھے۔ان کے ہاں یہی بنیادی جذبہ کارفرماہوتاتھا،تب ہی تودنیانے انہیں اپنی طرف راغب کرنے کی جسارت نہیں کی،اورانہیں اپنی طرف مائل نہ کرسکی۔ ہماری دین سے دوری اورآخرت فراموشی کااصل سبب یہی حب دنیاہے،جس نے زہرکی صورت میں ہمارے قلوب ودماغ کوماؤف کیاہواہے۔جس کی صورت یہ ہوئی کہ یہود ونصاریٰ کی تہذیب وتمدن نے ہمارے دلوں سے اسلامی اقدارکی قدروقیمت گرادی،اوراپنی خبیث تہذیب کاگرویدہ بنایا۔آپ یقین کریں کہ اکثراسلامی ملکوں میں آپ جب دیکھیں گےتووہ آپ کوغیراسلامی ملک معلوم ہوگا۔ترکوں نے خلافت عثمانیہ کے نام سے تین براعظموں پرپانچ سوسال حکمرانی کی۔آج اس ترکی میں داڑھی رکھنا ممنوع اورعورتوں کاپردہ میں رہناتوکجاسرپردوپٹہ یامختصراسکارف پہننے کی اجازت نہیں،بلکہ سارامعاشرہ یورپین ہے۔کسی وقت مردودوملعون یہودی النسل اتاترک نے نمازواذان اورقرآن مجیدپرپابندی عائدکی تھی،اورترکی کے باشندوں کیلئے حج بیت اللہ ممنوع قراردیاتھا،وغیرہ۔یہ محض یورپ کوخوش کرنے کی خاطراورعربوں سے انتقام ونفرت کے جذبے کے

ساتھ اس نے کیا تھا۔حکومت مصر وشام کی حالت زار اتنی دلخراش اور ناگفتہ بہ ہے جسے بیان کرنے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں سو فیصد ظاہر ہورہی ہیں۔بقول شیخ سعدیؒ: ''مسلمانی در کتاب ومسلمانان در گور ومقبرہ''۔

❁...❁...❁...

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

بیحد مہربان، نہایت رحم والا

دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، پوری تفصیل شروع میں گزر چکی ہے۔کیا کائنات میں ربّ العزّت کے برابر یا اس سے زیادہ کوئی مشفق ومہربان ہے؟ جواب یہی ہوگا کہ ہرگز نہیں۔سارے رشتہ داروں اور احباب ودوستوں کی شفقت ورحمت جمع ہوں، ماں کی شفقت ورحمت کی برابر نہیں ہوسکتیں، ماں والی رحمت تمام رحمتوں پر غالب ہے، پھر سارے جہاں کی ماؤں کی شفقت اور محبت اور رحمتوں کو جمع کیا جائے، تو ربّ العزّت کی کسی ادنیٰ رحمت کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔کیونکہ اس کی رحمتیں غیر محدود، جبکہ پورے عالم کی رحمتیں محدود ہیں۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے:﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾[الحج:۲](جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا اس دن ہر دودھ پلانے والی اس بچے کو بھول بیٹھے گی جس کو اس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی)۔ماؤں کی شفقت ورحمت کبھی فانی اور منقطع ہوسکتی ہے، مگر ربّ العزّت کی رحمت مستمرہ ہے، ہر وقت جاری وساری ہے۔اس کی عظمت وجلالت کی قسم! اگر اس کی رحمت ایک لمحہ کیلئے عالم سے توجہ ہٹادے تو علویات سفلیات کے ساتھ ایسے ٹکرائیں کہ یہ جہاں بے جان ہوکر تہہ وبالا ہوجائے گا، اور اس میں آگ لگ جائے گی، پورا عالم خاکستر ہوکر راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔اسی رحمت کے سہارے تو جہاں قائم ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ:

عمومی رحمتوں کا مالک، جس میں دوست ودشمن کا کوئی فرق نہیں، عطاء وبخششوں کا دروازہ سب پر کھلا ہے۔ دستک دینے اور درخواست وعریضہ پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں، سب کی حاجتوں سے آگاہ اور دینے پر قادر، محروم رکھنے سے پاک، رحم وکرم کا دسترخوان ہر وقت بچھا ہوا، کوئی تفریق نہیں، جو گالیاں دیتے ہیں اور توہین کرنے پر اتر آتے

ہیں، کھلم کھلا دشمنی اور عداوتوں پر اتر آتے ہیں، ان کو بھی حسن و جمال، آل و اولاد، رزق و روزی، سکون و آرام سب کچھ برابر عطا ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات انہیں بہ نسبت دوستوں کے زیادہ ملتا ہے۔ ع

براین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

اَلرَّحِیْمِ:

بروز قیامت دوستوں پر بے پناہ رحم کرنے والا، ننانوے رحمتوں کو میدان محشر میں بکھیرنے والا، خود بھی قدردان اور قدردانوں، جفاکشوں، اسلامی اعمال پر زندگی قربان کرنے والوں، اپنے رب کی خاطر اور اس کی رضاء پر لذّتوں اور آسائشوں کو ترک کرنے والوں پر بے مثال و بے انتہاء رحمتوں کے دروازوں کو کھولنے والا، اور ادنیٰ ادنیٰ نیکیوں پر پہاڑوں جتنا اجر و ثواب نچھاور کرنے والا، اپنے صحیفۂ رحمت کے حافظوں، قاریوں، عالموں کو اور ان کے والدین کو عزّت و کرامت کا جنّتی تاج کے ساتھ علی الاعلان تاج پوشی کرنے والا الرحیم جل ثناءہ یہ ہے الرحیم کی ایک مختصر سی جھلک۔ الرحیم کی رحمتوں کا دروازہ کھلا ہے، آئے جس کا جی چاہے۔ اللہ ربّ العٰلمین سبحانہ کی رحمت و مرحمت کی کوئی حد ہے، نہ کوئی انتہاء۔ رحمت الٰہی کو اس کے غضب و گرفت پر بہت سبقت حاصل ہے، اور اگر موازنہ کیا جائے تو رحمت کے مقابلہ میں غضب نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کا ایک اندازہ اور ایک مختصر نمونہ یہ ہے:

اللہ ربّ العزّت سبحانہ نے جنت و دوزخ دونوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں ہر حال میں یعنی جنت کو جنتیوں سے، اور دوزخ کو دوزخیوں سے پُر کروں گا، اور بھر دوں گا۔ جنت اس کی رحمتوں کا گہوارہ و مرکز ہے، جب جنتی جنت میں جائیں گے تو وہ پُر نہیں ہوگی، مطالبہ کرے گی: اے رحمت والا معبود! مجھے حسب وعدہ بھر دو، تو اللہ ربّ العزّت اس کی بھرائی کیلئے ایک نئی مخلوق پیدا فرمائیں گے، اور جنت میں رحمت و کرم سے انہیں داخل فرمائیں گے۔ یہ وہ جنتی لوگ ہوں گے جنہوں نے نہ دنیا دیکھی ہوگی، اور نہ اعمال کی زحمت و تکلیف اٹھائی ہوگی، بغیر کسی عمل کے مفت جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ ہے رحمت کی بے مثال و بے انتہا وسعت کی ایک علامت۔ اب غضب کی کمی اور نہ ہونے کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ جب دوزخ کا مطالبہ پیش ہوگا کہ مجھے بھر دو، تو وہاں بھی خدا تعالیٰ بآسانی یہ کر سکتا ہے کہ ایک نئی مخلوق پیدا کر کے بغیر کفر و معاصی کے انہیں دوزخ میں داخل کر کے دوزخ کو بھر دے، جس طرح جنت کو بھر دیا تھا، مگر اس کی رحمت کا تقاضا یہاں غضب کو آگے کرنے سے مانع ہے، کہ وہ دوزخ کیلئے نئی مخلوق پیدا نہیں فرمائیں گے، بلکہ وہ انہی دوزخیوں کے

اجسام اور اعضاء کو بڑھا چڑھا کر اتنا موٹا کریں گے کہ ایک دوزخی کا بدن پہاڑ جتنا ہوگا، تو اسی طریقہ سے دوزخ کو بھر دیں گے۔ یہ حدیث صحیین میں ہے۔ اس حدیث سے اندازہ ہوگیا کہ رحمت کی وسعت بے پناہ ہے، جس کے مقابلہ میں غضب نہ ہونے کے برابر ہے۔

...۞...۞...۞...

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾

روز جزاء کا مالک ہے

دین کے بہت سے معانی ہیں: بدلہ، جزاء، اطاعت، شریعت، ملت، انصاف؛ یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ دراصل اسلام ظاہری اعمال کو کہتے ہیں، ایمان کا امور باطنیہ پر اطلاق ہوتا ہے، اور دین جو ہے وہ اسلام و ایمان دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

المالک، الملک، الملیک، مالک الملک، ملک الملوک۔ پانچوں اسماء صفاتی ہیں، اور حضرت حق تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہیں، کسی غیر پر عند المحققین ان کا اطلاق جائز نہیں إلا مجازاً۔

دریا بکوزہ، صحراء بہ ذرہ کی ایک تمثیل:

سارا جہاں عرش سے فرش وثریٰ تک، مشرق سے مغرب تک، جنوب سے شمال تک یہ سارا مخلوق ومملوک ہے، اس کا خالق ومالک بلاشرکت غیرے صرف حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اس پورے عالم کو مملوک کہنا ہوگا، اور ربّ العزّت سبحانہ کو مالک ومختار ماننا لازمی ہوگا۔ اسی کا نام ایمان واسلام، اور دین وشریعت ہے۔ مملوک کسے کہتے ہیں؟ مملوک کے معنی ملکیت، غلام، خدمت گار، ماتحت، مالک کے حکم کا تابع، جس کا اپنا اختیار کچھ بھی نہ ہو، وہ بغیر مالک کے حکم کے کچھ نہ کرسکتا ہو۔ وہ جو کچھ کرے مالک کی مرضی سے کرے۔ اس کی لگام مالک کے ہاتھ میں ہو، اور وہ مالک کو جواب دہ ہو۔ یہ ہے مختصر مملوک کی تشریح ومعنی۔

اب مالک کی تعریف سنئے! مالک کے معنی اپنے مملوک کا محافظ، نگراں، جس طرح چاہے اپنے مملوک میں تصرف کرے، اور کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو، اور وہ جو کچھ کرے اس میں مکمل فاعل ومختار ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اب ربّ العزّت

سبحانہ نے تمام مخلوقات ومملوکات میں عبادت وخلافت کیلئے انسان کو منتخب فرمایا، پھر پورے جہاں کواس کی منفعت کی خاطر اس کی تسخیر میں دے دیا۔ایک بڑے عمومی اجتماع کا فیصلہ فرما کر ان سے رائے لے لی، جن پر کوئی جبر واجبار نہیں کیا گیا،اوران سے پوچھا کہ تم لوگ بمرضی خدمت وبجا آوری کیلئے تیار ہو یانہیں؟ سب نے بخوشی ہر قسم کی خدمات کی بجا آوری کا اقرار کیا، یہ ہے ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ﴾[أعراف:۱۷۲](کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں) یہ ہے سب کا اجتماعی اقرار وتسلیم۔

پھر فرمایا کہ اب تمہاری جماعتوں کی صورت میں تشکیل ہوگئی ہے، تم باری باری دنیا میں بھیج دیے جاؤ گے، تو میری توحید وشریعت کی حسب توفیق خدمت کرو، اور پورے جہاں میں اسے پھیلاؤ، تمہارے رزق و روزی اور تمام ضروریات زندگی مہیا کرنا، اور سارے جہاں کی حکمرانی چند وقت تک تمہیں تصرف میں دیدینا، اور ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرنا میرے ذمہ ہوگا۔ یہ چاند وسورج، یہ روشنی، ہوا، پانی، غرض پورا گھر (دنیا) تمہارے لئے ہے، اور وقتاً فوقتاً میرے نمائندے اور پیغمبر تمہاری مدد اور رہنمائی کیلئے آتے رہیں گے، اور میں بھی بذات خود ہر وقت تمہارا ساتھ ہوں گا۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ﴾[الحدید:۴] (اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں بھی ہو)۔ میرے بھیجے ہوئے پیغمبر اور آسمانی کتب ہر وقت تمہاری نگرانی اور رہنمائی کرتے رہیں گے، جاؤ اپنا وعدہ پورا کرو، اور مالک کے حکموں کو بجالاؤ۔ جس ترتیب سے میں نے تمہیں دنیا میں بھیجا ہے اسی ترتیب سے ڈیوٹی پورا کرنے کے بعد تمہیں اپنے پاس بلاتا رہوں گا، جب تم سارے میرے پاس فرائض پورے کرنے کے بعد حاضر ہو جاؤ گے تو پہلے کی طرح ایک دوسرا عوامی اور عظیم الشان اجتماع کا بندوبست واعلان ہوگا، جس میں تمہاری تمام کارگزاریوں کا اعلان ہوگا، اور انعامات تقسیم ہوجائیں گے، اور جنہوں نے فرائض پورے نہیں کئے انہیں سزا ہوگی۔ اسی کا نام قیامت ہوگا، جس کا حاکم ومالک صرف میں ہی ہوں گا۔ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں نے پوری دنیا کو تمہارے حوالہ کر کے اتمام حجت کر لی ہے، آج کوئی عذر ومعذرت قبول نہیں کروں گا۔ جب ربّ العزت سبحانہ نے ﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کے اعلان کے ساتھ انتہائی رحمت ومغفرت کا اعلان فرمایا۔ پھر انبیاء ورسل علیہم السلام اور آسمانی کتب اور عقل سلیم ودیگر مصلحین کے ذریعہ بار بار تجدید اعلان کروالی، بلکہ لاکھوں مرتبہ یاددہانی فرمائی، اور مغفرتوں کا اعلان فرماتے رہے۔ اس کے باوجود مجرم بغاوت کرتے رہے، تو معافی کا دروازہ مرنے پر موت کے بعد بند ہوگیا۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ☆ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہہ ما درگہہ نومیدی نیست ☆ صد بار اگر چہ توبہ شکستی باز آ

جب تک مجرم کافر زندہ ہے اس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں۔ یہ کتنا رحم و کرم ہے، جس کی حدو اندازہ نہیں، جب موت کا پیغام آ پہنچتا ہے، اور نافرمان اپنی نافرنیوں سے باز نہیں آتا تب یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ گویا اس دروازے کو بند کرنے والا خود ناداں و ناعاقبت اندیش انسان ہی ہے، جس نے آنکھوں اور کانوں، عقل و دماغ کے باوجود خود کو نابینا، گونگا، بہرہ اور بے عقل و بے شعور رکھا۔ نہ خود اپنا اندازہ معلوم کرلیا، اور نہ ہی صبح و شام آنے والوں اور جانے والوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی، اس کو چاہئے تھا کہ دنیا اور دنیاداروں سے سبق سیکھتا۔ جب وہ دنیا میں آیا تھا تو بالکل خالی ہاتھ تھا، اس کے قبضے میں نہ کوئی زمین تھی، نہ مکان و باغ، اور نہ سرمایہ و جائیداد، اور نہ ہی لباس، ایک دمڑی، ایک روپیہ کا مالک بھی نہ تھا۔ نرا بے تعلیم، جاہل و بے ہنر پیدا ہوا تھا، اور جب اس دنیا سے وہاں ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی طرف جائے گا تو اس کے پاس وہاں بھی کچھ نہ ہوگا۔ پھر جب بڑا ہو گیا تو سب کچھ حاصل کرلیا۔ عزّت پائی، وزارت پائی، اقتدار و کرسی، مال و دولت، جائیداد، اور سینکڑوں چیزوں کا مالک بن گیا۔ یہ سب اسباب یہاں کے ہیں، اور یہاں رہیں گے، اگر وہ ان چیزوں کا مالک ہوتا تو انہیں ساتھ لے جاتا، دوسروں کیلئے چھوڑ کر خالی ہاتھ نہ جاتا۔ معلوم ہوا کہ اصلی مالک حقیقی کوئی اور ہے، یہ بے چارہ نہیں ہے۔ پھر الٹا حساب و کتاب الگ اس کو ہی دینا ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلام کے لئے وہ نمایاں خدمات اور بے مثال قربانیاں دیں جس کی مثال نہیں ملتی، پوری مدت خلافت میں کوئی ایک دن بھی مرغن کھانا نہیں کھایا۔ سال میں دو قمیص زیب تن فرماتے تھے، ان قمیصوں پر سولہ سترہ پیوند لگے رہتے تھے، ان میں دو تین چمڑے کے ہوتے تھے، عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیا، منوں کے حساب سے سونا، اور جواہرات قدموں پر آئے، مشک و عنبر کی تھیلیوں کو وزن کراتے وقت ناک بند رکھتے تھے۔ غرض یہ کہ ایسی زندگی گزاری جس پر جبرئیل و میکائیل علیہما السلام جیسے مقرب فرشتے رشک کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں مسلسل ان کو خواب میں دیکھنے کا متمنی رہتا تھا۔ دس سال پورے ہوئے تو اچانک دیکھتا ہوں کہ بال و لباس پر گرد و غبار لگے نظر آئے، اور مٹی و غبار جھاڑ رہے ہیں، پوچھا امیر المؤمنین! کیا حال ہے؟ فرمانے لگے: ''الآن فرغت من الحساب''، سارے جہاں کا حساب لیا گیا، ابھی دس سال بعد فراغت ملی ہے۔ تو مالک وہ

ہوتا ہے کہ جس کی ملکیت میں بقاء ہو، سلب کرنے اور چھین کر کسی اور کو دینے کا خوف وخطرہ نہ ہو۔ اصلی ملکیت وہ ہے جس کو کوئی سلب نہ کر سکے، اور یہ صفت صرف ذات سبحانہ وتعالیٰ کی ہے۔ یہ بے چارہ انسان اپنے وجود تک کا مالک نہیں، اپنی آنکھوں، حسن وصورت، دل ودماغ تک کا مالک نہیں۔ آج تندرست ہے تو کل فالج زدہ، اور نابینا ہوگا، آج سرمایہ دار تو کل مفلس ہوگا، آج تخت شاہی پر براجماں ہے تو کل تختۂ دار پر کھڑا ہوگا، آج بادشاہ ہے کل مجرموں کی طرح پر ہجوم محفل میں اس کا سر قلم ہو رہا ہوگا۔ جب سکندر اعظم تمام جہاں کا حکمران مرنے لگا تو وصیت کی کہ میرے ہاتھ کفن سے باہر نکال دینا، اور پورے شہر میں اعلان کرتے جانا کہ پوری دنیا کا بادشاہ دیکھو خالی ہاتھ جا رہا ہے، یہ لوگوں کو دکھاؤ۔

؎ اجڑ گیا وہ باغ جس کے لاکھ مالی تھے ☆ سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

درحقیقت مالک ہر شئی خداست ☆ این امانت چند روزے نزد ماست

شاعر نے کیا اچھا کہا ؎

حال دنیا را بہ پرسیدم از فرزانہ ☆ گفت یا بادیست یا خوابیست یا افسانہ
یا مثال تودۂ برف ست در فصل بہار ☆ ہیچ عاقل در چنین جائے نساز دخانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ در وے دل بہ بست ☆ گفت یا غولیست یا دیو یست یا دیوانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ در وے دل نہ بست ☆ گفت آن دانا ست وہم فرخ وہم فرزانہ

کیا ہے دنیا؟ اگر اس میں کچھ ہوتا تو اولوالعزم اور عقلمند انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس کی طرف نظر مبذول فرماتے۔ ہمارے پیشوا، سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''اگر اللہ پاک سبحانہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر دنیا کی قدر ومنزلت ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی نصیب نہ ہوتا، اور یہ سارا مؤمنوں کے قدموں پر نچھاور ہوتا''۔ [مشکوٰۃ] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے فیضیاب صحابہ کرامؓ کے نزدیک سونے کا ٹکڑا گوبر اور پتھر کے ساتھ برابر شمار ہوتا رہا۔ دنیا ان کے قدموں پر سجدہ ریز ہو کر پیشانی رگڑ رگڑ کر ذلیل ہوئی، دھکے کھا کر بھی پزیرائی حاصل نہ کر سکی۔ یہ ہم لوگ ہیں جو دنیا کے قدموں پر سجدہ کرنے والے نام کے مسلمان ہیں۔ ایک صاحب نے مکان، کوٹھی بنائی، بہت اعلیٰ، خوبصورت، بنگلے کی پیشانی پر موٹے حروف میں لکھا: ماشاء اللہ، هذا من فضل ربي جیسے آج کل عام رواج ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک معمر شخص اس مکان کے گیٹ پر کھڑا ہے۔ ہاتھ میں عصا ہے، کبھی روتا ہے، کبھی گالیاں دیتا ہے، اور کہتا

ہے نکلو باہر تمہاری ایسی کی تیسی۔ لوگ حیران ہیں یہ کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے پوچھا: بابا آپ کون ہیں؟ اور کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے: میں شیطان ہوں اس نالائق کو بیعت کرائی، خلافت دیدی، مال کمانے کے گُر اور سارے طریقے سکھائے، جتنے ناجائز طریقے مال جمع کرنے کے تھے وہ سب بتادیئے، خوب حرام جمع کیا، بنگلہ بنایا، اور اس احسان فراموش نے بجائے میرے نام لکھنے کے میرے دشمن کا نام لکھ دیا، اس لئے کچھ رو رہا ہوں اور کچھ گالیاں رسید کر رہا ہوں۔

اللہ ربّ العزّت سبحانہ آج بھی ہر چیز کا مالک ہے۔ دنیا و آخرت کا کوئی ایک ذرہ ایسا نہیں جو اس کی ملکیت سے باہر ہو۔ انسانوں کو امتحان کے طور پر چند چیزوں کا عارضی مالک بنادیا، اور انہیں فائدہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ درحقیقت ہر چیز کا وہی مولیٰ و مالک ہے، بندہ بے چارہ عاریۃً عارضی متصرف ہے۔ روز جزاء کے دن اسے ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا، اور کوئی ادنیٰ ذرہ اپنے عمل و کردار کا چھپا نہیں سکے گا، ایک ایک سانس اور حرکت و سکون کا محاسبہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں فرمایا: سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''ربّ العزّت سبحانہ کے حضور کھڑے ہوکر باقی حسابات سے پہلے جب تک پانچ چیزوں کا جواب بندہ نہیں دے گا وہاں سے ہٹ کر جانے کی اجازت نہیں ملے گی، پہلا: عن عمره فيما أفناه یہ قیمتی عمر کس چیز میں ضائع کی؟ اور کہاں لگائی؟ وعن شبابه فيما أبلاه۔ بتاؤ صحت و نوجوانی کس چیز میں کھپائی؟ وعن ماله من أين اكتسبه حساب دو، مال کہاں کہاں سے کیسے اور کس طرح کمایا؟ وفيما أنفقه اور کہاں کہاں کس مد میں صرف کیا؟ پانچواں وماذا عمل فيما علم کم یا زیادہ علم جو حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا؟ [مشکوٰۃ]

ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، آنکھ و دیگر اعضاء سارے اظہار حقیقت پر گواہ بن کر شاہدی ادا کریں گے۔ حقوق اللہ کی اتنی بڑی فہرست پیش ہوگی جو (۹۹) دفتروں پر مشتمل ہوگی، اور یہی حال حقوق العباد کا ہے، جن کی مغفرت و معافی کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔ جبکہ سینگ والے بکرے سے بغیر سینگ والے استغاثہ کرنے والے بکرے کا قصاص لیا جائے گا۔ عدل و انصاف ربّ العزّت کا ہوگا جس نے دنیا کو محض دار العمل کے طور پر پیدا فرمایا۔ یہاں عمل ہی کا دور دورہ ہوگا۔ مکافات جزاء و سزاء سارے کے سارے ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کے لئے مقرر فرمائے، کیونکہ بعض اعمال کی سزا مکمل طور پر یہاں ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے سو، دوسو آدمی قتل کیے۔ قاتل کی ایک جان ہے، قصاص کی صورت میں مقتولین میں سے صرف ایک کی جان کا قصاص پورا ہوگیا، باقی کے لئے کچھ نہیں بچا۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مقتولین کی

تعداد کے مطابق قاتل کو بار بار اتنی مرتبہ زندہ کیا جائے، اور قصاص میں مارا جائے۔ دنیا میں ایسا ممکن نہیں جبکہ روز قیامت ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں ایسا ہی ہوگا، اور ربّ العزّت روز جزاء کا مالک اپنے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا فرمائے گا، حتیٰ کہ ایک لاکھ انسانوں کے قاتل کو ایک لاکھ مرتبہ زندہ کیا جائے گا، اور ایک لاکھ مرتبہ قصاص میں مارا جائے گا۔ اسی طرح باقی جرائم کا حال ہوگا، جن کا مفصل بیان سورۃ بقرہ کی تفسیر میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ

ربّ العزّت سبحانہ ازل سے ابد تک ہمیشہ کیلئے ہر چیز کا مالک ہے، لیکن ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تخصیص کی اصل وجہ وہی ہے جس کا بیان ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر طبقہ کے لوگوں کو محاسبہ اور فیصلہ کرنے کا اختیار سونپا گیا تھا، تاکہ جہان کا نظم ونسق برابر چلتا رہے، بخلاف ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کے، کہ وہاں عدل وانصاف اسی کے ہاتھ میں ہوگا، اور کسی بھی ہستی کو بولنے تک کی اجازت نہیں ہوگی، اور حاکم مطلق صرف اسی کی ذات پاک ہے۔ اور تو اور وہاں اولوا العزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی بولنے پر قدرت نہیں رکھ سکیں گے، اللّٰهم سَلِّمْ سَلِّمْ کہتے رہیں گے، اور جب لوگ ان کے پاس جائیں گے کہ ہمارے لئے آپ شفاعت کریں، تو ان کا جواب یہ ہوگا: ”إن ربي غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله و لا يغضب بعده مثله نفسي نفسي اذهبوا إلى غيري“۔ [الحديث] آج ربّ العزّت سبحانہ ایسے جلال وغضب اور بے نیازی کا اظہار فرما رہے ہیں کہ ایسے غضب وجلال کا ظہور ماضی میں نہیں ہوا۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو طوفان نوح اور عاد وثمود وقوم شعیب ولوط کی داستانوں کا پورا پورا علم ہے، مگر اس کے باوجود وہ قیامت کے دن کے غضب کو ان سے بھاری اور زیادہ قرار دے کر فرما رہے ہیں کہ ایسا غضب پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوا، لہٰذا نفسي نفسي کہہ کر عذر و معذرت کریں گے۔

ہمارے علماء ربانیین نے کہا کہ یہ غضب اور اس کا نشانہ موحدین مؤمنین نہیں ہوں گے، جیسے کہ متعدد احادیث نبویہ میں اس کی تصریح ہے، بلکہ غضب وعتاب کا نشانہ وہ نمک حرام مشرکین اور کفار وملحدین ومنافقین ہوں گے جنہوں نے شرک وکفر اور الحاد کیا۔ پروردگار عالم کے ساتھ مقابلہ کیا، بتوں اور اپنے جیسے عاجز بندوں کی قبروں کا طواف کیا، اور اصنام وطواغیت پر بھروسہ کر کے دونوں جہان کے خالق ومالک حاکم مطلق سے بغاوت کی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”رحمن ورحیم وحلیم کا غضب بھی بے پناہ ہوتا ہے، جس کا تحمل وبرداشت کسی کے بس میں نہیں ہوگی، کیونکہ بڑے بردبار وکریم کا غضب بھی بڑا بھاری اور بے مثال ہوتا ہے“۔ جہاں رحمت بے مثال ہو وہاں غضب بھی بے مثال ہوگا۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ:

دونوں قراءتیں مشہور ومتواتر ہیں۔ نماز میں دونوں قراءتیں مختلف ممالک اسلامیہ میں متداول اور معمول بہا ہیں۔ مَالِكِ بمعنی حاکم، مَلِكِ بمعنی بادشاہ۔ مفسرین حضرات نے ہر ایک کیلئے مختلف بکثرت وجوہ ترجیح بیان کئے ہیں۔ لیکن جو مطلب مَالِكِ بمعنی حاکم کا ہے وہ اولیٰ وراجح ہے۔ وہ اس لئے کہ يَوْمِ الدِّيْنِ کا مطلب ہے یوم جزاء، یوم حساب، یوم الفصل وغیرہ، اس معنی کے ساتھ حاکم، عادل، فیصلہ کنندہ والے معنی کا ربط وتعلق زیادہ واضح ہے، بلکہ حاکم کے معنی دوسرے معنی پر ضمناً مشتمل اور حاوی بھی ہیں۔ ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ [البقرة:۱۴۸] (اور ہر کسی کی ایک سمت ہے، جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے)۔ البتہ قوله تعالىٰ: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [الغافر:۱۶] (کس کی بادشاہی ہے آج؟ صرف اللہ کی، جو واحد قہار ہے)۔ اسی طرح قوله في الحديث القدسي: فيقول الله تعالىٰ أنا الملك فأين ملوك الأرض۔ [الحديث] معنی ثانی کے مؤید ہیں۔ جب دونوں قراءتیں متواتر ہیں، تو دونوں معنی بیک وقت مراد ہو سکتے ہیں۔ والله أعلم وعلمه أكمل وأتم۔

قانون مجازات ومکافات اعمال:

اب انسانی فطرت کے اسی اقتضاء نے اس کے اختیاری اعمال وافعال اور اعتقادات وافکار کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اور یہ چیز دنیا میں مشاہدۃً موجود بھی ہے، اور معقول بھی۔ ہزاروں انسان وقتاً فوقتاً انعامات سے سرفراز ہو رہے ہیں، اور ہزاروں سزا کاٹ رہے ہیں۔ آخرت کا معاملہ بعینہٖ اسی طرح ہے۔

(۱) ایک وہ جو رب العلمين، ملک یوم الدين کی تعلیم اور اس کی مرضی کے مطابق ہیں۔ جن کو "بِـر" اور نیکی کہتے ہیں، اور اسی پر قائم رہنے کا نام عبدیت ہے، اور یہی لوگ عباد الرحمن کے نام سے موسوم ہیں۔

(۲) دوم وہ جو ملک یوم الدين کی تعلیم ومرضی کے مخالف ہیں۔ اسے اثم ومعصیت کہتے ہیں، اور اسی کے مختلف مدارج ومراتب ہوتے ہیں۔ ادنیٰ درجہ معصیت سے شروع ہو کر کفر وشرک تک اس کا وسیع دائرہ ہوتا ہے، اور اس پر قائم رہنے کا نام بغاوت وطغیان ہے۔ اس کے بعد انسانی زندگی کے ان دونوں شعبوں کا اقتضاء قدرت کا وہ قانون مجازات قرار پایا جسے قانون مکافات ومجازات یا سزا وجزاء کا قانون کہتے ہیں، (اس قسم کے قانون دنیا میں بھی مروج اور موجود ہیں، بلکہ ہر ہر گھر میں بھی اس کا وجود رہتا ہے)۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو اپنے اختیارات کو خداوند تعالیٰ کی تعلیم

ومرضی کے مطابق استعمال کرے گا وہ خدا تعالیٰ اور اس کے سارے قوانین کو اپنی مرضی اور اپنے سارے احساسات وامنگوں کے مطابق پائے گا۔خدا تعالیٰ کی مرضی اور انسانی مرضی کے اس توافق کا ہی آخری اور عروجی مقام وہ ہے جسے مذہب کی زبان میں الجنة کہتے ہیں، جہاں انسان کو وہی دکھایا جائے گا جو وہ دیکھنا چاہتا ہے، اور وہی سنایا جائے گا جو وہ سننا چاہتا ہے، اور وہ سب عطاء وعنایت ہوجائے گا، جو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے، یا کبھی چاہتا تھا، اور پسند کرتا تھا۔قرآن حکیم نے یہی ارشاد فرمایا:﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾ [فصلت:۳۱] (اور جنت میں ہر وہ چیز تمہارے لیے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے لیے ہے جو تم منگوانا چاہو)۔پھر قرآن حکیم نے اس کا تفصیلاً مختلف سورتوں اور متعدد آیتوں میں بڑے دلچسپ اور خوب صورت عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے، اور ہزاروں صحیح احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کا تفصیلاً بیان موجود ہے۔سب کا خلاصہ یہی ہے کہ وہاں خیر ہی خیر، بلکہ بے پناہ خیر ہے، اور شر کا نام ونشان تک نہیں، الحمد للہ رب الغلمین۔

قسم دوم وہ جو اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی تعلیم کے خلاف استعمال کرکے اس کی مرضی سے ٹکراتا ہے، وہ امانت میں خیانت کرتے ہوئے انہیں غلط استعمال کرتا ہے۔تو خدا تعالیٰ کی مرضی بھی اس کے ساتھ ٹکراتی ہے۔وہ خداوند تعالیٰ کے ارادوں کے ساتھ تصادم اختیار کرتا ہے، جو بالآخر بڑھتے ہوئے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں آدمی خدا تعالیٰ اور اس کی ساری قوتوں اور قوانین کو اپنی مرضی اور اپنے سارے احساسات کے مخالف پائے گا۔مذہب کی زبان میں اسی کا نام النار اور جہنم ہے۔جہاں کا ہر قانون انسان کی ہر خواہش اور احساس کا مخالف ہوگا۔قرآن حکیم نے یہ فرمایا:﴿كُلَّمَآ أَرَادُوٓاْ أَن يَخْرُجُواْ مِنْهَآ أُعِيدُواْ فِيهَا﴾[السجدة:۲۰] (جب بھی وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں پلٹادیئے جائیں گے) مزید اس کی جزوی تفصیلات سے قرآن حکیم بھرا ہوا ہے، اور ہزاروں صحیح احادیث بھی۔سب کا مطلب یہ ہے کہ وہاں شر مطلق ہے، اور خیر کا نام ونشان تک نہیں۔جہاں دنیا میں بندگی اور عبدیت کا طوق انہوں نے اپنی گردنوں سے پھینک دیا تھا، اب اس کے بدلے ذلت وخواری اور شرمساری کا طوق ان کی گردنوں سے اتر نہیں سکتا۔نعوذ باللہ من حال أهل النار ومن غضب الجبار ومن عذاب النار۔

اس سلسلے میں بطور عبرت قیامت کے چند نام ذکر کرتے ہیں۔کثرت اسماء مسمیٰ کی اہمیت اور عظمت کی نشان اور علامت ہوتی ہے۔حضرت حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "البدور السافرة" میں قیامت کے تقریباً اسی (۸۰) نام ذکر

کئے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ایک نام بھی ایسا نہیں کہ جس سے کسی رحمت ومغفرت کی امید پیدا ہو جائے۔ جلالی قسم کے زجری نام ہیں، جو سب کے سب غضب الٰہی کے مظہر ہیں۔ جہاں نفوس قدسیہ، مقربین بارگاہ الٰہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بیک زبان یہی ارشاد فرمائیں گے کہ آج ربّ العزّت عزّ شانہ کے ایسے غضب کا اظہار ہو رہا ہے جو نہ کبھی ماضی میں ہوا تھا، اور نہ مستقبل میں ایسے غضب کا اظہار ہوگا۔ سبحان اللہ جس واحد لاشریک نے اپنی بے پناہ رحمتوں سے اپنے غضب کو پیچھے دھکیل دیا تھا، مگر آج معاملہ کچھ برعکس ہے۔ اے ربّ! رحم فرما، اور اپنے غضب سے بچا۔ آمین

قیامت کے مجموعی ناموں میں سے چند نام یہ ہیں:

یوم القیامۃ، الراجفۃ، الساعۃ، القارعۃ، الصاخۃ، الأزفۃ، الواقعۃ، الخافضۃ، الزاجرۃ، الطامۃ الکبریٰ، الغاشیۃ، الرافعۃ، الحاقۃ، یوم الدین، یوم التلاق، یوم المعاد، یوم المیزان، یوم التغابن، یوم الفراق، یوم الخلود، یوم الشھود، یوم العقیم، یوم الحسرۃ، یوم الفصل، یوم القضاء، یوم یقوم الأشھاد، یوم الحشر، یوم الحساب، یوم النشور، یوم عبوس قمطریر، یوم عسیر، یوم الناقور، یوم البعث، یوم العرض، یوم الوعید، یوم الجمع، یوم الفزع الأکبر، الیوم الاٰخرۃ، یوم البطش، یوم الفرار۔ یہ کل چالیس نام ہوئے۔

[البدور السافرۃ: ص ۱۴۳]

”مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ“ کیفیت قیامت:

قیامت کی حقیقت دو امور ہیں: ایک موجودہ عالم کی تخریب، دوم عالم آخرت کی تعمیر۔ اور دونوں کو ربّ العزّت سبحانہ نے دو نفخوں سے وابستہ کیا ہے۔ اول نفخۂ اولیٰ تخریب کیلئے ہے، اور دوم نفخۂ ثانیہ تعمیر کے لئے۔

تخریب درحقیقت دنیا کی موت ہے۔ اور عام عادت کے مطابق موت سے قبل مرض ہی پیش آتا ہے، اور جب وہ مرض علاج سے درست نہ ہو تو مریض اطباء اور ڈاکٹروں کی نگاہ میں لاعلاج صورت اختیار کر کے مرض مہلک کی شکل اختیار کرتا ہے، اور پھر وہ شخص مرکر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی ضابطہ کے تحت انسان کا اجتماعی وجود بھی جب مریض ہو جاتا ہے، اور کسی علاج سے انسان کی ہیئت اجتماعیہ صحت پذیر نہیں ہوتی، تو اس کا مرض لاعلاج ہو کر اس کا اجتماعی وجود قریب الہلاک ہو جاتا ہے، اور پھر ہلاکت کا قانون الٰہی نافذ ہو جاتا ہے، اور کائنات چوں کہ انسان کی خدمت کیلئے ہے، جب انسان نہ ہو تو کائنات کی بھی ضرورت نہیں رہتی، اس لئے پوری کائنات، آسمان وزمین کی ہلاکت وموت بھی انسان

کی ہلاکت سے وابستہ ہوجاتی ہے، اور انسان کی موت سے پوری دنیا اور کائنات پر بھی ہلاکت وموت کا قانون نافذ کردیا جاتا ہے۔ اسی کا نام قیامت ہے، اور قیامت سے قبل کی حالت دنیا کیلئے مرض الموت کی حالت کی طرح ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں أشراط الساعة یا علاماتِ قیامت کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ شخصی موت سے پہلے مریض میں موت کی علامات نمایاں ہوجاتی ہیں، اور ماہر ڈاکٹر وطبیب موت کا حکم لگادیتے ہیں۔ علامات کے بعد شخصی موت میں کچھ وقفہ ہوجاتا ہے، لیکن عالمی موت میں اس کی وسعت کے پیش نظر علامات کبریٰ کے متحقق ہونے کے بعد کافی وقفہ ہوتا ہے۔ [علوم القرآن]

عالمی مرض موت (علامات قیامت)

ایمان اور اس کے لوازمات اگر انسانوں کے مجموعی وجود میں متحقق ہوں تو یہ چیز عالم کے لئے بمنزلہ صحت وروح حیات کے ہے، اور جوں جوں اس میں کمی ہوتی جائے گی تو اسی قدر عالمی صحت پر مرض کے آثار نظر آتے ہیں۔ پھر اگر یہ مرض عالمگیر صورت اختیار کرے تو یہ عالمی ہلاکت، یعنی قیامت کے لئے علامات کبریٰ یا مرض مہلک کی طرح ہے، جس پر حسب ذیل احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم دال ہیں۔

(۱) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قیامت شریر انسانوں پر قائم ہوگی۔ [مسلم]

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جب تک اللہ اللہ کہنے والے مؤمن ہوں گے تو قیامت قائم نہیں ہوگی۔ [ترمذی]

(۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دنیا کا اقتدار وحکمرانی بدترین لوگوں کے ہاتھوں میں نہ آئے۔ [ترمذی]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بدی کا عالمگیر مرض قیامت اور ہلاکت عالم کی نشانی ہے۔ اگر کچھ ایماندار لوگ تھوڑے سے رہ جائیں تو صحیح مسلم میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث منقول ہے کہ: ''ربّ العزت عزّ مجدہ ایک عمدہ ہوا بھیجے گا، جس سے ان قلیل التعداد مؤمنوں کی روحیں قبض کی جائیں گی، اور صرف بُرے لوگ رہ جائیں گے، تو قیامت قائم کی جائے گی''۔ ان حالات کے پیش نظر قیامت قائم کرنے میں یورپ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے علوم وفنون اور ایجادات نے ایمانی عقائد اور ایمانی اعمال کو پورے عالم میں ختم کیا، اور نیکیوں کے

بدلے مخرب اعمال ومخرب اخلاق،معاصی و بے حیائی،لواطت، زنا،شراب،ناچ،فلم،عریانی،فحاشی،اور بہت سے لاتعداد جرائم مثلاً سود،رشوت،حرام خوری،بدکاری،قتل وغارت،چوری،ڈاکے وغیرہ پورے زور سے عالم کے چپہ چپہ، شہروں،دیہاتوں،خشکی،سمندر،الغرض ہرجگہ پھیلائے،اور سرپرستی کرکے خوب عام کئے،جن سے پورا کرۂ ارض عذاب وگرفت الٰہی کی زد میں آگیا،اور سارے انسانی اقدار ملیامیٹ ہوکررہ گئیں۔بالفاظ دیگر ساراجہاں مہلک ولاعلاج بیماریوں کا گھوارہ بن گیا،اور تباہی کے دہانے پرپہنچ گیا۔

جس کھیت سے دہقاں کومیسر نہ ہو روزی

اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کوجلادو

اسی طرح لاعلاج مرض کاانجام موت ہی ٹھہرا۔اسی اجتماعی موت کانام قیامت کبریٰ ہے جوکہ اٹل ہے۔

نفخۂ اولیٰ:

تخریب وموت جہاں:

نفخہ اولیٰ جمعہ کےدن اسرافیل علیہ السلام فرشتے کے ذریعہ صور پھونکا جائے گا۔اس میں تجلی وجلال کی ایسی پرزور بے پناہ قوت ہوگی کہ اس کے خدائی اثر سے موجودہ نظامِ عالم درہم برہم ہوجائے گا،اور یہ محکم ومضبوط نظام شیشے کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر خاکستروتباہ ہوجائے گا۔یہ نفخہ درحقیقت ربّ العزّت سبحانہ کے وصف مُمِیت کامظہر ہوگا،جس سے ہرچیزعلوی وسفلی پرموت وفناء طاری ہوجائے گی۔قرآن حکیم نے فرمایا:﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ﴾[الزمر:٦٨] (اورصور پھونکا جائے گا،توآسمانوں اورزمین میں جتنے ہیں وہ سب بےہوش ہوجائیں گے،سوائے اس کے جسے اللہ چاہے)۔

ہلاکت سے مندرجہ ذیل اشیاء مستثنیٰ ہوں گی: دوزخ اوراس کے کارندے،جنت اوراس کے حوروغلمان کہ ان کی تخلیق بقاء کے لئے ہے،نہ کہ فنا کے لئے،اور چار ملائکہ مقربین اور مدبرات امر کہ ان سے کام لینا ہے،اورشہداء کی ارواح کہ ان کے ساتھ حیات کاوعدہ ہے۔"بدور السافرة في أمور الأخرة" میں مستثنیات کے دلائل (احادیث) مذکورہیں،اسی "بدور السافرة" میں بیہقی سے بروایت مقاتل منقول ہے کہ:''صور کے دائرہ کی وسعت آسمانوں اور

زمینوں کی وسعت کے برابر ہے''۔[علوم القرآن]

نفخۂ ثانیہ:

قرآن حکیم نے فرمایا:﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾[الزمر:٦٨] (پھر دوسری بار پھونکا جائے تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے)۔ صور کی دوسری پھونک سے فوت شدہ انسان اور حیوانات سب زندہ ہوں گے، یہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے بدور السافرۃ میں منقول ہے۔طبرانی نے حضرت مقدامؓ سے سندِ حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ: ''چھوٹے بچے سے بوڑھے تک سب زندہ ہو جائیں گے، باقی جو بچہ قبل از وقت گر گیا ہو، اگر اس کے اعضاء تام ہوں اور روح پھونکی گئی ہو تو وہ زندہ کیا جائے گا، ورنہ نہیں، سب کی عمر (۳۳) سال کی ہوگی''۔

یہ نفخہ مظہر ہوگا اللہ تعالیٰ کی صفت مُحيِ کا۔قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سارے مردے کھڑے ہو کر دیکھتے ہوں گے، دونوں نفخوں میں چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔[بخاری] اس درمیانی عرصے میں چالیس دن عرش معلیٰ سے جمے ہوئے سفید پانی کی بارش ہوگی، جو مردوں کے خاکی قالب پر برسے گی، جس سے وہ انسانی صورتوں میں تبدیل ہوں گے۔بدور السافرۃ میں ابوالشیخ کی روایت کے مطابق صور میں تمام ارواح کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں، جن میں روحیں ہوں گی اور نفخے سے اڑ کر اپنے اپنے قالبوں میں داخل ہوں گی۔ذرات ابدان کا اجتماع زلزلے کے ذریعہ ہوگا۔جیسے قرآن حکیم میں ہے:﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾ [الحج:۱] (بیشک قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے)۔ذرات جب خاکی قالب میں خود یا بذریعہ مدبرات امر متشکل ہوں گے، تو عرش معلیٰ سے وہ ماء الحیات، یعنی آبِ حیات چالیس دن تک برستا رہے گا۔جس سے خاکی قالب لحمی قالب کی شکل اختیار کرے گا، جس کو کبھی تغیر اور فنا نہیں ہوگی۔انسان کا پہلا وجود ماء الفنا، یعنی زمینی پانی سے تھا، اور دوسرا وجود ماء الحیات، یعنی عرشی پانی سے ہوگا۔ماء الحیات کا اطلاق حضرت ابو ہریرۃؓ نے آپ ﷺ سے نقل کیا ہے۔پھر دوسرے نفخے سے تیار شدہ قالبوں میں روحیں منتقل ہو کر مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

اس کے بعد میدان محشر ہوگا، جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔وہاں سارے انبیاء علیہم السلام کے حوض کوثر کی طرح حوض ہوں گے۔حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حوض سب انبیاء علیہم السلام کے حوض سے بڑا ہوگا۔آسمان

کے ستاروں کے برابر اس میں آبخورے ہوں گے، اس کا پانی دودھ سے سفید، شہد سے میٹھا، اور برف سے ٹھنڈا ہوگا۔ اس میں سے وہ لوگ پئیں گے جو ایمان کے علاوہ متبع سنت ہوں گے، بدعتیوں کو دھکے دے کر دور کیا جائے گا۔ خواہ بدعت اعتقادی ہو یا عملی، یہ ساری روایات بدور السافرۃ میں بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ حوض کوثر دراصل کتاب وسنت پر عمل کی جسمانی صورت ہے، جس سے کتاب وسنت پر عاملین مستفید ہوں گے، اہل بدعت ہر طرح سے محروم رہیں گے [علوم القرآن، البدور اختصاراً]

اس کے بعد نامہ اعمال کا مرحلہ پیش آئے گا۔ یہ موقعہ بڑا سخت اور ناقابل برداشت ہوگا، جس کے مختلف مراحل ہوں گے، بعدازاں شہادتوں کا مرحلہ ہوگا۔ انبیاء کرام علیہم السلام گواہی دیں گے، انسانی گواہیوں اور اعضاء بدن کی گواہیاں ہوں گی۔ کراماً کاتبین اور کئی بے شمار قسم کی گواہیاں سامنے آجائیں گی۔ مثلاً شہادت اعضاء، شہادت نعماء، شہادت مکان، شہادت زمان، شہادت اعمال، شہادت قرآن حکیم، وغیرہ وغیرہ۔ پھر اوزان اعمال کا مرحلہ آئے گا، جس کا انتہائی پیچیدہ مراحل میں شمار ہوتا ہے۔ پھر اس سے بھی خطرناک مرحلہ پلصراط کا شروع ہوگا۔ اس کے بعد کا مرحلہ دخول جنت ودوزخ کا ہوگا۔ إما إلى الجنة وإما إلى النار، یہ کم فہم و ناعاقبت اندیش انسان جو عاجز ہوتے ہوئے بھی مغرور، اور باوجود ضعیفی کے بھی متکبر اور ظلوم وجہول، جس نے اپنے سفر کی ابتداء ازل سے شروع کی تھی روحانی طور پر، اور ماں کے پیٹ سے جسمانی طور پر۔ ایک کٹھن منزل کی طرف رواں دواں مختلف مراحل کو طے کرتے ہوئے ایک حسین وخوبصورت وقفہ (دنیوی زندگی) ربّ العزّت نے عطا کیا تھا کہ یہاں سے اگلے جہاں اور آخری منزل کے لئے کچھ سامان کا بندوبست کر کے آگے سفر جاری رکھنا تھا، کچھ لوگوں نے تو یہ کام بخیر وخوبی انجام دیا، اور اکثریت نے پہلوتہی کر کے کبر وغرور اور ناشکریوں کا سہارا لیا۔ بہرحال منزل مقصود آپہنچی۔ اب قسمتوں کا اسی وقفے کے اعمال پر فیصلہ ہوگا۔ یا ابدی راحت وسکون اور جنت کا فیصلہ ہوگا، اللّٰھم ارزقنا منه۔ یا ابدی بے اطمینانی وعذاب، یعنی دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ یہ آخری اور اختتامی مرحلہ ہے، اس کے بعد نہ کوئی منزل ہے نہ عمل۔ [علوم القرآن، البدور اختصاراً]

اجمالی ترتیب از ابتداء سفر تا اختتام:

(۱) روانگی ازل۔ (۲) ماں کے پیٹ سے آغاز سفر، موت، قیامت، پہلا نفخہ، دوسرا نفخہ، میدان محشر، نامہ اعمال کا مرحلہ، شہادتوں کا مرحلہ، وزن اعمال کا مرحلہ، (جس کا مختصر بیان آنے والا ہے) پلصراط کا مرحلہ، جنت و دوزخ

کا فیصلہ، سفر ختم۔

وزن اعمال:

قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ [الأنبياء:۴۷] (ہم انصاف کے ترازو قیامت کے دن رکھیں گے، پھر کسی نفس پر ظلم نہ ہوگا، اور اگر عمل کی مقدار رائی کے دانے کے برابر ہوگی، ہم اس کو بھی لائیں گے، اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں)۔ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ﴾ [الأعراف:۸] (قیامت کے دن اعمال کا تول حق ہے)۔ ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَّاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ [القارعة:۹] (قیامت کے دن اعمال کا تول حق ہے، جس کی بھاری ہوئیں تولیں تو وہ رہے گا من مانے گزران میں، اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے)۔ ان آیات و دیگر آیات اور متعدد احادیث اور اجماع اہل سنت سے آخرت میں اعمال کا تولا جانا حق ہے۔

البتہ! معتزلہ اور سلف میں مجاہد، اعمش اور ضحاک کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں وزن کا ذکر ہے اس سے اعمال کا تول مراد نہیں، بلکہ منصفانہ فیصلہ اور عدل الٰہی مراد ہے۔ لیکن یہ رائے بقول امام آمدیؒ اس لئے غلط ہے کہ میزان قرآن میں ثقل وخفت، یعنی بھارے اور ہلکے ہونے کے ساتھ موصوف ہے۔ لیکن انصاف کو بھاری اور ہلکا نہیں کہا جاسکتا، اور نہ وہ ثقل اور خفت سے موصوف ہوسکتا ہے۔ اس لئے جمہور کی رائے درست ہے کہ جس ترازو سے اعمال کا وزن ہوگا، وہ جسمانی اور حسی ہوگا، معنوی میزان بمعنی انصاف مراد نہیں، جیسے معتزلہ کا خیال ہے۔ میزان حسی کے ثبوت میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث آئی ہے: "یوضع المیزان یوم القیامة فلو وضع فیه السموات و الأرض لوسعه"۔ ترازو کھڑا کیا جائے گا، جو اس قدر کشادہ ہوگا، اگر تمام آسمان اور زمین اس میں رکھے جائیں تو اس میں سما سکتے ہیں۔ یہ حدیث حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی آخری حدیث کی شرح میں حاکم سے بروایت سلمان رضی اللہ عنہ اور ابن مودویہ رحمۃ اللہ علیہ سے بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے بروایت انس رضی اللہ عنہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ سے بروایت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نقل کی ہے، اور سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں، ابو القاسم الالسکائی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنۃ، میں نیز علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر سورۂ اعراف میں نقل کی ہے۔

میزان واحد یا متعدد؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ میزان واحد ہے۔ اور جمع کی تعبیر جو قرآن میں آئی ہے جیسے مذکورۃ الصدر روایت میں موازین آیا ہے، یا باعتبار اعمال متعددہ کے جمعیۃ اعتباری ہے، یا تعظیم کی وجہ سے جمع لائی گئی ہے، کہ میزانِ آخرت اگرچہ ایک ہے، لیکن عظیم ہونے کی وجہ سے ایسی ہے کہ کثیر التعداد کہلانے کی مستحق ہے، جیسے: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾ [الشعراء:١٠٥] (قومِ نوح نے رسولوں کو جھٹلا دیا)۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حقیقۃً میزان متعدد ہیں، یا ہر آدمی کے لئے ایک میزان ہے، یا ہر عمل کیلئے جداگانہ میزان ہے، لیکن پہلا قول راجح ہے۔

موزون لہم کا بیان:

کن اشخاص کے اعمال تولے جائیں گے؟ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ تین گروہوں کے اعمال نہیں تولے جائیں گے، باقی سب مکلفین کے اعمال تولے جائیں گے۔ وہ تین گروہ معصومین انبیاء علیہم السلام، اور میرے نزدیک اُطفال المسلمین، اور مجنونین بھی اس میں داخل ہیں۔ دوسرا گروہ جو بلا حساب جنت میں داخل ہوگا وہ تعداد میں چار ارب نوے کروڑ ہیں۔ تیسرا گروہ کفار کا ہے، کیونکہ اعمال میں باہمی وزن ہوگا، اور اس کے لئے متضاد اعمال کا ہونا ضروری ہے، جو ان تینوں گروہوں میں نہیں۔ اسی طرح آیت: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ [الکھف:١٠٥] میں قرآنی تصریح ہے کہ ہم کفار کے لئے وزن قائم نہیں کریں گے۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں تعمیم ہے کہ انہوں نے "إن أعمال بني أدم وقولهم يوزن" فرمایا، کہ آدم علیہ السلام کی اولاد کا عمل وقول تولا جائے گا۔ یہی قول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار ہے۔ ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ [الکھف:١٠٥] میں مراد وزن سے تول نہیں، بلکہ قدر اور مرتبہ ہے، یعنی کفار کے اعمال کے لئے خدا کے ہاں قدر ومنزلت نہ ہوگی۔ باقی اعمال متضادہ کا جواب امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ ایک پلڑا کفار کا نیکیوں سے خالی ہوگا، کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی باقی نہیں رہتی، اور دوسرے پلڑے میں کفر اور گناہ ہوں گے، تو یہ پلڑا بھاری ہوگا۔ یا اگر کفار کے صدقات اور خیرات کا تخفیف عذاب میں اثر مانا جائے [کیفًا نہ کمًا] تو وہ ایک پلڑے میں ہوں گے، اور دوسرے پلڑے میں کفر اور گناہ ہوں گے، تو کفر والا پلڑا بھاری ہوگا۔

تیسرا قول شرح عقائد نسفی میں امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، کہ کفار کے لئے میزان تمیز ہوگی، کہ اس کے ذریعہ کفار کے مختلف طبقات میں ان کے اعمال تول کر یہ فیصلہ ہوگا کہ کن کفار کے گناہ زیادہ ہیں اور کن کے کم؟ تا کہ ابدی عذاب میں شریک ہونے کے باوجود ان کے گناہوں کی کثرت وقلت کے مطابق ان کے مناسب اعمال وطبقات متعین کئے جائیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قصہ ابی طالب وابی لہب سے استدلال کر کے کفار کی بعض نیکیوں کو تخفیف عذاب میں مؤثر تسلیم کیا ہے۔ سورۂ مؤمنین کے آخر کی آیت سے کفار کے اعمال کا وزن ثابت ہوتا ہے۔ آیت کریمہ یہ ہے: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۱۰۲ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝۱۰۳ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝۱۰۴ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝۱۰۵﴾ [المؤمنون] (جن کے تول ہلکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے نفسوں کو نقصان میں ڈالے ہوئے ہیں، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جلائے گی، اور ان کے منہ اس میں بگڑے ہوئے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا: کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی گئیں جن کو تم نے جھٹلایا؟)

آخری فقرہ سے جس میں تکذیب آیات کا ذکر ہے۔ ان کا کافر ہونا ثابت ہوا، اور آیت کے پہلے فقرے خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ سے ان کے اعمال کا وزن ثابت ہوا۔ [علوم القرآن]

بیان الموزون:

میزان میں کیا چیز تولی جائے گی؟ اس میں تین قول ہیں: اول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اعراض واعمال کو اجسام بنا کر تولا جائے گا۔ اس کو قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بلفظ "يقلب الله الأعراض أجسامًا" سے نقل کیا ہے، اور بدور السافرۃ ص ۱۳۵ میں شعب الایمان بیہقی سے بلفظ "يؤتى بالحسنات بأحسن صورة ويؤتى بالسيئات بأقبح صورة" کے ساتھ نقل کیا۔ یعنی نیکیوں کو اچھی صورت اور گناہوں کو بری صورت میں لایا جائے گا۔ اس قول کو طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں ترجیح دی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نامہائے اعمال تولے جائیں گے، جن کا بوجھل اور ہلکا ہونا اعمال کی نوعیت پر ہوگا۔ جس کی دلیل حدیث البطاقہ ہے۔ جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے اس کی تحسین کی ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو اپنے صحیح میں لائے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں: "يؤتى بتسع

وتسعين سجلاً فتوضع في كفة ويؤتى بالبطاقة فتوضع في أخرى، فطاشت السجلات و ثقلت البطاقة"۔ یعنی ننانوے دفتر لا کر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے، اور پرچی دوسرے پلڑے میں، ننانوے دفتر ہلکے ہوں گے، اور پرچی بھاری ہو جائے گی۔ اس کو امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی، اور کہا کہ ثقل اجر کے انداز پر ہوگا۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ترجیح دی اور یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نفس اعمال تولے جائیں گے۔ جس پر ابوداؤد اور ترمذی کی مرفوع حدیث دال ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی۔ لفظ حدیث یہ ہے: "مايوضع في الميزان أحسن من خلق حسن"۔ میزان میں اخلاق حسنہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں رکھا جائے گا۔ اس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے۔ اعمال کا قول پہلے زمانہ میں بعید از عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن تھرمامیٹر سے بدن کی گرمی یا موسم کا درجہ حرارت معلوم کیا جاتا ہے، حالانکہ عرض ہے، اس لئے اب اس میں استبعاد نہیں رہا۔

میرے نزدیک ان اقوال میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ تینوں طریقوں سے وزن اعمال ہو۔ اعمال کو اجسام بنا کر تولنا، نامہائے اعمال کا تولنا، خود نفس اعمال کا تولنا، تینوں طریقے برتے جائیں گے تاکہ انسان کی قسمت کے آخری فیصلے صادر ہونے میں شک وشبہہ کی گنجائش نہ رہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فضل علم میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لائی کہ علماء کی سیاہی اور شہداء کا خون تولا جائے گا تو علماء کی سیاہی بھاری ہوگی۔

وَازِن:

اعمال تولنے کے لئے تولنے والا ضروری ہے، وہ کون ہوگا؟ مختلف روایات کے تحت اس میں چار اقوال ہیں:

(۱) اللہ جل مجدہٗ تولنے والا ہوگا۔ یہی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ "الدرة الفاخرة في كشف علوم الآخرة" میں جس کی دلیل قرآن کی آیت: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ﴾[الأنبياء:۴۷]﴾ (ہم رکھیں گے تولوں کو) اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کی ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وازن ملک الموت ہوگا۔ اس کو اکثر محدثین نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

(۳) سوم یہ کہ وازن حضرت آدم علیہ السلام ہوں گے۔ طبرانی نے معجم صغیر میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: "ياآدم قد جعلتک حكما بيني وبين ذريتک قم عند الميزان"۔ اے آدم! میں نے تم کو

منصف ٹھہرایا ہے، اپنے اور آپ کی اولاد کے درمیان، جا کھڑے ہو میزان کے پاس۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ وازن حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے۔ اس کو ابوالقاسم الاسکائی رحمۃ اللہ علیہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

میرے نزدیک ان چار اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چاروں قول درست ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ اس لحاظ سے تولنے والا اور وازِن ہے کہ تول کرنے کا حکم وہی دیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی نسبت بحیثیت آمر کی ہے۔ ملک الموت نے دنیا سے آخرت کی طرف مردگان کا چالان کیا ہے، جس طرح پولیس چالان کرتی ہے۔ تو عدالت الٰہیہ میں چالان کنندہ عملہ، یعنی ملک الموت کی حاضری اور بیان بھی ضروری ہے، جیسے انسانی عدالتوں میں پولیس کا بیان لیا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام چونکہ قانون الٰہی، قرآن کے پہنچانے والے ہیں، اس لئے آپ کی موجودگی یعنی مقدمہ قانون شکنی میں پیشی ضروری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا مقدمہ درپیش ہے، اس لئے بحیثیت سرپرست آپ کی حاضری بھی ضروری ہے۔

وزن اعمال کی حکمت:

اعمال کے تولنے سے اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے۔ وہ عالم الغیب ہونے کے لحاظ سے اعمال کے ایک ایک ذرّہ سے باخبر ہے، بلکہ وزن اعمال عدالتی کاروائی کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

(۱) تاکہ نامۂ اعمال کے ذریعہ خود عمل کرنے والوں کو اپنے اعمال کا علم ہو جائے، اور اگر بھول گئے ہوں تو یاد آجائے۔ جیسے ڈائری میں نظر ڈالنے سے گذشتہ اُمور یاد آجاتے ہیں، اور نفسیاتی طور پر تسلیم کرلیں کہ یہ سب کچھ درست ہے خواہ زبان سے اقرار کریں یا نہ، جیسے: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [الإسراء: ۱۴] (اپنا نامۂ اعمال پڑھ لو، آج تم خود اپنے اوپر حساب کرنے کیلئے کافی ہو) میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا۔

(۲) دوم یہ کہ وزن اعمال سے اعمال کی مقدار عام طور پر معلوم ہو جائے۔ تاکہ اعمال نیک کی جزاء سے اللہ پاک کے فضل اور احسان کا ظہور ہو، اور اعمال بد کی سزا میں اللہ تعالیٰ کے عدل کا ظہور ہو کہ مجرم کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوئی۔

(۳) شہادت انبیاء علیہم السلام وعلماء، شہادت ملائکہ، شہادت اعضاء، اور شہادت قطعات زمین سے یہ ظاہر

کیا جائے کہ جو کچھ عدالتی کارروائی ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے۔

(۴) اس سب کارروائی سے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ سب انتظامات انسانی اعمال کی اہمیت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد یہی نتائج اعمال تھے۔ اسی وجہ سے اس کے لئے یہ وسیع انتظامات کئے گئے۔

راجح اور مرجوح کی پہچان:

نیکی اور بدی کے پلڑے کے بھاری اور ہلکے ہونے کی معرفت کی علامت کیا ہوگی؟ اس میں تین اقوال ہیں:

(۱)...... جمہور کا قول یہ ہے کہ دنیا کے دستور کے مطابق نیچے جھکنے والا پلڑا اس کے بھاری ہونے، اور اوپر چڑھنے والا اس کے ہلکے ہونے کی نشانی ہے، جیسے دنیا کے تول میں یہی قاعدہ ہے۔

(۲)...... دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا کے دستور کے برعکس ہوگا کہ جو پلڑا اوپر چڑھے گا وہ بھاری ہوگا، اور جو نیچے جھکے گا وہ ہلکا ہوگا، کیونکہ حیز اور مرکز میلان کی آخرت میں تبدیلی ہوگی، نیکیوں کا مرکز اوپر ہوگا، جہاں جنت ہے، اور بدیوں کا مرکز نیچے ہوگا، جہاں دوزخ ہے، یہی قول بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ "البرهان في علوم القرآن" میں، اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مختار ہے "فتح العزیز" میں۔

(۳)...... تیسرا قول یہ ہے کہ اگر حسنات کے پلڑے سے نورانی ستون نکلے تو نیکی کا پلڑا بھاری ہے، اور اگر سیئات کے پلڑے سے ظلمانی اور سیاہ ستون نکلے تو سیئات کا پلڑا بھاری ہے۔ اس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر سورۃ قارعہ میں نقل کیا ہے۔

مقام وزن:

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں، اور ابوالقاسم الاسکائی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنۃ میں نقل کیا ہے کہ میزان نصب کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے، حسنات کا پلڑا عرش سے دائیں طرف، اور سیئات کا عرش کے بائیں طرف ہوگا۔ حسنات کے بالمقابل جنت اور سیئات کے بالمقابل دوزخ ہوگی۔ [علوم القرآن]

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں

جب بندہ نے اپنے ربّ کی حمد وثناء اور صفت محمودہ مخصوصہ کے ساتھ شوق ومحبت سے اس کی تعریف بیان کی تو اسے ربّ تعالیٰ کی خصوصی معرفت حاصل ہوئی۔ وہ علم حصولی سے ترقی کرکے علم حضوری ومشاہدہ کے مقام پر پہنچ کر ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہہ کر ''تعبد اللہ کأنک تراہ'' کے درجہ عالیہ پر فائز ہو گیا۔

نحویوں کا ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب کسی محکوم علیہ کے ساتھ کوئی صفت مذکور ہو تو وہ صفت اس حکم کیلئے علت قرار پائے گی۔ جیسے: ''أکرمت زیداً القاري'' تو صفت قراءت اکرام زید کے لئے علت قرار پائی۔ اسی طرح الحمد للہ کا جملہ اور پھر ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ دونوں میں حکم ہے، اور درمیان میں چاروں صفات یعنی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، اور مالکیت جو کہ حمد وثناء اور عبادت واستعانت کے لئے بمنزلہ علت ہیں۔ جہاں یہ صفات نہیں ہوں گی وہاں غیر اللہ تعالیٰ نہ حمد کا مستحق ہوگا، اور نہ ہی عبادت واستعانت کا۔ تو جس طرح حمد باری تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ مختص ہوگی، اسی طرح عبادت واستعانت اسی کے ساتھ مختص رہیں گی۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ: ''تقدیم ما حقہ التأخیر یوجب الحصر والاختصاص''۔ إِيَّاكَ دونوں جگہ مفعول بہ ہے اور فعل پر مقدم ہے، جس سے اختصاص العبادۃ والاستعانۃ بذاتہ تعالیٰ ثابت ہے، اور یہی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ''أي نخصک بالعبادۃ والاستعانۃ أي نعبدک ولا نعبد ولا نستعین غیرک''۔ [حکاہ المظھري و البیضاوي و الکبیر والروح وغیرھم]

کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی عبادت کی جاسکے سوائے باری تعالیٰ کے، یا جس سے استعانت ومدد طلب کی جائے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ استعانت سے مراد مافوق الاسباب غائبانہ مدد ہے، اور یہ صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح عبادت بھی، مگر اصلاح عقیدۂ توحید کے ساتھ ہو۔ الوہیت کیلئے چند شرائط ضروری ہیں، جو کہ مخصوص ہیں ذات باری تعالیٰ عزّ اسمہ کے ساتھ، کسی اور ہستی میں ان کا کوئی وجود نہیں۔

پہلی شرط واجب الوجود ہونا۔ یعنی عبادت کے لائق وہ ہستی ہے جس کا وجود خود بخود ہے، کسی دوسری ہستی کا عطا کردہ نہیں ہے۔ یہی چیز ربّ العزت سبحانہ کو تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے، کیونکہ ما سوی اللہ کا وجود اسی ذات پاک کا عطا کردہ ہے، جبکہ اس کا اپنا وجود خود بخود ہے، فارسی میں ''خدا'' کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ خود بخود ہے۔

دوسری شرط قادر مطلق ہونا۔یعنی جو چاہے کرے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو۔﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[المائدۃ:۱۲۰](وہ ہر چیز پر قادر ہے)وہی قادر مطلق ہے۔

تو وہ داتا ہے کہ جو چاہے کرے
جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے

الوہیت کی تیسری شرط "علیم کل" ہونا۔ ماکان ومایکون ذرہ ذرہ کا علم محیط اسی ذات واحد لاشریک لہٗ کے ساتھ مخصوص ہے، کوئی چیز اس کے علم محیط سے باہر نہیں ہے، اور یہ صفت کسی اولوالعزم نبی یا فرشتہ یا اور کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں ہے، حتیٰ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم وملائکۃ المقربین کا علم بھی محدود ہے، کلی ومحیط نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ان شاءاللہ سورۃ البقرۃ کے شروع میں آنے والی ہے۔

الوہیت کی چوتھی شرط خالق ہونا، قال اللہ تعالیٰ:﴿خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾[الزمر:۶۲](ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے)﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾[الأعراف:۵۴](آگاہ رہو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے)﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ﴾[الفاطر:۳](کیا کوئی پیدا کرنے والا ہے اللہ کے سوا؟)سارا جہاں ملکر ایک ادنیٰ مخلوق، ایک مکھی یا کسی مچھر کو پیدا نہیں کرسکتا۔

غرض یہ چاروں شرائط واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل اور خالق ہونا صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور وہ ہی ہر قسم کی عبادتوں کا حقدار، سزاوار، اور لائق ہے۔ لہٰذا یہ اقرار کرنا ہے کہ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امام الہند ومسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ: توحید کے چار درجات ہیں، ان میں سے دو درجوں میں تو سب مؤمن، کافر، مشرک وغیرہ سب متفق ہیں، مگر باقی دو درجوں میں کفار ومشرکین اہل ایمان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں:

توحید کا پہلا درجہ واجب الوجود ہونا ہے۔ اس پر سب متفق ہیں کہ واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اسی کا وجود خود بخود ہے، باقی سب مخلوقات کا وجود عطائی ہے۔ توحید کے اس درجے سے کوئی منکر نہیں، سب اہل ادیان وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔

توحید کا دوسرا درجہ صفت خلق ہے۔ کسی سے بھی پوچھیں کہ آسمانوں، زمینوں، اور مخلوقات کا خالق کون ہے؟

جواب یہی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ۔ چند دہریوں کے علاوہ سب اسی پر متفق ہیں کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے گویا یہ دونوں درجات اتفاقی اور متفق علیہ ہوئے۔

توحید کا تیسرا درجہ تدبیر ہے۔ یہاں آکر کافر و مشرک اہل ایمان سے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ ایمان والوں کا نظریہ تو یہ ہے کہ مدبر، یعنی ہرچیز کی تدبیر کنندہ اللہ تعالیٰ ہی ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ﴾ [السجدة:۵] (تدبیر کرتا ہے آسمان سے لے کر زمین تک) بلندیوں سے لے کر پستیوں تک، آسمانوں سے لے کر زمینوں تک ہرچیز کی تدبیر کنندہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، یہاں آکر نجومی ستارہ پرست اور مشرک علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ نجومی ستاروں کو مدبر مانتے ہیں، اور مشرک قبر پرست قبر والوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں، پیر پرست اپنے پیروں کو مدبر مانتے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں، جنات، بھوت و پریت کے ساتھ امیدیں وابستہ کرتے ہیں، مگر اہل ایمان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو مدبر، تدبیر کنندہ مانتے ہیں، اور بس وہی ذات پاک حقیقی مدبر الحی القیوم ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے، یہاں پر لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کہہ کر یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوسکتی ہے، جو واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل، نافع، ضار اور ہر چیز کا خالق، اور ہرچیز میں مدبر و متصرف ہے۔ مگر مشرک لوگ عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ عبادت قولی بھی ہے، فعلی بھی، بدنی اور مالی بھی۔ اہل ایمان ان سب کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں، جبکہ مشرک و کافران سب میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بتوں، قبروں، فرشتوں، جنات، انبیاء، اولیاء، صلحاء، شہداء، ستارے، مسیح علیہ السلام، عزیز علیہ السلام، غرض یہ کہ معبودان باطلہ کا ایک لامحدود سلسلہ ہے۔ "نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ"۔ [حجة اللہ البالغہ]

اے اللہ! جل ثناءک و مجدک، آپ وہ قادر مطلق وحدہ لاشریک ہیں کہ آپ نے اتنے بڑے خوبصورت مضبوط و محکم اور تمام نقائص و کمزوریوں سے پاک، بڑے جہاں کی تنہا بلاشریک غیر تخلیق فرمائی۔ شریک اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی کام کے انجام دینے میں کسی کی مدد کرے۔ جب آپ نے جہاں کی تخلیق فرمائی، اس وقت سوائے آپ کے اور کوئی ہستی موجود نہ تھی، پھر ان ظالموں نے کیسے اور کہاں سے، کس طرح آپ کے ساتھ ہزاروں، لاکھوں ناتواں مخلوقات اور موجودات کو شریک ٹھہرایا؟ یارب! آپ کو کسی ضعیف و ناتوان، بے جان و بے ہمت شریک کی آخر ضرورت ہی کیا؟

ساری مخلوقات آپ کے دربار میں محتاج اور سوالی ہیں۔ کیسے آپ کا شریک بن سکتی ہیں؟ جن کی زندگی اور موت آپ کے ہاتھ میں ہو۔ بڑی جسامت والی مخلوق ہاتھی جیسے جانور کے لئے اگر کوئی بیوقوف شخص ایک جوئیں کو اس کا برابر اور ساجھی اور شریک بتائے تو جہاں کے لوگ ہنس ہنس کر اس کا مذاق اڑائیں گے، اور اسے بے عقل و بے سوچ بتائیں گے، اس سے بڑھ کر اس حماقت اور نادانی کی کیا گنجائش ہوگی کہ کسی پیغمبر یا فرشتہ، یا کوئی عام، یا بڑے انسان، یا شخصیت، یا لوہے، پیتل، پتھر وغیرہ یا کسی بت کو حاجت روا، مشکل کشاء، تدبیر کنندہ سمجھ کر آپ کا شریک بتایا جائے؟ سارا جہاں علویات وسفلیات اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کو نسبت آپ کے ساتھ اس قدر بھی نہیں، جتنا کہ عرش معلیٰ کے ساتھ ایک مچھر کی نسبت ہے، آپ کی عظمت کے مقابلے میں سارا جہاں مچھر سے بھی کم اور مچھر سے بھی حقیر ہے، کوئی شخص اپنے کسی دوست کو کبھی اپنی بیوی کی عصمت میں شریک کرنے پر تیار نہیں، تو ان ظالموں کو کیسی جرأت ہوئی کہ آپ کی الوہیت وخدائی میں حقیر مخلوقات کو شریک ٹھہرائیں؟ یہ کتنا بڑا ظلم ہے، ﴿اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] (بیشک شرک کرنا بڑا ظلم ہے) آپ کا فرمان ہے، اور سو فیصد برحق ہے۔

توحید جو کہ اصل دین ہے، اور اس کے بغیر شرک وکفر ہی ہے، ان دونوں کا اجتماع ایسا مشکل ہے جیسے کہ رات دن کا اجتماع محال ہو۔ جو مسلمان خود کو مسلمان سمجھتا ہے، اس کا یہی معنی ہوگا کہ اس میں اور اس کے عمل میں شرک کی بو تک نہ ہو، ورنہ وہ مسلمان نہیں رہے گا، خواہ وہ ہزار حج ونماز وطاعات بجالائے۔ توحید کے ارکان اور شناخت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات دونوں میں ایک ادنیٰ شرک بھی نہ کرے، اگر شرک فی الصفات میں کوئی مبتلا ہو تو صرف توحید فی الذات اس کے ایمان کیلئے کافی نہیں، اور اصل لغزش اسی شرک فی الصفات میں ہوتی ہے۔ دراصل ایمان واسلام دونوں وحدتوں کا نام ہے۔ ایک وحدت تو لاکھوں مشرکوں اور کافروں میں بھی پائی جاتی ہے، پس ان میں اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں۔

توحید (ایمان باللہ) اس کا نام نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا زبان سے اقرار کرے، اور اپنی مرادوں اور حاجتوں کو دوسروں سے طلب کرے، یہ تو صریح شرک ہے۔ بلکہ توحید نام ہے زبان سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کا، اور اپنی تمام حاجتوں میں اس کو مختار، متصرف ومالک ماننے کا، اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنے کا، اور کارخانۂ قدرت میں تصرف نہ رکھنے، اور غیر مختار ہونے کا۔ یعنی اللہ بس، باقی ہوس۔ شرک کے معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان

اورزمین کا مالک کسی اور کو جانیں، یہ تو کوئی مشرک اور کافر بھی نہیں کہتا، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، بلکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت سی چیزیں اپنے واسطے خاص کر لی ہیں، ان میں کسی دوسری ہستی کو بھی ملانا اور شامل کرنا۔ جیسے بارش برسانا، رزق دینا، اولاد دینا، بیمار کو شفا دینا، غم دور کرنا، مشکل رفع کرنا، مقصد وحاجت پورا کرنا، آفتوں سے بچانا، غیب جاننا، ہر جگہ موجود رہنا، لوگوں کی مدد کرنا، دشمنوں کو زیر کرنا، زندہ کرنا، غنی و مالدار بنانا، موت دینا، عزّت وذلّت دینا وغیرہ، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، اور اسی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں کسی دوسرے کا اختیار سمجھنا بس یہی شرک ہے۔ جس کے مٹانے کے واسطے پیغمبر آئے، اور آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، اور سارا قرآن حکیم انہی مطالب کے بیان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الأعراف:۱۸۸] (اے پیغمبر ﷺ! آپ کہہ دیں: میرا حال تو یہ ہے کہ خود اپنی جان کا نفع نقصان بھی اپنے قبضہ میں نہیں رکھتا، وہی ہو کر رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی منفعت بٹور لیتا، اور زندگی میں کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لئے خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں)۔

کتنا واضح فرمان ہے۔ ہاں! ماننے والے اور حق کے متلاشی لوگوں کے لئے، مگر ہٹ دھرموں کا بیڑا غرق ہو، وہ تو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کو بھی قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ سب جانتے ہیں کہ سردار انبیاء ﷺ کے برابر خداوند تعالیٰ کے ہاں کوئی مقبول بندہ نہیں، پھر جب خود انہی کو اپنی جان کے نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں، اور وہ بھی غیب کی بات بغیر وحی واطلاع کے نہیں جانتے، تو اور لوگ پیر وفقیر کس گنتی اور شمار میں ہیں؟ ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل:۶۵] (ان سے کہہ دیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے)، ہاں! اگر وحی کے ذریعہ اور الہام ربانی کے ساتھ کچھ منکشف اور معلوم ہو تو وہ غیب دانی میں شمار نہیں ہوگا۔ پس جتنا حق سبحانہ بتادے گا بس اس کو اسی قدر معلوم ہوگا، زیادہ نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک لمبی مدت تک روتے رہے، انہیں معلوم نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام کا کیا ہوا، اور وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں آپ ﷺ پر کیا گزری۔ ایک ماہ تک پریشان رہے، اور بریرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشورہ کرتے

رہے۔نام نہاد فقیروں نے لوگوں کے ایمانوں پر قبضہ جمایا ہوا ہے،اور انہیں طرح طرح کے شرک وبدعات میں چند پیسوں کی خاطر مبتلا کر رکھا ہے ۔ بنی اسرائیل کے احبار ورہبان کو ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ [الجمعة:۵] (گدھوں کی طرح جو کتابیں لادے ہوئے ہوں) کے لقب دینے والے ذرا اپنے ایمان وحیاء کی خبر لیں۔

بہر حال! ہر چیز کا جاننا ربّ العزّت کا خاصہ ہے،اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ارشاد خداوندی ہے:﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص:۵۶] (اے محمد ﷺ! آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے ،مگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے،اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے)۔ سبحان اللہ! سرور دوجہاں ﷺ کے دو کام تھے: ایک تو دنیا میں خلقت کی ہدایت،اور دوسرے قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت ،مگران دونوں میں آپ کو پورا اختیار نہیں دیا گیا۔اگر ہدایت آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتی تو ابو طالب ،ابوجہل،ابولہب وغیرہ سارے مسلمان ہوتے ،اور اسی طرح نوح علیہ السلام اپنے بیٹے اور بیوی کو ہدایت دیدیتے۔سفارش فرما رہے ہیں بیٹے کے حق میں ،قبولیت نہیں ہو رہی۔ حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام اپنے والد اور قوم کو ہدایت نہیں دے سکے۔موسیٰ علیہ السلام قارون وفرعون وہامان کو ہدایت سے نہیں نواز سکے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ہدایت سے قابیل خالی دامن رہا، وھلم جراً۔ یہ اختیار صرف علیم وخبیر کا خاصہ ہے،اور بس۔کتب حدیث شریف بھی اس قسم کے واقعات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں اور منت ساجتوں اور سفارشوں سے لبریز اور پر ہیں۔ جہاں مرضی ہوئی وہاں شنوائی ہوئی۔ جہاں مرضی نہیں ہوئی وہاں کچھ نہیں ہوا۔ہم قربان جائیں اس مقدس ہستی رحیم وکریم کے۔اگر چاہے تو ایک عام آدمی کی دعاء کو قبولیت سے نوازے،اگر نہ چاہے تو خلاصہ کائنات ﷺ [فداہ أرواحنا] کو تنبیہ فرماتے ہوئے دعاء مسترد کر دے۔

بدر کے موقعہ پر حضرت سردار انبیاء ﷺ نام لے کر چند لوگوں کیلئے بددعاء فرما رہے ہیں۔آپ ﷺ کو ان کے مستقبل کا علم نہیں تھا۔ اللہ اکبر۔علیم وخبیر ذات کے ہاں پزیرائی نہیں ہو رہی،سید الملائکہ وحی لے کر اترتا ہے اور یوں فرمان کا نزول ہوتا ہے:﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ [آل عمران:۱۲۸] (تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبل کرے، یا ان کو عذاب دے، کیونکہ یہ ظالم لوگ

ہیں)۔اللہ اکبر! کیا استغناء و بے نیازی ہے، جس ہستی کو عرش پر بلاوا ہوا، اس سے کہا جارہا ہے کہ میرے اور میرے بندوں کے درمیان آپ فی الحال مداخلت نہ فرمائیں۔ یہ میرا اختیار ہے کہ انہیں عذاب دوں یا ہدایت کا راستہ دکھادوں۔ أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده و رسوله۔

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس شعر میں استعارہ وتمثیل ہے۔

کچھ شیطان کے گماشتے مخبوط الحواس، دنیادار پیر اور ان کے شاگرد و وزیر، عقل و نقل کے اندھے قرآن و حدیث کی مقدس تعلیمات سے بے بہرہ، خالی دامن، عقل و شیطان کے مرید یہ کہتے ہیں اور بڑے طمطراق و جرأت سے کہتے ہیں کہ بغیر سیڑھی کے مکان پر چڑھنا ممکن نہیں ہوتا، اسی طرح بغیر اولیاء کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ سائیں بابا ہمارے اور ربّ کے درمیان سیڑھی ہے، اور یہ بھی کہتے رہتے ہیں بغیر چپڑاسی یا ماتحت افسر کلرک کے صاحب بہادر تک پہنچنا مشکل ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

کتنی غلط دلیل اور بے سروپا حجت ہے کہ ربّ العزّت عزّ مجدہ کو بادشاہ اور افسر پر قیاس کیا۔ واقعی ہمیں یقین ہے کہ تم خالق و مالک کی معرفت سے تہی دامن ہو۔ ذرا یہ بتاؤ کہ کیا اس کی مخلوق صرف تم ہو؟ جنگلوں، صحراؤں، دشت و میدانوں، دریاؤں اور سمندروں میں جو بے شمار مخلوقات گونگے اور بے زبان آباد ہیں ان کی پرورش کون کررہا ہے؟ ان کے رزق و روزی، تندرستی، علاج، نسل و تربیت کا کون ذمہ دار ہے؟ وہاں کوئی سیڑھی اور چپڑاسی موجود نہیں۔ ان کی رسائی ذوالجلال والاکرام تک کس کے توسط کا مرہون منت ہے؟ شاید تم کو ربّ العٰلمین سبحانہ کے اپنے بندوں اور مخلوقات کے ساتھ تعلق کا پتہ نہیں، وہ کیا فرمارہے ہیں: **"الذي يسمع دبيب النملة السوداء على صخرة الصماء تحت ظلمات البحار"۔ [إحياء العلوم]** ساتوں سمندروں کی تہہ میں جو سیاہ چیونٹی ریت یا پتھر پر چلتی اور رینگتی ہے، میں عرش پر اس کے پاؤں کی آواز سنتا ہوں، اور اسے دیکھتا ہوں۔ اللہ اکبر! ایسے بلند و بالا نگران و محافظ تک پہنچنے کیلئے سیڑھی لگانا اس کی ناقدری نہیں تو اور کیا ہے؟ جو ہر وقت ساتھ ہے، دلوں اور قلوب کا راز بھی اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں، اور بغیر

سوال درخواستوں پر فیصلہ دیتا ہے، بلکہ درخواست سے بھی مستغنی ہے، پھر اپنے نمائندے (پیغمبروں) کے توسط سے کہلوایا کہ میں تمہاری شہ رگوں سے بھی نزدیک ہوں، مجھے آسمانوں میں، عرش معلیٰ میں تلاش نہ کرو، بلکہ اپنے دلوں کی گہرائیوں میں تلاش کرو، میں بہت ہی قریب ہوں، سیڑھی لگانا اور اس پر چڑھنا میری شان کے خلاف ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ بے چارہ افسر، یہ محروم وزیر، یہ پریشان حال بادشاہ، سائل سے خوفزدہ، آنے والا جب تک تلاشی نہیں دیگا باریاب نہیں ہوگا۔ اور بہت کچھ لکھ سکتے ہیں، مگر اتنے پر کفایت اور بس ہے، فافھم۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت شرک امت مسلمہ میں وباء کی شکل اختیار کر گیا ہے، اور اتنا عام ہے کہ الأمان و الحفیظ۔ الحمدللہ! عربستان اس لعنت میں چنداں ملوث نہیں ہے۔ قرب قیامت میں یہ لعنت دوبارہ عربوں میں پھیل جائے گی، جیسا کہ صحیحین کی روایت میں اشارۃً مذکور ہے۔ مگر سردست خاص کر حجاز اور نجد دونوں میں شرک کا نشان نہیں، اور نہ پیشہ ورانہ تعویذات کا۔ رہا افغانستان، ایران، برصغیر ہندو پاک یہ شرک کے گڑھ سمجھے جاتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ عوام الناس بے علمی کی وجہ سے غلط فہمی کے شکار نہیں، بلکہ باقاعدہ منظم سازش کے تحت شرک کی تبلیغ اور اوپر سے اصحاب اقتدار کے تعاون سے اس لعنت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ دراصل یہ غلامان مغرب انگریزوں کو خوش رکھنے کی خاطر یہ سب کچھ کر رہے ہیں، اور انگریزوں کو ایسا کھچڑی اسلام پسند بھی ہے، اور وہ ہر اس نظریے کو پسند کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے فرمودات کے خلاف ہو۔

اسلامی توحید کیا ہے؟ وہ ایک صحت مند عقیدہ ومعاشرے کا نام ہے، جبکہ شرک اللہ پاک کے ساتھ بغاوت اور بیمار عقیدہ، لاعلاج، اور خبیث مرض ہے۔ دنیا میں جتنے بھی گناہ ہوں بد سے بدتر، تمام گناہ ایک طرف شرک جیسی لعنت کے ایک ادنیٰ ذرے کے ساتھ برابر نہیں ہوں گے۔ شرک کے علاوہ اگر لاکھوں گناہ ومعاصی کا پہاڑوں جتنا سلسلہ ہوان کی مغفرت ہوسکتی ہے۔ ربّ العزّت سبحانہ نے ان کے لئے مغفرت کی گنجائش رکھی ہے، مگر شرک کے ایک ادنیٰ ذرے پر مغفرت کا امکان ختم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [النساء: ۴۸] (اللہ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ معاف کرتا ہے جس

کیلئے چاہے)۔ بدقسمتی سے مسلمان قوم جس کی معرفت وشناخت توحید باری تعالیٰ سے مقرر ہوئی تھی، آج وہ شرک میں مبتلا اور شرک کا داعی بنا ہوا ہے۔ دنیادار پیروں، فقیروں، بدعقیدہ سیدوں نے اپنے اقتدار، مال ودولت حاصل کرنے کی خاطر قبروں، مزاروں، گنبدوں، پتھروں، درختوں پر میلہ لگا کر، عرس منعقد کر کے چادر چڑھا کر، قبروں کا طواف کر کے، جانوروں کا نذر لغیر اللہ کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ مردوزن کا اختلاط اور شراب وکباب رنگ وناچ، ڈھول ورباب، چراغان وغیرہ۔ غیر شرعی، غیر اخلاقی اعمال اتنی کثرت کے ساتھ ہیں جنہیں دیکھ کر یہود وہنود بھی شرمائے۔

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود

لاحول ولاقوۃ إلا باللہ

بعض لوگ، بلکہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا مریض تندرست ہوا پیر صاحب کی دعاء سے، اور مشکل حل ہوئی، پیر صاحب نے اولاد عطا کی، یہ کیا، وہ کیا، پھر تمہارے اور ہندو میں کیا فرق ہوا؟ وہ بھی تو یہی کہتا رہتا ہے کہ بت واوثان نے ہمارا مریض تندرست کیا، مشکل کو حل کیا۔ دراصل یہ سب کچھ کرنے والا ربّ العزت سبحانہ ہی ہے، اور کوئی نہیں ہے، اس کو چھوڑ کر نظر انداز کر کے تم نے پیر کو اور ہندو نے بت کو مشکل کشاء قرار دیا۔ تمہارے پیر وفقیر اس کے بت میں کیا فرق ہوا؟ تم دونوں مشرک ہو۔ زندۂ جاوید مالک الملک سبحانہ بادشاہ حقیقی کو چھوڑ کر ایک مردہ اور فقیر سے مانگتے ہو، اور اس کا سجدہ کرتے ہو۔ یاد رکھیں! یہ عقیدہ کفریہ پیر ومرشد کیا برگزیدہ پیغمبروں کے حق میں بھی ناجائز وحرام ہے۔ خداوند تعالیٰ کی اُحدیت اور معبودیت سے ہندو بھی منکر نہیں، وہ بھی خداوند تعالیٰ کو مانتا ہے، مگر اس کا حق تصرف اور ذاتی صفات کو غیروں کو دیدیتا ہے۔ یہی تمہارا حال بھی ہے۔ شرک خداوند تعالیٰ کے انکار کا نام نہیں، بلکہ اس کی صفت خاصہ میں کسی غیر کو شریک کرنے کا نام ہے، اور یہ عمل تم میں اور ہندو میں مشترک ہے۔ خوب سمجھو! کائنات کا ربّ بردبار حلیم ہے، دھوکے میں مت پڑو!

العبادۃ:

عبادت کیا ہے؟ اور اس کے معنی کیا ہیں؟ عبادت "أقصی غایۃ التعظیم" انتہائی درجے کی تعظیم جتنا ربّ تعالیٰ زیادہ بے انتہا بڑا ہے۔ اس کے حضور میں بے انتہا عاجزی اور تعظیم کی بجا آوری عبادت اور بندگی ہے، اور یہ صرف رکوع وسجدہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ جمیع طاعات واعمال شرعیہ پر محیط ہے۔ دراصل یہ لغوی اور عرفی تعریف ہے۔ عبادت کی

شرعی تعریف یہ ہے: ''اللہ ربّ العزت کو خالق و مالک اور متصرف، واحد و لاشریک مانتے ہوئے ایمانی جذبہ شوق و رغبت کے ساتھ نہایت عجز و انکساری سے اس کے حکموں کو پورا کرنا اور بجالانا''۔

اس تعریف میں عموم اور جامعیت کے ساتھ عقیدۂ توحید بھی مذکور ہے، اور توحید کا اقرار محض کافی نہیں، جب تک تصرف کی خصوصیت کا اقرار نہ ہو، جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور اسی تصرف فی الامور کی قید سے مسلمان اور مشرک و کافر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ مشرک کوئی بھی ہو جب وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ غیر اللہ کو متصرف و مدبر مانتا ہو تو وہ شرک شمار ہوگا، جیسے کہ آج کل کے بدعقیدہ لوگ ہیں، جو قبروں پر صبح و شام میلہ بازی کرتے ہیں، اور بعض لوگ اتنے غلو کر کے برملا کہتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ یہاں سے ملا ہے، اگر انہیں تھوڑا چھیڑ دو اور منع کرو تو طیش میں آکر وہی کچھ بکتے ہیں جس کا تصور نہ ہو۔ مزاروں پر دکانداری کا پورا سلسلہ چل رہا ہے، کچھ لوگ مزاروں کو ٹھیکے پر دیتے ہیں، اور دو طرفہ کرتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت انہیں ہدایت دے، آمین۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ کائنات، بلکہ اس کا ایک ایک ذرہ ربّ العزّت سبحانہ کی نعمت غیر مترقبہ اور بے مثال نعمت عاجلہ ہے، کیونکہ کائنات کی جس طور و طریقہ اور جس بے نظیر شکل و صورت میں خالق سبحانہ نے تخلیق فرمائی، وہ ایک ایسا مناسب و موزوں شاہکار ہے جس کا ہر ذرہ اپنے بنانے والے کی قدرت و عظمت پر روز روشن کی طرح واضح ثبوت و علامت ہے۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے اس کی مادیت کی بقاء کیلئے نہایت محکم و مضبوط، مادی اشیاء کی ایک ایسا بے مثال نظام مرتب فرمایا، جو اپنی مثال آپ ہے، مگر اصلی مقصد تخلیق روحانی ہے، جس سے ربّ العٰلمین کی ربوبیت اور باقی صفات کمال کا جلوہ نمایاں ہوتا ہے۔

اس لئے پورے جہاں کیلئے معلمین و مصلحین اور پاکیزہ تعلیمات کے حاملین انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری ہوا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اصلاحی و فلاحی نظام کے تحت دنیا میں برابر آتے رہے، اور فرائض پورے کر کے یہاں سے اصلی جہان آخرت کی طرف جاتے رہے، اور جو کچھ وحی و ہدایات لے کر آئے وہ جہان میں خوب پھیلائے، مگر ان کے جانے کے ساتھ وہ آسمانی وحی بھی جاتی رہی، اور میدان خالی ہوتا رہا۔

پھر سب کے آخر میں جو ہستی تشریف لے آئے، وہ بذات خود بھی سب نبیوں کے جامع تھے، اور جو آسمانی وحی لائے وہ بھی تمام وحیوں اور نبیوں کا جامع اور خلاصہ تھا۔ چونکہ اتمام حجت کا مقصد تقریباً مکمل ہو چکا، یا ہو رہا تھا، اور اس

کے بعد مزید کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کی آمد کی ضرورت باقی نہیں رہی، تو ربّ العزّت کا یہی فیصلہ رہا کہ اس ہستی کو اور اس کی کتاب کو آخر الانبیاء اور آخر الکتب کا لقب دے کر ان کو دوام بخشا جائے، اور رہتی دنیا تک ان کو باقی رکھا جائے، اور ان کی نبوت اور ان کی کتاب کی ہر اعتبار سے حفاظت کا انتظام کیا جائے، چنانچہ اعلان ہوا: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ۴۰] (محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہیں)۔ اور ارشاد ہوا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] (اور ہم ہی نے قرآن اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

دنیا میں یہ عام دستور رہا ہے کہ بے ہنر و بے کمال انسان کا کوئی دشمن و بدخواہ نہیں ہوگا، مگر کمال والوں کے کمال وعلم کی پہلی نشانی یہی ہوتی ہے کہ اس کے کمالات جتنے زیادہ اور عالمگیر ہوں گے اس کے بدخواہ اور دشمن بھی اتنے بہت اور زیادہ ہوں گے۔ اسی بناء پر مشرکین وکفار جہلاءِ زمانہ تو تھے ہی بدخواہ و دشمن، مگر جو لوگ خود کو اہلِ کتاب اور آسمانی کتابوں کے وارث گردانتے ہیں وہ دیگر اقوام سے بھی زیادہ دشمن نکلے۔ اسی بات کے پیشِ نظر سارا عرب اور پوری یہودیت ونصرانیت چیلنج کرتے ہوئے میدان میں اترے۔ پھر کیا ہوا جہان پروگرام کی مخالفت اور اسے نیست و نابود کرنے کے مختلف حربے استعمال ہوئے، وہاں ذاتی عداوتوں اور بدخواہیوں کا بازار ایسا گرم ہوا کہ بیک آواز بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، تعلیم یافتہ، اور بے تعلیم سارے لوگوں نے یہ آواز لگانا شروع کیا: ساحر، شاعر، مجنون، اساطیر الاولین۔ سبحان اللہ! چالیس سالہ بے مثال طہارت وتقویٰ، دیانت وامانت، اور شرافت کا عرصہ گزر چکا تھا، دامنِ نبوت ہر داغ اور دھبے، عیب وخیانت، جھوٹ وفریب سے صاف شفاف پاک تھا، کسی دشمن کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ خائن، کاذب، یا اس قسم کی کوئی بھی تہمت لگائے، بس مجنون، ساحر وشاعر کہتے رہے، اور مقابلہ کرتے رہے۔ زمانہ ادب اور شعر وشاعری کا تھا، اور ایسا جم غفیر بے نظیر شعراء وادباء کا تھا، جن کا کلام اور شعر وشاعری ضرب المثل ہوتی تھی، اگر کبھی کوئی ان کی شاعری اور اشعار کی جامعیت استعارات، لغت وطرز کلام کا غور سے مطالعہ کرے تو بے ساختہ اقرار کرے گا کہ یہ سب کچھ الہامی باتیں ہیں، حالانکہ وہ تمام کے تمام مشرک وکافر تھے، وہاں الہام کی کیا گنجائش تھی؟

صاحب عزم وہمت شخص ہمیشہ چپ چاپ بیٹھ کر نہایت غور وسکون سے مخالفین کے انداز مخالفت کا مطالعہ کرتا

رہتا ہے۔وہ ہر بے وقوف و بے عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتا،اور ہرا یرے غیرے نتھو خیرے کے ساتھ نہیں الجھتا۔برداشت کرتا رہتا ہے۔

سبحان اللہ! ربّ العزّت کی یہی صفت ذاتی ہے،جس کا نام ہے حلم بمعنی برداشت بردباری اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی یہی صفت ہے،جب ہر طرف سے مخالفت واختلاف نے زور پکڑا اور مصلحت کا تقاضا بھی قریب پہنچا تو چیلنج کرکے واضح کیا کہ سب مانو کہ یہ شخص فرستادہ رسول اللہ ہے،اور یہ کتاب ہدایت آسمانی ہے، اختلاق نہیں، کہانی نہیں،أساطير الأولين نہیں،اب مان لو،تسلیم کرو، قبول کرو اور مخالفت ترک کرو، نہیں تو آؤ میدان میں: ﴿وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[البقرة:۲۳] (اور اگر تم شک میں ہو اس قرآن کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنالاؤ،اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلالو)۔آؤ میدان میں ۔سارے جہان کے فصحاء،ادباء،بلغاء،یہودی ونصرانی احبار ورہبانوں کو ساتھ ملاکر دس سورتیں نہ سہی ایک چھوٹی مختصر سورت کا ہم معنی وبرابر کلام پیش کرو۔آؤ جیت تمہاری ہوگی۔قادر الکلام شعراء کو پیش کرو،ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ، چنانچہ وہ لوگ بظاہر مناظرہ ومقابلہ کو آسان سمجھ کر اپنے قادر الکلام شعراء کے پاس گئے۔

شاعر لبید بن ربیعہ جو ایک گھنٹہ میں ایک ہزار شعر کہنے پر قادر تھا، چوٹی کا بے مثال شاعر تھا،جب لوگ اس کے پاس آگئے وہ زمین پر نہیں سماسکا، کہنے لگا: میں حاضر ہوں،ایک سورت کیا، میں محمد کے پورے قرآن کی مثال پیش کرسکتا ہوں۔اس زمانے میں دستور تھا جو شخص جو شاعر کوئی پسندیدہ اور بے مثال شعر ترتیب دیتا تھا تو فخریہ طور پر لوگوں سے داد اور انعام حاصل کرنے کی خاطر اپنا وہ کلام لکھ کر کعبۃ اللہ شریف کے دروازہ پر لگاتا،اور چسپاں کرتا تھا۔لوگ اسے پڑھ کر خوش ہوتے،اور شاعر کو انعام وتعریفوں سے نوازتے۔چنانچہ لبید نے چیلنج قبول کرکے تیاری کی،ادھر ایک صحابی نے سورۃ الکوثر جو کہ تمام قرآن مجید میں سب سے مختصر سورت ہے،لکھ کر کعبۃ اللہ شریف کے دروازہ پر چسپاں کردی۔ادھر لبید کو اطلاع ہوئی،فوراً پہنچا اور سورۃ الکوثر کو پڑھ کر آبدیدہ ہوکر کہنے لگا: "ماهذاقول البشر،هذاقول الجليل الأكبر"، یہ کسی انسان (محمد) کا اپنا کلام نہیں ہوسکتا، مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ بڑے عظیم ربّ کا کلام ہے۔پس آتے وقت یہ شخص کافر تھا،لبید بن ربیعہ تھا، سورۃ الکوثر پڑھ کر اسلام قبول کیا،اور جاتے وقت حضرت لبید بن ربیعہ ؓ تھے۔ [استیعاب

عبدالبر]﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾۔[الصف:۸] (اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے، اگرچہ کفار کو برا لگے)۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

عرب کا شرک وکفر جہالت اور نادانی پر مبنی تھا، ان کے پاس نہ پیغمبر آئے تھے، نہ آسمانی کتاب، اور نہ ہی وہ کسی آسمانی شریعت سے واقف تھے۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو وہ اپنی جہالت اور نادانی کی بنیاد پر سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور تکذیب پر اتر آئے۔ اس انکار وتکذیب میں کچھ قومی حمیت کا عنصر بھی شامل تھا، وہ یہ مخالفت وتکذیب کو لمبے عرصے تک جاری نہ رکھ سکے۔ جوں ہی حقیقت واضح ہوگئی تو سارا جزیرۂ عرب حلقہ بگوش اسلام ہوکر "بني الإسلام علی خمس" کے خیمے میں داخل ہوگیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے رخصت فرماتے ہوئے کسی عرب قوم وقبائل کی مخالفت کی نشاندہی نہیں فرمائی، بلکہ "أخرجوا اليهود والنصارىٰ من جزيرة العرب" کی نشاندہی فرمائی۔ اس وقت مشرکین جس کو کہا گیا وہ یہود ہی تھے، کیونکہ ان کا شرک وکفر جہالت پر مبنی نہیں تھا، وہ اسلام وپیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور اور نزدیک سے دیکھ رہے تھے، ان کی حقانیت پر انہیں سو فیصد یقین ہو چکا تھا، مگر وہ اپنی عادت وفطرت پر چلتے ہوئے اسلام کے بدخواہ اور مخالف ہو چکے تھے۔ اگر تاریخی واقعات اور قرآن حکیم میں سورۃ البقرۃ، آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، اور سورۃ الاعراف وغیرہ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا شرک وکفر، اور ہٹ دھرمی، یہ کوئی نیا معاملہ نہیں، بلکہ یہ لوگ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے لئے بھی دردسر بنے ہوئے تھے۔ اور کئی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوگئے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہزاروں پیغمبروں کو جھٹلایا، اور شہید کردیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وہ ناروا سلوک انہوں نے جاری رکھا جس سے ان کو رفع إلی السماء کا درجہ حاصل ہوا۔ انہی حماقتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں وہ﴿الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ﴾کی فہرست میں شامل ہوگئے۔ یہ خبیث فطرت انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان تمام نافرمان بیٹوں سے ورثہ میں ملی تھی جنہوں نے محض حسد کی بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر اللہ ربّ العزت اور اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام اور آسمانی ہدایات جو کہ

حضرت ابراہیم وحضرت اسحٰق علیہما السلام کے ذریعہ انہیں حاصل تھیں، سب کی مخالفت کی، اور اپنے آباء واجداد کی دینی وشرعی اقدار کی بے حرمتی کی۔ بخلاف کفار عرب کے کہ وہ جاہل ومشرک بت پرست ضرور تھے، مگر یہ شرک وہٹ دھرمی انہیں ورثہ میں نہیں ملی تھی، کیونکہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے والد کے بے مثال فرمانبردار رہے۔ قرآن حکیم نے ان کی فرمان برداری کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ﴾ [الصافات: ۱۰۲] (پھر جب بیٹا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو انہوں نے کہا: بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: اباجان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)۔

کہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ابوالعرب، اور کہاں امت یعقوب آباء بنی اسرائیل؟ آسمان وزمین کا فرق ہے۔ تب ہی تو سارے عرب نے مختصر مدت میں شرک وکفر چھوڑ کر اصلی فطرت کے تقاضوں کے مطابق اسلام قبول کیا، اور محض یہ نہیں کہ اسلام قبول کر گئے، بلکہ اسلام کے محافظ ومجاہد اور خدمتگار بن کر چار دانگ عالم، یعنی ہندوسندھ تک اور فرانس کے چند صوبوں تک، پھر بغداد و بابل سے لے کر کاشغر چین تک، اور شام ومصر، لیبیا سے لے کر افریقہ تک اسلام کے انوار وبرکات کو عام کیا اور پھیلایا۔ کیا کوئی مؤرخ بتا سکتا ہے کہ عرب کے سوا کسی دوسری قوم نے عالم اسلام کی اتنی خدمت کی ہے جتنی خدمت کہ عربوں نے انجام دی ہے؟ اسماعیلی فطرت کا اندازہ لگائیں اور انہیں داد دیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی امت نے سوائے ربّ العزّت سبحانہ کی نافرمانیوں اور قتل انبیاء کے علاوہ کیا کارنامے انجام دیئے؟ اور یہی قوم ہے کہ فرعون سے نجات پانے سے قیامت تک ان کا فتنہ دین الٰہی کے ساتھ جاری رہے گا۔ وہ یہی ہیں جنہوں نے تورات، انجیل، زبور ودیگر آسمانی صحیفوں میں تحریف کر کر کے ان کا اصلی حلیہ بگاڑ دیا۔ آج موجودہ اقوام دنیا میں شر وفساد، خونریزی، قتل وغارت گری کا جو عروج ہے وہ کسی ہندی، چینی، جاپانی، افریقی، عربی، قوم وملت کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ تمام انسانی اقدار کی پامالی اسی یورپ اور مغربی اقوام کا شاخسانہ وکردار ہے، جن کے پاس اسلامی اقدار یا موسوی و عیسوی، سلیمانی، داؤدی اعمال کا کیا کہنا، بلکہ یہ جنگلی جانوروں سے بھی بدتر، بے حیا، بے غیرت، اور ظالم ہیں۔ اور یہ عالم اسلام، قرآن وحدیث، اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک کے دشمن ہیں، حالانکہ آج ان کا وجود وبقاء، بلکہ

سارے عالم کی بقاء اسی سید السادات، خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل و برکت، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء سے ہے۔ آپ تاریخ عالم کا اگر مطالعہ کرنا چاہیں تو آپ کو ان کی اسلام دشمنی اور پیغمبر دشمنی کے ہزاروں مواد و واقعات ملیں گے، ذرا ایک واقعہ سنیں، اور فیصلہ فرمائیں:

سلطان نور الدین شہید بن عماد الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ (سن وفات ۵۶۹ - مطابق ۱۱۷۳ عیسوی) نہایت متقی، پارسا، عادل، ذاکر و عابد، شب بیدار بادشاہ تھے، ۵۵۷ھ کو ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہو کر سو گئے تو خواب میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوئے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیل گوں آنکھوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان دونوں سے میری حفاظت کرو، سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی، فوراً اٹھ کر وضو کیا، اور نوافل میں مشغول ہو گئے، کچھ دیر بعد لیٹے ہی تھے کہ آنکھ لگ گئی، تو دوبارہ وہی خواب دیکھا، جس سے پریشان ہو کر اٹھ گئے، اور وضو کر کے نوافل پڑھے، مگر نیند غالب آ گئی اور سو گئے۔ اس نے تیسری مرتبہ بھی وہی خواب دیکھا، بادشاہ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ اب نیند کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اپنے نیک سیرت وزیر جمال الدین کو بلا کر خواب سے آگاہ کیا۔ وزیر باتدبیر نے مشورہ دیا کہ بلا تاخیر مدینہ منورہ روانہ ہونا چاہئے، اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا چاہئے۔ بادشاہ فی الفور تیار ہو گئے، وزیر موصوف اور بیس خاص خدام کو ساتھ لے لیا، اور تیز رفتار سواریوں (گھوڑوں) پر بہت سا سامان اور مال و متاع لاد کر اسی رات مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ شب و روز سفر کرنے کے بعد سولہویں یوم کو شام کے وقت مصر سے مدینہ طیبہ پہنچے۔ بادشاہ موصوف نے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے بعد نہایت عجز و نیاز اور ادب و احترام کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد کے نوافل ادا کئے، پھر متفکر و متردد ہو کر سوچنے لگے۔ کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ بالآخر طے پایا کہ شہر کے تمام لوگوں کی دعوت کی جائے، اور ان میں انعامات تقسیم کئے جائیں۔ اس طرح مطلوبہ اشخاص کو پہچان کر انہیں گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ وزیر موصوف نے اعلان کرایا کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں، وہ اہل مدینہ طیبہ کو انعامات و اکرامات سے نوازیں گے، لہٰذا ہر آدمی آئے، اور سلطان کی سخاوت سے لطف اندوز ہو جائے۔ لوگوں نے آنا شروع کیا، اور شاہی تحائف وصول کرنے لگے۔ بادشاہ عطا کے وقت گہری نگاہ سے ہر آدمی کو دیکھتے رہے، اور خواب میں دیکھی ہوئی شکلوں کو تلاش کرتے رہے۔ شہر کے ہر صغیر و کبیر، غریب و امیر نے تحائف حاصل کئے، مگر جن کی جستجو تھی وہ شکلیں نظر نہ آئیں۔ بادشاہ

نے پھر اعلان کیا کہ کوئی اور آدمی رہ گیا ہو تو اسے بھی بلایا جائے۔ لوگوں نے کہا سب آدمی آچکے ہیں، کوئی باقی نہیں رہا۔

بہت زیادہ غور وخوض اور سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا کہ دو مغربی آدمی جو بڑے متقی، پرہیزگار، تارک الدنیا، اور گوشہ نشین ہیں، ہر قسم کے مال ومتاع سے مستغنی ہیں، وہ نہیں آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں بھی بلایا جائے۔ لوگ کہنے لگے: بادشاہ سلامت! وہ تو بڑے مستغنی اور اللہ والے ہیں، انہیں کسی چیز کی ضرورت اور طمع ہی نہیں، وہ خود بے دریغ صدقات وخیرات کر کے ہر آدمی کو نوازتے رہتے ہیں، اور دن رات عبادت میں مصروف ومشغول رہتے ہیں، اسی وجہ سے وہ یہاں نہیں آئے۔ لیکن شاہی فرمان کے باعث انہیں بادشاہ کے روبرو پیش کرنا ہی پڑا۔ بادشاہ نے انہیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی ہیں وہ دو آدمی جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے دریافت کیا تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے بتایا: ہم مغربی لوگ ہیں، حج کو آئے تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ زیارت نبوی کو حاضر ہوئے، اور حضور اقدس ﷺ کے پڑوس میں رہنے کی تمنا اور شوق نے یہاں کا کر دیا۔ بادشاہ نے ان کی قیام گاہ کے بارے میں پوچھا۔ بتایا گیا کہ وہ روضۂ انور کے قریب ہی ایک رباط میں مقیم ہیں۔ انہیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر بادشاہ بذات خود ان کی قیام گاہ پر گئے، تلاش بسیار اور تجسس کے باوجود مال ومتاع اور چند کتابوں کے سوا کوئی مشتبہ چیز نظر نہ آئی، جس سے خواب کی تعبیر پایۂ تکمیل کو پہنچتی۔ بادشاہ کی پریشانی اور فکر ہر گھڑی بڑھتی جا رہی تھی، اور ادھر اہلیان مدینہ منورہ ان مشتبہ افراد کی سفارش لئے جمع ہو رہے تھے کہ یہ لوگ بے گناہ ہیں، انہیں عبادت و ریاضت سے فرصت کہاں، دن بھر روزہ رکھنا، ہر نماز ریاض الجنۃ میں ادا کرنا، روزانہ جنت البقیع کی زیارت اور ہر ہفتہ کو مسجد قباء پابندی سے جانا، ان کے معمولات میں شامل ہے۔ ان کے بے دریغ صدقات وخیرات وغیرہ وغیرہ ایسی باتوں نے بادشاہ کے تفکرات میں اور بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ بادشاہ نے نہایت پریشانی میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، اور دفعۃً اس کو خیال پیدا ہوا کہ ان مصنوعی قطب واولیاء کے جائے نماز جو ایک چٹائی پر بچھے ہوئے ہیں اٹھا کر دیکھوں، مصلیٰ اٹھایا، نیچے چٹائی بھی اٹھائی، فرش کے ساتھ چمٹا ہوا پتھر نمودار ہوا، پتھر اٹھایا تو عجیب وغریب سرنگ نظر آئی، سارا راز کھل گیا، اور خواب کی تعبیر روشن ہوگئی۔

سمجھے تھے جن کو رہبر وہ تو راہزن ہی نکلے
جنہیں گوشۂ جگر (دوست) کہا تھا وہ دشمن ہی نکلے

یہ ماجرا دیکھ کر اہل مدینہ منورہ جمع ہوئے، اور مزعومہ نام نہاد عابدوں پر لعنت کرتے رہے۔ کئی لوگ پریشانی کے عالم میں بیہوش ہوگئے، اور زار وقطار روتے رہے۔ بادشاہ نے تسلی دی، اور اپنا خواب بیان کیا اور پوری تفصیل بتادی اور مجرموں سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ کہنے لگے: ہم دونوں عیسائی ہیں، اندلس کے رہنے والے ہیں، ہمیں عیسائی بادشاہ نے بے حساب مال وزر دے کر اس خدمت پر روانہ کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ان مجرموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، ان کے سر قلم کردیئے گئے، وہ دونوں جہنم رسید ہوئے۔ ﴿وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدة: ٦٧] (اور اللہ آپ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے) کا وعدہ پورا ہوا۔ پھر بادشاہ عادل نے روضۂ اقدس کے چاروں طرف کھدائی کر کے پانی تک بنیاد کھدوائی، اور سیسہ پلائی پانچ فٹ موٹائی کے ساتھ زمین کی سطح بالا تک ایسی مضبوط دیوار بنوائی جس کی مثال نہ ہو۔ "رحمۃ اللہ وبرکاتہ علی السلطان نور الدین علیہ الرحمۃ"۔

اللہ ربّ العزّت اپنے خزانۂ عنایت سے اور پوری امت مسلمہ کی طرف سے سلطان کو جزاء خیر دے، اور اس شہید سلطان نور الدین کے درجات جنۃ الفردوس میں بلند کرے۔ آمین۔ ان کا احسان قیامت تک ساری امت پر قرض ہے۔ [تاریخ مدینۃ المنورۃ]

اس واقعہ سے اہل مدینہ اور پورا عالم اسلام یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کی دشمنی قیامت تک پورے عالم اسلام کے ساتھ رہے گی، اور کبھی وہ تمہارے ساتھ صلح نہیں کریں گے۔ تم کبھی ان سے خوف نہ کرو، کیونکہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہیں، تائید ایزدی سے اور توکل واعتماد علی اللہ سے محروم ہیں۔ وہ تو موت سے خائف رہتے ہیں، ان کو اللہ ربّ العزّت کی سرپرستی اور معیت حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی راستے میں تمہارے سامنے آجائیں تو سلام کہنے میں پہل نہ کرو، ان کی خوش آمد نہ کرو، وہ تمہارے باجگزار ہیں۔

دیکھیں! جنگیں لشکر کی کثرت وقوت اور اسلحہ کی فراوانی سے نہیں لڑی جاتیں، اور نہیں جیتی جاتیں۔ تمہارے پاس ایک شاندار درخشندہ ماضی ہے، ذرا اُسے یاد کرو، جب تمہاری فوج بے سروسامانی کے باوجود تعداد میں کم چھتیس ہزار افراد پر مشتمل تھی، اور ان کی فوج نو لاکھ ساٹھ ہزار باقاعدہ لڑنے والوں پر مشتمل تھی، اور زبردست مسلح ہوکر آئے تھے۔ تمہارے لشکر کے کئی غازیوں کے پاس تلوار وخنجر تک کوئی اسلحہ نہ تھا، جبکہ ان کی فوج میں ایک آدمی بھی بغیر اسلحہ کے میدان میں نہیں اترا تھا۔ اوپر سے آسمانوں کے فرشتے منظر دیکھ کر سراسیمگی میں مبتلا نظر آتے تھے، کہ پتہ نہیں کیا ہوگا۔ امیر شریعت

مجاہد اکبر رئیس المجاہدین سید المرسلین ﷺ کا وصال ہو چکا ہے، اور قیادت امتیوں کے ہاتھ میں ہے، عین اس وقت رومی فوج کا سربراہ اپنے نوجوانوں پر جرأت واعتماد کے ساتھ اعلان کرتا ہے تاکہ لالچ میں آکر میدانِ کارزار میں داد شجاعت دیدیں، اور جنگ کا میدان جیت جائیں۔ اعلان ہورہا ہے کہ جوشخص فریق مخالف مسلمان فوج کے سربراہ کوقتل کرے گا اس کو ہمارے بادشاہ کی شہزادی بیٹی نکاح میں مل جائے گی۔ مسلمان لشکر کے سربراہ کون ہیں؟ وہ جلیل القدر صحابی رسول ﷺ ہیں جنہوں نے غزوۂ احد میں اپنے حقیقی باپ کوقتل کیا تھا۔ معرکہ کے بعد سرور کائنات ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تم نے اپنے باپ کو کیونکر قتل کیا؟ تم نے اس کے ساتھ اپنے رشتے کا پاس نہیں کیا؟ سنئے وہ جواب میں کہتے ہیں: یارسول اللہ ﷺ! سارے جہاں کے رشتوں پر آپ ﷺ کا رشتہ بھاری معلوم ہوا، تب میں نے دوسرے رشتوں کا لحاظ نہیں کیا۔

یہ ہے شان صحابہؓ۔ تو وہاں سے جب شہزادی کے رشتے کا اعلان ہوا تو چاہئے تھا یہاں سے امیر المؤمنین کی بیٹی کے رشتے کا اعلان ہوتا، مگر رسالتماب ﷺ کی تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے لئے ایسا اعلان مناسب نہیں تھا۔ تو یہاں سے اعلان ہوا کہ جو مسلمان غازی رومیوں کے سربراہ کوقتل کرے گا ہم رومیوں کے بادشاہ کی لڑکی سے اس کا نکاح کرائیں گے۔ یہ ہے جرأت اور اعتماد علی اللہ۔ اعلان سنتے ہی رومیوں کی فوج میں افراتفری پیدا ہوتی ہے کہ لڑکی ہماری ہے، اور اس کے وارث وسرپرست یہ لوگ ہیں، یہ کیسا غلط فیصلہ ہے۔ مگر سمجھدار سمجھ گئے۔ تھوڑے عرصے میں اعلان ہوا کہ رومیوں کا سربراہ مارا گیا، اور مسلمان اس کا سرکاٹ لے کر گئے۔ یہ کون تھے قاتل؟ اللہ اللہ یہ اٹھارہ انیس سالہ نوعمر غازی تھے، جنہوں نے یہ کارنامہ انجام دیا، یہ کون ہیں؟ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، اورحواری الرسول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لخت جگر، سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، نام ہے: عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ **"أول مولود في الإسلام بعدالهجرة بالمدينة"**۔

جب مسلمان مسلمان تھا، اس کا آئین قرآن تھا، اور اس کا ورد اور وظیفہ سورۃ الفاتحہ واخلاص تھا، اس کا قائد ایک مرد میدان، متقی و پرہیزگار ہوتا تھا، نورالدین، صلاح الدین، شمس الدین، یامحی الدین، تو مسلمان نے کفرو عیسائیت کو نچوایا، اور اپنے قدموں پر ڈال کر اسے سجدہ کرنے پر مجبور کیا۔ مگر آج معاملہ برعکس ہے۔

آن وقت کہ وقت مابود شمبو غلام مابود

این وقت کہ وقت شمبو ماہم غلام شمبو

شبے بگریستم پیش خدا زار ☆ مسلمانان چرا خوار اند وزار

ندا آمد نمی دانی کہ این قوم ☆ دلے دارند و دلدارے ندارند

(اقبال)

قیامت ہے کہ وہ اب بیٹھ کر آنسو بہاتا ہے

جسے سونپا گیا تھا کام دنیا کی امامت کا

ایک بہت بڑا عالم اسلام ہے جن کی آبادی تقریباً ڈیڑھ دو ارب ہے۔ جہاں رنگ و بو میں بہ نسبت غیر مسلموں کے سرمایہ دار و مالدار ہیں، عالم کفر کو پیسوں سے خرید سکتے ہیں، مگر قیادت سے محروم ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ایک زمانہ عنقریب آنے والا ہے۔ تمہارے "لکع" یعنی ارزل امیر ہوں گے، جو اپنے سایہ سے ڈرتے ہیں۔ کسی کو شاید یاد ہو برصغیر سات سور یاستوں کا نام تھا۔ ہندو مت بہت پرانا مذہب ہے، اسی طرح بدھ مت، یہ سارے انہی کے راجے مہاراجے، رانیوں کا ملک تھا۔ یہ کیوں اور کب کس طرح فتح کیا گیا؟ وہ تاریخ یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری ہے، سنہ ستر اور اسی کا درمیان ہے، عراق کا گورنر حجاج بن یوسف ثقفی ہے، مسلمانوں کا خلیفہ عبدالملک بن مروان اموی ہے، دارالخلافہ دمشق ہے، سکھر کے دریاء میں کشتی کے اندر کچھ لوگ سوار ہیں، حکومت راجہ داہر ہندو کی ہے، جس کا دادا سیوارام ہے، اس کی حکومت بلوچستان کے صوبے میں ہے، دارالخلافہ موجودہ قلات ہے، شروع میں سیوارام کا قلعہ ہے، جسے قلات کی میری کہتے ہیں، آج کل کھنڈرات میں تبدیل ہو کر غیر آباد ہے۔ فردوسی شاہنامہ میں کہتے ہیں:۔

درمیان سندھ وایران قلعہ سیوا بود

خوشنما وخوش لقاء وجنت الماوئی بود

ان دنوں بصرہ عراق سے تجارتی کشتیاں چلتی تھیں، گوادر، جیونی، مسقط سے ہوتے ہوئے دیبل موجودہ کراچی آتی تھیں، اور دریائے سندھ میں چل کر سمندر میں اتر کر واپس بصرہ پہنچتی تھیں، کشتی میں سوار نوجوان ہندوؤں نے ایک

مسلمان تاجر کی بیوی کا دوپٹہ اس کے سر سے اتارا، اس کے بال کھل گئے، اور اس کی زبان سے بیساختہ یہ کلمات نکلے: ہائے ہمارے وارث حجاج تم کہاں ہو؟ بس بات ختم ہوگئی، دس پندرہ روز بعد کشتی بصرہ کی بندرگاہ پہنچتی ہے، وہ عورت اتر گئی، خود اسی عورت یا کسی اور نے حجاج کے پاس پہنچ کر واقعہ سنایا۔ حجاج تھا تو بڑا ظالم، مگر غیرت مند اور اسلامی جذبہ میں غرق تھا، غیرت کا پتلا تھا، کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا: پھر کیا ہوا؟ جواب میں اس شخص نے کہا کہ معاملہ ختم ہوا، کہنے لگے: کیسے ختم ہوا؟ "الإسلام يعلو ولا يعلى" اسلام غلبہ و سربلندی کا نام ہے، پستی و غلامی کا نام نہیں ہے۔ دوبارہ کرسی پر اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک بدلہ نہ لوں، اور فتوحات نہ کروں۔ بس کیا ہوا لشکر بارہ ہزار کا تیار کیا، جس پر چودہ یا سولہ سال کا باہمت نوجوان، پر از غیرت و جرأت، محمد بن قاسم کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا، پہلے حکم دیا کہ مکران، کراچی، سکھر، کشمور آگے ملتان گرم علاقے ہیں، پانی اور گرمی سے بچاؤ کا انتظام کیا جائے، حکم دیا انگور کا سرکہ تیار کرو، سرکہ تیار ہوگیا، عمدہ اور صاف ستھری روئی کا انتظام ہوگیا، روئی سرکہ میں ڈالی گئی، روئی نے سرکے کو جذب کیا، پھر اسے خشک کیا گیا، اور لشکر کے حوالہ کیا۔ جب پانی پینا ہو، تو روئی اس میں ڈالدو، سرکہ کا ذائقہ اس میں آئے گا، پینے کے بعد خشکی نہیں ہوگی، پیاس بجھ جائے گی۔ یہ لشکر باب الاسلام مکران میں داخل ہوا، فتوحات کرتے کرتے پنجاب تک گیا، جہاں تک جانا تھا چلتا رہا۔ اس مبارک لشکر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے اور زیادہ تابعین حضرات خیر القرون کے خیر الناس، عباد الرحمن تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

جب قیادت میسر ہو تو پھر کسی قسم کا خوف و خطر اور نہ شکست۔ ہم تاریخ کے اوراق میں گم ہوگئے ہیں۔ اب دوبارہ واللہ اعلم زندہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ شکست و تباہی ہمارا مقدر نہیں تھی، جب ہم آزاد تھے، اقوام عالم ہمارے دست نگر غلام ہوتے تھے، ان کی قسمت کا فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ ربّ العزّت سبحانہ کی سرپرستی ہمیں حاصل تھی، فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ [محمد:۱۱] (یہ اس لئے کہ اللہ کارساز ہے ان لوگوں کا جنہوں نے ایمان لایا ہے، اور کفار کا کوئی کارساز نہیں ہے)۔ مولیٰ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں سے ہاتھ نہیں کھینچا، سرپرستی نہیں چھوڑی، وہ اب بھی اپنے وعدوں پر قائم ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الغافر:۵۱] (بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی، اور ان لوگوں کی جنہوں نے ایمان لایا ہے)۔

اس وقت نئی وحی اور نیا وعدہ، تازہ تسکین وتسلی کی ضرورت نہیں ہے۔ جو وعدہ زمانہ رسالت میں دیا گیا وہ ابدی ہے، منسوخ نہیں ہوتا، اور نہ زائد المیعاد ہوتا ہے۔ قرآن حکیم ابدی، اسلام ابدی، رسالت ابدی، مگر ہم لوگوں نے اپنا نصیب کھو دیا۔ نصرتِ الٰہی قائم ہے، ہم پھر گئے۔ کوئی سمجھتا ہے کہ ہمیں کفر مار رہا ہے، ذلیل کر رہا ہے، تباہ کر رہا ہے، اور غلام بنا رہا ہے، مگر واقعہ ایسا نہیں ہے۔ ہم قرآن وحدیث اور اسلام کے مارے ہوئے مار کھا رہے ہیں۔ ہماری حمیت اسلامی ختم ہوگئی، افتراق وانتشار کے شکار ہیں۔ ؎

شور ہے ہو گئے دنیا میں مسلمان نابود
ہم تو کہتے ہیں کہ کہیں تھے بھی مسلمان موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ اور تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اسلام اور اعمال شرعیہ اور تہذیب وتمدن، شرعیہ اخلاق حسنہ، عقائد حقہ ودیگر احکام الٰہیہ سے عاری قوم کیا کامیابی اور فلاح پا سکتی ہے؟ قربانی کے اونٹ میں شریک سات آدمی میں سے اگر ایک کی نیت خراب ہو تو باقی کا خدا حافظ۔ یہاں چھ کی نیتوں کی خرابی کا معاملہ درپیش ہے، صرف ایک کی نیت شاید درست ہو۔ اس سے کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن موجودہ وقت وہ ایک بھی تذبذب کا شکار ہے۔ ”فإلی اللہ المشتکی“۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعاء ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
(حالی)

پسندیدہ اور ناپسندیدہ کا بیان:

یعنی اللہ رب العزت جل جلالہ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں کا مختصر بیان۔

جاننا چاہئے کہ اللہ رب العزت کائنات اور اس کی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا مہربان اور مالک رب العٰلمین ہے۔ اس کا کوئی نہ شریک ہے۔ نہ وزیر، نہ معاون اور نہ مشیر ہے۔ وہ کسی وقت اکیلا موجود تھا، اور کچھ نہ تھا، آئندہ کسی وقت

وہ اکیلا موجود رہے گا، جبکہ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ نفخ صور کے ساتھ سارا جہاں فنا ہوگا، اس کے حکم کے ساتھ، اور وہ اکیلا باقی وارث رہے گا۔ چالیس سال بعد دوبارہ پورے جہان کو ایک نئے انداز پر دوبارہ پیدا فرمائے گا، مگر بڑے جلال و استغناء کے ساتھ۔ یا یہ کہو کہ بڑے بے مثال غضب ولا پرواہی کے ساتھ۔ اس وقت یہ آسمان، یہ ستارے، یہ سورج، چاند اور یہ دھرتی اور پہاڑ اس لئے نہیں ہوں گے کہ وہ جہاں جس کو آخرت کہا جاتا ہے اس کا الگ نظام ہوگا۔ اگر یہ موجودہ جہاں اس وقت بالفرض موجود ہوتا تو اس غضب سے پگھل جاتا اور خاکستر وراکھ ہوتا۔ وہ قیامت والا غضب اتنا شدید ہوگا جس کی تیزی سے اولوالعزم انبیاء ورسل علیہم السلام بھی متاثر ہوں گے، اور مقرب فرشتے گونگے، بہرے ہوکر بول نہیں سکیں گے۔ وہ میدان اتنا خطرناک ہوگا کہ دنیا میں حکومت کرنے والے بڑے بڑے بادشاہ اپنی تباہی اور بربادی کے فیصلے کے منتظر رہیں گے، اور اندازہ لگائیں گے کہ آج مچھر کے پر جتنی ہماری حیثیت نہیں ہوگی، اور ابدی جہنم میں جانا ہمارا مقدر ہوگا، اِلَّا ماشاءاللہ۔

یہ میدان محشر صرف اور صرف اس لئے قائم ہوگا تاکہ ربّ العزّت کی پسند اور ناپسند اعمال کا فیصلہ ہو اور: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ [یٰس: ۵۹] (اور الگ ہو جاؤ اے مجرمو!) کی شناخت ہو۔ وہاں سب سے پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے تبلیغ رسالت اور امتوں سے ابلاغ رسالت اور قبولیت وعدم قبولیت کا سوال ہوگا۔ یعنی جن امتوں کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے ان سے سوال ہوگا: ﴿مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ﴾ [القصص: ۶۵] (تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کہاں تک قبول کی تھی؟) اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے: ''مَاذَا أُجِبْتُمْ'' [المائدۃ: ۱۰۹] (تم کو امت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟)۔

اسی کے ساتھ ربّ العزّت سبحانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے: ﴿يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ [المائدۃ: ۱۱۶] (اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بناؤ اللہ کے سوا؟)۔ اللہ ربّ العزّت سبحانہ کو کسی پیغمبر یا کسی امت سے کچھ معلومات پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ علیم وخبیر ہے، اسے کائنات کے ایک ایک ذرہ کا علم حاصل ہے، مگر اتمام حجت اور حاضرین کو معلوم کرنے کی خاطر صفت عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے پوچھتے ہیں، تاکہ کوئی یہ بہانہ نہ کرے کہ مجھ سے کچھ پوچھے بغیر میرے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام جواب میں بھی یہی کہیں گے: ﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ﴾ [المائدة] (اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہوجاتا۔ آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں، اور میں آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا، یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے۔ میں نے ان لوگوں سے اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا)۔ میں کب اور کیسے کسی کو اپنی الوہیت کی دعوت دے سکتا ہوں؟ میں نے تو انہیں آپ کے حکموں کے تحت آپ کی عبادت اور الوہیت وتوحید کا کہا، اور انہیں توحید کا درس دیا۔

اس کے ساتھ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا، کیونکہ تمام انسانیت ان کی اولاد ہے، اور انہیں پوری انسانیت کے باپ ہونے کا شرف حاصل ہے، فرمان ہوگا: ”یاأدم اخرج بعث النار فیقول یارب ومابعث النار؟ فیقول الرب عز اسمہ من کل ألف تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین للنار وواحدۃ للجنۃ“۔ [متفق علیہ]

اے آدم! اب جدائی کا وقت آگیا کہ جنتی دوزخیوں سے الگ ہوں گے، اور دوزخیوں کو جنتیوں کی صفوں سے علیحدہ کیا جائے گا، آپ اپنے ہاتھ سے دوزخ کا حصہ (دوزخیوں کو) الگ کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے دوزخ کا حصہ کیا اور کتنا ہے؟ ارشاد ہوگا کہ: ”ہزار میں سے ایک جنت کیلئے چھوڑ دو، باقی نوسوننانوے جہنم کیلئے علیحدہ کرو“۔ اس اعلان کے ساتھ قیامت کے اندر قیامت آئے گی، غم کے مارے۔ اگر وہاں کوئی بچہ ہو وہ بھی بوڑھا ہوجائے، اور حاملہ عورت حمل کا اسقاط کرے۔

آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ہزار میں سے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ صرف ایک نکلا، اور ناپسندیدہ نوسوننانوے نکلے۔ وہ صرف ایک شخص ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ پر عامل رہا تھا، شرک اور استعانت لغیر اللہ کی لعنت سے بچا رہا تھا۔ اور یہ نوسوننانوے لوگ یا مشرک نکلے، یا ایسے لوگ جو بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے تھے، مگر ان کا دامن شرک کی پلیدی اور نجاست سے ناپاک رہا۔ اور یہ وہ اصلی عدالت عظمیٰ ہے جہاں تقریباً ہر گناہ کی بخشش ومعافی کی امید کی جاسکتی ہے، مگر مشرک باغی کی بخشش کا امکان تک نہیں۔ اور دنیا میں سوا لاکھ پیغمبروں کی متفقہ یہی تعلیم رہی کہ شرک کی بخشش کے تمام امکانات معدوم ہوں گے۔ عام مشرک کا کیا پوچھنا یہاں تو خاص مشرک کا انجام بھی خطرناک ہوگا، جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء تقریباً ان کی نسل میں چار ہزار انبیاء کا شمار ہے، بلکہ سارے انبیاء اور تمام جہانوں کے سردار، سید

کائنات، رحمۃ للعٰلمین، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ولد صالح اور فرزند ارجمند ہیں۔شب معراج میں ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا تھا: "مرحباً بالنبي الصالح والابن الصالح"۔[متفق علیه] تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے باپ کی شکل وحلیہ بچھو کا بنا کر اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔یہی حال ابو البشر الثانی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور بیوی کا ہوگا۔اور خواجۂ خواجگان، رحمت دو جہان ﷺ کے حقیقی عم و چچا ابو طالب کا ہوگا۔جس نے اپنی ساری زندگی آپ ﷺ کے تحفظ پر قربان کردی، اور آپ ﷺ کی خاطر سالوں سال شعب اَبی طالب میں قوم وقبیلے سے کٹ کر رنج والم برداشت کیا تھا، اور وہ کارنامے انجام دیئے جو صدیق اکبرؓ نے انجام دیے تھے، بلکہ اس سے کئی گنا زائد بھی۔مگر شرک نے اسے ڈبو دیا، اور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس کے حق میں قبول نہیں ہوئی، آپ ﷺ نے اس کی مغفرت کیلئے دعاء فرمائی، مگر قربان جائیں اور صدقہ ہوجائیں اس بے نیاز، واحد لاشریک کا کہ کھربوں رحمتوں کا مالک ہے، سو(۱۰۰) انسانوں کے قاتل سے بغیر کسی پیغمبر کی شفاعت کے درگزر کرتا ہے، کیونکہ اس شخص نے شرک نہیں کیا تھا، محض گناہ گار قاتل تھا، اس کی معافی بغیر شفاعت کے ہوگئی۔[متفق علیه]

یہاں ابوطالب کے لئے دو مبارک ہاتھ اٹھے ہیں، اور زبان مبارک سے شفاعت کے کلمات کے ساتھ نامور اور مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، قلب مبارک میں تڑپ ہے۔آپ نے اس عظیم ہستی کا اندازہ لگالیا کہ یہ وہ ہستی ہے جس کا رتبہ ومرتبہ ربّ العزّت سبحانہ کے عرش عظیم سے بھی بڑھ کر ہے، مگر معافی کیلئے ربّ العٰلمین نے جو خدائی قانون ودفعہ مقرر کیا ہے، وہ دفعہ یہاں صادق نہیں آتا، شفاعت مسترد ہوگئی، سید الملٰئکۃ جبریل علیہ السلام عرش معلّٰی سے مقدس فرشتوں کی سرپرستی میں اتر کر شاہی فرمان خدائی فرمان کے ساتھ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے فضاؤں کا گشت کرنے لگے۔آیت کریمہ وحی کے ساتھ سپرد کرتے ہیں: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ﴾[التوبة:۱۱۳] (لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش مانگیں مشرکوں کے لئے، اگرچہ وہ ان کے قرابت والے ہوں، جبکہ ظاہر ہوا ہو ان پر کہ یہ مشرک دوزخی ہیں، اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ آزر کے واسطے وہ نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وہ وعدہ کر چکے تھے اس

سے، پھر جب معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے)۔

﴿سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾ [مریم:۴۷] (آپ کو سلام ہو، میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دعا کروں گا)۔ ربّ العزّت رحم فرمائے۔ مصنوعی دکاندار، مال ومتاع کے عاشق پیروں نے عوام الناس بے علم وجاہل، حقائق واعمال شریعت، تعلیمات قرآن وسنت سے سراسر ناواقف لوگوں کے عقیدہ وایمان پر ڈاکہ ڈال کرا نہیں مشرک بنا رہے ہیں، اور دھڑا دھڑ جہنم بھیج رہے ہیں۔ اپنے پاؤں پر، قبروں پر، مزارات پر انہیں سجدہ تک کروا رہے ہیں، اور بڑی بڑی ثروت ودولت، اولاد، ملازمت، شفاعت، جنت، کیا سے کیا غضب کی خواہشات اور خوشیوں کا مژدہ سنا رہے ہیں۔ غوث پاک یہ کرے گا، خواجہ چشتی، خواجہ داتا، خواجہ قلندر، خواجہ فلاں وغیرہ وغیرہ۔

ربّ العزّت بیڑا غرق کرے برطانیہ کے مرتد انگریزوں کا، ان کی آمد واقتدار سے پہلے برصغیر میں عام دنیا کی طرح لوگ گناہ میں ضرور مبتلا تھے، مگران کے عقائد برے نہ تھے، شرک اور معمولی بدعت بالکل نہیں تھی، یا برائے نام نہ ہونے کے برابر۔ بقول سید المحققین، عالم اسرار شریعت حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ جب کافر ودشمن کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے تو مفتوحہ علاقہ کے لوگوں کی سب سے اعلی اور پسندیدہ چیز پر ہاتھ ڈال کراسے قبضہ یا ضائع کرتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مصنوعی پیر، مصنوعی ولی، ولایت کے ابجد سے ناواقف اور خبیث مرزا غلام قادیانی ملعون ومبغوض کی طرح مصنوعی انگریزی نبیوں کا سلسلہ چلا، پس پردہ آپ جانتے ہوں گے چار پانچ گمراہ فرقے ہیں، اور وہ بھی یہاں برصغیر میں ایک سو سال سے پہلے ان کا وجود تک نہ تھا، آج وہ نصف سے زائد امت کے ایمان وعقائد پر قبضہ جما چکے ہیں، اور پس پردہ انگریزوں کا مالی تعاون اور سیاسی سرپرستی وحمایت انہیں حاصل ہے، اور ہر حکومت ان کی حامی اور بہی خواہ ہے۔

دنیا میں روز اول سے اہل دنیا کا شیوہ اور دستور رہا ہے کہ آسمانی شریعت کو کسی بھی زمانے میں خوشی کے ساتھ لوگوں نے قبول نہیں کیا، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دنیا والوں نے وہ ناروا ظلم وستم جاری رکھا جس کا کوئی جواز نہ تھا، کبھی کسی قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام یا ان کے وارث علماء کا خیر مقدم اور احترام کا خیال نہیں رکھا، اور خاص کر اقتدار وحکومت کے بااختیار لوگ، کیونکہ اقتدار والے جادہ حق وانصاف سے ہٹ کر غیر اخلاقی، غیر شرعی گناہوں میں اکثر وبیشتر مبتلا رہتے ہیں، اور اہل حق اپنے پاکیزہ منصب کے پیش نظر ان پر تنقید کرتے ہیں۔ اس بناء پر وہ اہل حق کے بدخواہ بن جاتے ہیں، انہیں پریشانیوں اور قید وبند میں ڈال کر سزا دیتے ہیں، اور ہر قسم کی صعوبتوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔ حضرت زکریا وحضرت

یحیٰ علیہم السلام کیوں شہید کئے گئے؟ یہ تو معصوم و بے گناہ پیغمبر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں آگ میں ڈالے گئے؟ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ المکرمۃ میں تیرہ سال تک پریشان رہے۔ مجنون، ساحر، شاعر، جیسے غلط القاب سے یاد کئے گئے، اور ہجرت پر مجبور ہو کر بادل نخواستہ کن تکالیف کے بعد مدینہ منورہ پہنچے؟ اور دشمن نے اس پر بس نہیں کیا، ستائیس غزوات میں مسلسل لڑتے رہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے رجال صالحین کیوں معتوب ہوئے؟ اور اصحاب اقتدار کے ہاتھوں سے کوڑے کھائے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیوں اور کس جرم میں گوالیار کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا رہے؟ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے سرکردہ علماء نے بڑا وقت قید و بند میں گزارا۔ یہ سلسلہ اور فہرست نہایت وسیع و بے شمار اور طویل ہے، مگر سمجھ میں نہیں آتا تقسیم سے لے کر آج تک اہل حق علماء ہر حکومت کے معتوب رہے ہیں، اور ہزاروں تک جام شہادت نوش فرما چکے ہیں۔ ہر صدر اور ہر وزیر اعظم ان کا حریف رہا ہے۔ مگر یہ چلہ کش، جھوٹے ولی، گدی نشین، اور عرس مبارک منانے والے ہر حکومت کے حلیف اور دوست و راز دار شمار ہوتے ہیں۔ نہ جیل، نہ شہادت، نہ عتاب نہ اور کچھ، بلکہ تمام سرکاری تقریبات کے زیب و زینت بنتے ہیں۔ مزید برآں قرآن وسنت اور تعلیمات اسلامیہ اور احکام شریعت کو مسخ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کسی بھی مغرب یا یورپ یا برطانیہ اور امریکہ کو نہ ان سے بغض ہے، اور نہ خوف و خطرہ، اور نہ ان کے اسلام سے ناراضگی، بلکہ گدیوں اور مزاروں کی تعمیر و مرمت کی مراعات بھی انہیں حاصل رہتی ہیں۔

ہدایت ایک قدرتی بخشش وانعام ہے، اس کا تعلق عقل و ہنر اور دانائی کے ساتھ وابستہ نہیں، یہ ایک رحمت ایزدی ہے۔ دیکھیں! ہمارا مشاہدہ اور بکثرت ہمارے سامنے واقعات ہیں کہ بیوقوف سے بیوقوف اور نہایت بے سمجھ لاکھوں لوگوں کو رب العزت سبحانہ نے عجیب وغریب ہدایت سے دین وتقویٰ، طہارت وعبادت اور نعمت توحید سے نوازا ہے۔ اس کے برعکس بڑے عقلمند، ہوشیار، سائنسدان، اور تعلیم یافتہ لوگ ہدایت سے بے بہرہ اور محروم ہیں۔ بجلی کتنی بڑی چیز ہے، آج سارا جہان اسی پر چل رہا ہے، اس کے فوائد ہزاروں میں نہیں، لاکھوں اور کروڑوں میں ہیں، یہ ایک انسانی ایجاد ہے۔ ایک شخص جوانی کی حالت میں پتنگ اڑا رہا تھا، بادل گہرا اور زمین سے قریب تھا، بادل میں گرج چمک تھی، اس کے پتنگ میں کرنٹ سا پیدا ہوا، بس اسے خیال پیدا ہوا کہ روشنی اور کرنٹ ضرور کوئی چیز ہے۔ اس نے محنت

شروع کی، مسلسل چھ سال تک تجربہ کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ متوجہ ہوا، وہ بجلی بنانے میں کامیاب ہوا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰﴾ [بنی إسرائیل: ۲۰] (یعنی مؤمن اور غیر مؤمن دونوں جب کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کو مدد دیتے ہیں۔ تیرے ربّ کی بخشش اور فیض وکرم کسی سے بند نہیں)۔

دیکھئے! اِس جہان میں ربّ العزّت کی بخشش وعطا بنسبت مؤمنوں کے غیر مسلموں پر بہت ہی زیادہ ہے، کما ہو الظاہر۔ اسی طرح ہوائی جہاز کے مؤجد نے پرندوں کی نقل وحرکت اور اڑنے کا مطالعہ کرکے بار بار تجربہ کیا، اور وعدہ خداوندی متوجہ ہوا تو کام بن گیا۔ ریل گاڑی، بحری جہاز، راکٹ، کلاشنکوف، گھڑی، گاڑیوں کا نظام، کمپیوٹر، ٹی وی، ٹیلیفون، موبائل، اور لاکھوں کے حساب سے مختلف بے شمار مشینیں جنہیں دیکھ کر انسان کیا شاید فرشتہ بھی محسوس کرے کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی، اور یہ سلسلہ آئے دن برابر جاری ہے۔ خوردبین ایسے بنائے گئے کہ لاکھوں میلوں تک کام کرتے ہیں۔ رائی کے دانے کو پہاڑ جتنا دکھاتے ہیں۔ آسمانوں، سمندروں، پورا کرۂ ارض، چاند، سورج، ستاروں کا حجم و پیائش اور رفتار، خواص وفوائد اور ہر قسم کے اندازے معلوم کئے گئے۔ غرض یہ ہے کہ سارے جہاں پر انسانی تسخیر قائم ہوگئی۔ چاند پر گئے، کئی ماہ چاند پر تجربات ہوئے، محیر العقول کارنامے انجام دیئے گئے۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ ان سارے مصنوعات ایجادات کا سہارا انسان ہے، اور قدرت نے اس انسان کو عقل وہنر اور بے شمار کمالات وادراکات سے نوازا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو یہ ساری ایجادات غیر مسلم یہودی، عیسائی، بدھ، دہریئے قسم کے لوگوں کی ہیں، ان کی عقلمندی کی حد نہیں، مگر انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی، اور ان کو مخلوقات، معلومات، مصنوعات، اور ایجادات کے خالق ومالک ربّ العزّت کی ذات وصفات اور قدرت تک رسائی حاصل نہیں ہوئی۔ سورج کو تولا گیا، اس کی رفتار، حرارت، ڈگریاں، سب کچھ معلوم کرکے تو یہ کہنے لگے کہ سارا کچھ اور یہ تمام نظام اتفاقی ہے۔ عناصر، شعاعیں، بادل، ہوا وغیرہ آپس میں مل کر یہ کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کا بنانے والا اور تربیت دینے والا کوئی خدا نہیں۔ اگر ہوتا تو ضرور نظر آتا۔ دیکھیں! اس بے مثال عقل کے باوجود خدا تک رسائی حاصل نہ کر پائے۔ قدرت نے ظاہری عقل کی نعمت سے نوازا، باطن میں تاریکی اور غفلت کا پردہ چسپاں کیا، ربّ العزّت کو نہ کسی کے ایمان سے فائدہ حاصل ہوتا ہے،

نہ کسی کے کفر سے نقصان۔

حق اور انصاف کا کہنا اور تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے لوگ اول درجے کے مسلمان اور خدا پرست ہوتے، مگر معاملہ برعکس ہے۔ یہ لوگ اول درجے کے منکر خدا اور کافر ہیں۔ صرف ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جو شخص پہلی مرتبہ چاند پر گیا تھا، وہاں چہل قدمی کر کے کچھ وقت رہنے کے بعد واپس زمین پر آیا۔ اس کو بہت ہی بڑا انعام ملا، اور پوری دنیا کی سیاحت کا پاسپورٹ و کرایہ دیدیا گیا، چلتے چلتے عربی ملک مصر پہنچا، مصر کا دارالحکومت قاہرہ ہے۔ اس کا شمار دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں ہے۔ جس ہوٹل میں قیام کیا وہاں قریب ایک عالی شان مسجد تھی۔ یہ سائنسدان ہوٹل میں آرام کر رہا تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر آذان شروع ہوئی، یہ آذان سنتے ہی فوراً اٹھا، سراسیمگی کے عالم میں دوڑنا شروع کیا، بڑا پریشان اور حیرت زدگی کے عالم میں ہوٹل والوں سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری نمازوں کا الارم ہے۔ کہنے لگے کہ میں چاند پر روزانہ پانچ مرتبہ اسی انداز میں یہ آواز سنتا تھا، پھر میرے ذہن سے نکل گئی، آج یہ آواز سن کر مجھے وہ منظر یاد آیا، اور پوچھا کہ (۲۴) گھنٹے میں کتنی مرتبہ یہ آذان ہوتی ہے؟ جواب ملا: پانچ مرتبہ۔ کہنے لگے معلوم ایسا ہوا کہ تمہارا مذہب آسمانی ہے، مجھے ذرا معلومات فراہم کرو۔ ہوٹل والوں نے شیخ الازہر سے اس کی ملاقات کرائی، بڑے بڑے اسلامی علماء کرام کی موجودگی میں کچھ تبادلہ خیال ہوا، اور وہ شخص مسلمان ہوا، اور ایک ماہ دینی عقائد و مسائل سیکھنے کی خاطر مصر میں قیام کر کے حج و عمرے پر روانہ ہوا۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ ایمان کیلئے عقلمند اور دانا ہونا شرط نہیں ہے، یہ ایک نعمت خداوندی ہے۔ سیدنا بلال ؓ، حضرت خباب ؓ، صہیب ؓ کو نصیب ہوا، مگر مکۃ المکرمۃ کے سرداروں ابوجہل، امیہ، عقبہ، ابولہب جیسے لوگ محروم رہے، اور ابدی جہنم میں چلے گئے۔

سلمان ز فارس ست و بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اسلامی ملکوں، شہروں، علاقوں میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ، عقلمند، مالدار لوگ، لیڈر شرک میں مبتلا ہیں، اور دینی احکام اور اتباع شریعت سے محروم ہیں۔ اللہ رب العزت کا صرف نام جانتے ہیں، اس کے کمالات اور قدرتوں سے سراسر بے خبر ہیں، اور کچھ نام نہاد علماء قرآن وحدیث پڑھتے اور جانتے بھی ہیں، مگر ضد

وعناد یا مال و دنیا حاصل کرنے کے لالچ میں قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔قبر کسی کو کیا دے گی؟ صاحب قبر جب خود زندہ تھا کسی کے زکام دور کرنے پر قادر نہیں تھا۔اب اس کی قبر سے کسی کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

البتہ! یہ بات ہے کہ قبر کی آمدنی بہت زیادہ ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر، زمیندار، تاجر اتنا نہیں کما سکتے جتنا کہ قبر والے۔بعض قبروں کو آٹھ دس کروڑ سالانہ کے حساب سے ٹھیکے پر دیتے ہیں۔دس کروڑ سالانہ گورنمنٹ محکمہ اوقاف کا ہوگا، اور زائد و بچت ٹھیکدار کا، اللہ پاک جل شانہ اس امت پر رحم فرمائے، آمین۔

توحید اور شرک:

توحید اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پسندیدہ و پاکیزہ طریقہ کا نام ہے، جبکہ شرک ناپسندیدہ اور نہایت ناپاک طریقہ کا نام ہے۔توحید وہ پاکیزہ و مبارک درخت ہے جس کی بابرکت و باعظمت شاخیں عرش معلیٰ تک پھیلی ہوئی اور بلند ہیں۔شرک وہ ناپاک خبیث درخت ہے جس کی ناپاک و منحوس شاخیں زیر زمین دوزخ تک پہنچتی ہیں، اور یہ پست ہیں۔توحید کا مبدأ و بنیاد ذات باری تعالیٰ، اور صفات مقدسہ ہے، جبکہ شرک کا مبدأ شیطان رجیم اور نفس امارہ ہے۔توحید کا راستہ صراط مستقیم اور جنت ورضائے الٰہی ہے۔ شرک کا راستہ غضب الٰہی جہنم تک پہنچتا ہے۔توحید آسمانی کتب اور معصوم انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔شرک مردۃ الشیاطین وابناء الشیاطین کا طریقہ ہے۔توحید پاکیزہ، محسنین، متقین، عباد الرحمن، صالحین کا سرمایہ ہے۔شرک عباد الشیطان، بے دین، خبیث انسانوں کا سرمایہ ہے۔توحید فلاح وصلاح اور کامیابی کا سرچشمہ ہے۔شرک ناکامی، زوالی، بدنصیبی ومحرومی کا سرمایہ ہے۔توحید میں روشنی وبرکت رکھی ہوئی ہے۔شرک ظلم و بے انصافی اور تاریکیوں کا نام ہے۔توحید سعادتوں کا تاج ہے۔شرک بدبختی اور ناکامیوں کی جہنمی چپل ہے۔توحید کی تفسیر ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ہے۔ شرک کی تفسیر ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ ہے۔توحید جنت کے درخت طوبیٰ کا سایہ ہے۔شرک جہنم کے دھواں کا سایہ ہے۔

توحید کا وضاحتی بیان:

یاد رہے توحید صرف "لا إله إلا الله محمد رسول الله" کے معنی ومطلب سمجھے بغیر صرف زبان سے اقرار کا نام نہیں ہے۔اس طرح کا اقرار بہت سے کافر بھی کرتے ہیں، بلکہ توحید نام ہے دل سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کو واحد لاشریک ماننے، اور زبان سے مطلب ومراد سمجھ کر ایک ہونے کا مع جميع الصفات المختصة بذاته کے اقرار اور ماسوی اللہ کی نفی

کا، مثلاً کوئی لائق عبادت کا، اور حل مشکلات کا، اور دفع مضرتوں کا، اور جلب منفعتوں کا، اولاد دینے کا، عزّت وذلّت دینے، زندگی وموت، صحت وبیماری، رزق وروزی، کامیابی وناکامی کا علیٰ ہذا القیاس ان تمام امور کا دینے والا کوئی نہیں، سوائے اللہ پاک عزّوجل کے۔ نہ کوئی نبی مرسل، نہ کوئی فرشتہ، نہ کوئی جن، نہ کوئی ولی، نہ کوئی پری، نہ کوئی مرشد، نہ سیّد وفقیر ،اور نہ کوئی اور، یہ سارے کلمۂ توحید کے لوازمات اور تقاضے ہیں جو کہ ربّ العزّت جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر قربِ الٰہی کسی شخص کو حاصل نہیں، ان امور مخصوصہ میں وہ بھی خودمختار نہیں ہیں۔ قدم قدم پر دیکھا جائے ان امور کو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص مانتے، اور اسی سے طلب کرتے رہے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام اللہ ربّ العزّت کے ہاں کتنا بلند وبالا ہے؟ اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے، ان کے بارے میں خود ربّ العزّت کے عرش معلّٰی سے پیغام آیا ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ [النساء: ۱۲۵] (اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا)۔ اللہ پاک اگر محض بتادے کہ فلاں شخص میرا بندہ ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اتنا اونچا شرف ومقام ہوگا کہ جس پر سارے جہان کو قربان کیا جاسکتا ہے، چہ جائیکہ اس کے لئے مقام خلت کا اعلان ہو۔ یہ تو وہ مقام ومنصب اعلیٰ ہے جس کا ثانی نہیں ہے، اور یہ مقام ان کو کس بناء پر ملا؟ اس کا سبب بھی قرآن حکیم سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید الٰہی کے علمبردار تھے، اسی توحید ہی نے انہیں یہ مقام بخشا، وہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۶۲﴾﴾ [الأنعام] (کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)۔ ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

اور فرماتے ہیں: ﴿الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴿۸۹﴾﴾ [الشعراء] (جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی

فرماتا ہے۔اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔اور جو مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا۔اور جس سے میں یہ امید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ حساب و کتاب کے دن میری خطا بخش دے گا۔میرے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمالے۔اور آنے والی نسلوں میں میرے لئے وہ زبانیں پیدا فرمادے جو میری سچائی کی گواہی دیں۔اور مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے۔اور میرے باپ کی مغفرت فرما، یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔اور اس دن مجھ رسوا نہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا، نہ اولاد۔ہاں! جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے (اس کو نجات ملے گی))۔

سبحان اللہ! توحید خالص کی کیسی دلکش ترجمانی ہو رہی ہے۔دیکھئے! ان بارہ، تیرہ تمام چیزوں کی نسبت اپنے ربّ کی طرف کر رہے ہیں۔اور یہی حقیقی توحید کا مقام ہے کہ سارے جہان سے توڑ صرف اللہ پاک سے جوڑ۔یہی مقام خلت اور مرتبہ حنیفیت ہے۔ہمارے سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ساری مخلوقات پر جس کو برتری اور شرف حاصل ہو وہ صرف یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات گرامی ہے، جن کے فضائل و برکات اور محاسن و کمالات اور بے مثال مناقب اور قربانیوں سے قرآن حکیم جا بجا تنبیہ و اعلان فرما رہا ہے، اور ساری خلقت پر ان کی برتری ثابت ہو رہی ہے۔قرآن حکیم (۶۹) مرتبہ ان کا نام لے کر ان کی شان بیان کر رہا ہے۔صرف سورۃ البقرہ میں پندرہ مرتبہ ان کا نام اور تذکرہ موجود ہے، اور انہی کے نام سے ملت ابراہیمی کا تعارف ہے، جس کی شرح و تفصیل قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کر رہے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے سارے عالم کو اصلی بندگی کا ڈھنگ اور طور و طریقہ سکھایا، اور فرمایا کہ سارے امور میں دستگیر و مددگار ربّ العزّت سبحانہ کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔اسی تعلیم و ہدایت کو دیکھ کر حضرت رومی رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

ہر کہ در اقلیم لا آباد شد ☆ فارغ از بند زن و اولاد شد

میکند از ماسوا قطع نظر ☆ می نہد ساطور بر حلق پسر

حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔غزوۂ بنو قریظہ کے بعد متصل ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔غزوۂ احزاب میں زخمی ہوئے تھے۔خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت گہرے تعلقات اور لطف و عنایات میں منظور

نظر ہے۔ان کی وفات پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ''۔رحمن جل شانہ کا عرش جھوم گیا، حرکت میں آ گیا، خوشی کے طور پر سعد بن معاذؓ کی موت پر۔واضح رہے کہ نیک لوگوں کی موت پر ربّ العزّت سبحانہ راضی اور خوش ہوتے ہیں، ''کمافي الحديث من أحب لقاء الله أحب الله لقاء ه و من أبغض لقاء الله أبغض الله لقاء ه''۔[متفق عليه]

جب ایک صحابی امتی کا یہ درجہ وشان ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈال کر حضرت حق ربّ العزّت کو وہ آگ بردوسلام کرنی ہی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرتی نظام کے تحت بچانا ہی تھا، مگر یہ حقیقت اور کسی کو شاید معلوم نہ ہو۔دنیا اور اس کی مخلوقات نے یہی سمجھا ہوگا کہ حضرت خلیل علیہ السلام آتش نمرود کی نذر ہو جائیں گے۔اس پر سمندروں نے آگ بجھانے کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ہواؤں اور بادلوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔فرشتوں نے خاص کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی خدمات پیش کیں، مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے توحید کو چار دانگ عالم میں عام پھیلانے کے لئے تخلیق کیا ہو، اور خصوصیات کے ساتھ مبعوث فرمایا ہو، وہ ان تمام کی تمام پیشکشوں سے مستغنی ہو کر صرف اور صرف ربّ العزّت پر نگاہ وامید رکھتا ہے، اس کو پورے عالم میں سوائے ربّ العزّت سبحانہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

ہمہ شہر پرز خوبان منم وخیال ماہے ☆ چہ کنم کہ چشم عاشق نکند بکس نگاہے
بہ جرم عشق تو این می کشند غو غائیست ☆ تو نیز بر سر بام آ چہ خوش تماشائیست

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کس گناہ کی پاداش میں سپرد آتش کیا جارہا ہے؟ کونسا جرم، اور کس بنیاد پر صرف؟ اور صرف یہ قصور ہے کہ وہ باطل معبودوں کو ﴿لَا أُحِبُّ الْأٰفِلِيْنَ﴾ [الأنعام: ۷٦] (میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا) کہہ کر مسترد کر چکے ہیں، اور پتھر سے بنی ہوئی مورتیوں کو ریزہ ریزہ اور پاش پاش کر کے کائنات کے خالق اور معبودِ حقیقی کی دعوت کو عام کر کے پھیلا رہے ہیں۔نمرود بن کنعان جیسے ظالم وجابر، مدعی الوہیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ربّ واحد ذوالجلال پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں، اور اس کی الوہیت کو چیلنج کر کے ﴿فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ [البقرة: ۲۵۸] (تو سورج کو مغرب سے لاؤ) کی دلیل سے اس کو ملامت اور خاموش وشرمندہ کر رہے ہیں۔وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس ہستی کے عشق ومحبت میں مجھے آگ میں ڈالا جارہا ہے، اسے ذرہ ذرہ کا علم ہے،

اور وہ بڑا غیور اور اتنا طاقتور ہے کہ ایک لفظ کُن سے سارا کرتا دھرتا، اور دشمن کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر سکتا ہے۔ اسے ان پیشکشوں کی طرف توجہ والتفات کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تب تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا: "أمامنک فلاوأمامن اللہ فبلی"۔ وہ صرف ایک وظیفہ کے عادی ہیں: "حسبنا اللہ و نعم الوکیل"۔ جس کو پڑھتے ہی آگ ٹھنڈی ہوجاتی ہے، اور سارے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ پوری نمرودی قوت وحربے ناکام ہوجاتے ہیں، اور موحد اعظم قیامت تک صدق واخلاق کا ایک عظیم ریکارڈ قائم کرتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش ☆ چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ☆ ہمین ست بنیاد توحید بس

﴿قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾﴾

[الأنبیاء: ۶۹] (ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہوجا، اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔ ان لوگوں نے ابراہیم کے لئے برائی کا منصوبہ بنایا تھا، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے انہی کو بری طرح ناکام کردیا)۔ عبادت ہو یا استعانت، بمعنی طلب و امداد، یہ دونوں مخصوص ہیں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ، غیر اللہ کی عبادت اور غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت شرک اور حرام ہے۔ اب ترتیب وار ان تینوں چیزوں (عبادت، استعانت، اسباب) کا اجمالی بیان ہوگا۔

☆ ☆ ☆

عبادت کا بیان:

عبادت کہتے ہیں شوق ومحبت اور بے انتہاء عجز ونیاز کے ساتھ بہ ارادۂ تعظیم اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا، یہاں تین چیزیں ملحوظ نظر رہیں (۱) معبود۔ (۲) عابد۔ (۳) عبادت۔

اول معبود حقیقی:

ربّ العزّت ہی کی ذات گرامی ہے جو کہ تمام دینی، دنیوی، اخروی، ظاہری، باطنی، نعمتوں کی مالک اور عطا کرنے والی ہے، وہی ہر قسم کی عبادتوں کی لائق ہے، کسی غیر کی عبادت ناجائز اور شرک ہے۔

دوئم عابد:

عبادت گزار، عبادت کرنے والا۔ یہ صفت عامہ ہے تمام مخلوقات کے لئے، مگر یہاں صرف انسان ہی مراد ہے، جس پر اللہ ربّ العزّت کی بندگی وعبادت موت تک فرض ہے۔

سوئم عبادت:

جس کا معنی گزر چکا۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) عقائد۔ (۲) اعمال۔

عقائد کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ ان میں سے چند کا بیان ایمان مفصل میں مذکور ہے، سورۃ الفاتحہ کے اختتام پر اس کی وضاحت ہوگی، اِن شاء اللہ۔ رہا مسئلہ اعمال کا، تو اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) زبانی ''قولی''۔ (۲) بدنی ''فعلی''۔ (۳) مالی۔ ان تینوں کا بیان ''التحیات للہ'' (قولی) ''والصلوٰۃ'' (فعلی) ''والطیبات'' (مالی) میں مذکور ہے۔ عبادت قولی ہو یا فعلی، یا مالی۔ تینوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، کسی غیر کے لئے کسی بھی عبادت کا استحقاق نہیں۔ اسی بنیاد پر غیر اللہ کی عبادت کو شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے توحید کے خلاف اور حرام کہا جاتا ہے۔

استعانت ومدد طلب کرنا، اور اس کے اسباب ودواعی:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہر چیز میں اللہ پاک سے مدد مانگنا چاہیے، اور مؤمن کی یہ شان ہے کہ وہ ہر ادنیٰ سہل الحصول اور اعلیٰ مقاصد میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ: ''ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ اور نمک''، جو کہ بہت معمولی چیزیں ہیں۔ اور تجربہ گواہ ہے کہ جو شخص صبح وشام ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا طالب رہتا ہے وہ کبھی خوار اور ناکام نہیں ہوتا، اس کا ہر کام رونق اور خوبصورتی کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے۔

رہا یہ امر کہ کونسی استعانت جائز ہے اور کونسی ناجائز؟ اس کے لئے علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ ہر جائز کام کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا مسنون ہے، اور حرام چیزوں کے لئے ناجائز ہے۔ جیسے کوئی چور یا زانی وغیرہ کہتا ہے: یا اللہ تعالیٰ میں اس کام میں آپ کی مدد مانگتا ہوں، آپ میری مدد فرمائیے۔ یہ حرام ہے، بلکہ کفر کا بھی خطرہ ہے۔

اب استعانت کے بارے میں عرض ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال واعمال میں مکمل خودمختار ہے کہ جب چاہے جو چاہے جس طرح چاہے وہ کرسکے۔ یہ صحیح نہیں ہے، یہ صفت باری تعالیٰ شانہ کی ہے، اس میں اس

کا کوئی شریک نہیں، اور یہ صفت کسی بھی مخلوق کے لئے ثابت کرنا صریح شرک اور کفر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال واعمال کے معاملے میں بالکل بے بس مجبور اور بے اختیار ہے، یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ ایسے کہنے سے پھر قانون اجر وثواب اور مؤاخذہ وعقاب باطل اور بے معنی ہو جائے گا، پھر تو جنت ودوزخ کی تخلیق اور سارا نظام ربانی معطل رہے گا۔ بلکہ اصل بات اس افراط وتفریط کے درمیان میں ہے، جس طرح ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ دلالت کر رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان چند چیزوں میں با اختیار ہے، اور کچھ امور میں بے اختیار۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی سوال ہوا کہ کتنا اختیار اور کہاں تک بے اختیار ہے؟ آپ نے سائل سے کہا کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ، وہ ایک پیر پر کھڑا ہو گیا، پھر فرمایا کہ دوسرا پاؤں اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ، کہنے لگا یہ نہیں ہو سکتا، دونوں پاؤں زمین سے اوپر کر کے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں؟ فرمایا: دیکھو! تمہارا مسئلہ حل ہو گیا، سوال کا جواب آ گیا، انسان آدھا مختار اور باقی کچھ بے اختیار ہے۔

تو یہ ہے درمیانہ مسئلہ۔ اب غور کرو، جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو غیر مختار رکھا ہے، اور ان چیزوں کا نشیب وفراز، وجود وعدم اپنی ذات پاک کے ساتھ مخصوص کیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

اول استحقاق عبادت اور استحقاق استعانت (مافوق الاسباب)۔ اسی طرح بادل، بارش، موسم کی تبدیلی، رات دن کا نظام، جہان کی آبادی وبربادی، عزّت وذلت، رزق وروزی، تخلیق وپیدائش، زیادتی وکمی، اولاد ونسل، قحط سالی وآبادی، بیماری وشفاء، آفتوں، بلاؤں کا نازل کرنا، اور اٹھانا، ہدایت وضلالت، غیب کی باتوں کو جاننا، ہر جگہ حاضر وناظر رہنا، بندوں کے حالات وخیالات اور دلوں کا ارادہ جاننا، بندوں اور مخلوقات کی نگرانی وحفاظت کرنا۔ بندوں کی مدد ونصرت کرنا، زندہ کرنا اور مارنا وغیرہ۔ یہ وہ امور ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان امور میں کلیۃً اور بطور جزئی کسی مخلوق کی شرکت وشراکت نہیں ہے۔

پس جو شخص ان امور میں کسی مخلوق کی شرکت یا اختیار ثابت کرے گا، یا یہ عقیدہ رکھے گا، یا کسی نبی وپیغمبر، فرشتہ، جن، پیر، ولی، سید یا کسی بھی شخصیت سے ان چیزوں کا سوال کرے گا، یا یہ کہے گا کہ فلاں نے یہ کام انجام دیا، پیر نے مجھے اولاد عطا کی، سید نے مینہ وبارش برسایا، وغیرہ۔ تو وہ شخص بالاتفاق مشرک اور کافر ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے مخصوص ذاتی صفات کو مخلوق پر بانٹا اور تقسیم کیا۔ غیروں کو اس کا شریک ٹھہرا کر اس کی توہین کی، ظلم کیا، مشرک وکافر ہوا۔

کیا کسی انسان کے لئے اس کا جواز ہے کہ وہ اپنی یا کسی اور کی منکوحہ بیوی کا کسی دوسرے انسان سے نکاح کرے؟ یہ ننگ اور عزت کا مسئلہ ہے، ایک ناتوان آدمی خداوند تعالیٰ کی ننگ وعزت میں کسی بھی مخلوق کو شریک کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ امور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں علی الاطلاق کسی مخلوق کا اختیار اور شراکت نہیں، حتیٰ کہ اولوالعزم پیغمبر بھی اس میدان میں بے بس اور بے اختیار ہیں۔

آپ اندازہ لگائیں کہ جنگ اُحد میں سرور عالم ﷺ بذات خود زخمی ہیں، دانت مبارک شہید ہو چکا ہے، ستر کے قریب جان نثار جام شہادت نوش فرما چکے ہیں، آپ ﷺ پر غموں، پریشانیوں، اَلموں کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں، مسلسل رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے رونے نے جبرئیل، میکائیل اور دیگر فرشتوں کو اور پہاڑوں، درختوں کو بھی رلا دیا ہے۔ سبحان اللہ! ربّ تو ربّ ہی ہے، صمد و بے نیاز ہے، یہ سب کچھ اس کے چاہنے اور حکم سے ہوا، وہ اسی بہانے سے تو جنتوں کو بھر دیتا ہے۔ ﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ [آل عمران: ۱۴۰] (اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے گا) کی تسلیوں سے غموں اور زخموں پر مرہم پٹی لگا کر بلند بلند درجات پر فائز کرتا ہے۔ جو جا چکے وہ جا چکے، جو زندہ اور حیات ہیں، وہ پریشان ہیں۔ وہ اس پر پریشان نہیں ہیں کہ ہمارے پیارے شہید ہو گئے، وہ تو اس پر خوش ہیں، اور پریشانی ان کی اس بات پر ہے کہ ہم کیوں بچ گئے، ہم کیوں ان کے ساتھ جنت کی ہواؤں، رحمتوں، اور راحتوں سے چند وقت کے لئے پیچھے رہ گئے۔

دیکھو! یہ ولولہ اور یہ بے پناہ عشق و بیخودی صحبت نبوت کا مصدقہ اثر و پیغام تھا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر رو رہے ہیں، جن کو دربار نبوت سے ''سیف من سیوف اللہ'' کا تمغہ عطا ہوا تھا، لوگ ان سے رونے کا سبب پوچھتے ہیں، جواب میں ارشاد فرماتے ہیں پچانوے مرتبہ دشمن کے معرکوں میں، بڑے بڑے ہجوم اور جم گھٹوں میں قصداً گھستا رہا تا کہ شہادت حاصل ہو، مگر مقدر میں نہیں تھی، آج بستر پر روح پرواز کر رہی ہے۔ مقصد معلوم ہے کہ ربّ العزت کے ذاتی امور میں کسی کی شراکت نہیں ہے۔ اولوالعزم پیغمبر بھی بے اختیار ہیں۔ دیکھیں! انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس معجزات، اولیاء عظام کے پاس کرامات کا سلسلہ ہے، یہ بھی غیر اختیاری ہیں۔ معجزہ نبی و پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا، کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی، کہ جب مرضی ہو دکھا دے، ہرگز نہیں۔ یہ سارا عمل علیم و خبیر عزّ شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرمعراج اچانک ہوا۔ پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی اطلاع نہیں تھی، حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما رہے تھے، اچانک چھت کھل گئی۔ حضرت جبریل امین تشریف لائے، اور وہاں سے حطیم کعبہ میں شرح صدر مبارک، اس کے بعد بیت المقدس، یہ ہوا اسراء۔ اس کے بعد معراج اور مبارک سفر مکمل ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت اِلیٰ المدینۃ کا حکم ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفیق محترم کے ساتھ گھر سے غار ثور میں تشریف لائے، تین رات وہاں رہے، مکڑی اور کبوتروں نے مہمان نوازی کی۔ پھر وہاں سے ساحل کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ (۱۲) یوم مسلسل سفر میں رہے، اتنی زحمت اور تکلیف برداشت کی۔ جس ذات پاک عزّ شانہ نے مختصر وقت میں براق پر عرش معلّیٰ تک بلایا تھا، اس نے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بمع رفیق براق پر بٹھا کر پانچ، دس منٹ میں کیوں مدینہ منورہ میں نہیں پہنچایا۔

یا یہ کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام نے کندھے پر اٹھا کر چوتھے آسمان پر پہنچایا، انہی حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بمع صدیق کے ہاتھ پکڑ کر دو چار منٹ میں مدینہ منورہ کیوں نہیں پہنچایا۔ تا کہ غار ثور کی پریشانی اور بارہ یوم کے سفر کی تکلیفوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نجات مل جاتی، مگر حضرت حق سبحانہ کی حکمتوں، مصلحتوں کو ہم لوگ نہیں جانتے۔ لطف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا مطالبہ نہیں کیا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ صابرانہ، اور عزم وہمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی اندازہ لگائے تو حقدار ہے، اور ربّ العزّت سبحانہ کی حکمتوں اور استغناء کا تو کوئی اندازہ لگانا ہی طوق بشر سے خارج ہے۔ بہرحال علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ معجزات غیر اختیاری ہیں۔ عجیب ذوق ولذت ہے ایمان بالغیب کا کہ بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے تسلیم وقبول کرنا ضروری ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سو ستر سال کی عمر پائی، اَسی سال تک لاولد رہے، اَسی سال کے بعد اولاد کی بشارت وخوش خبری ملی ہے۔ حضرت سارہؓ کہتی ہے: ﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾ [الذاریات: ۲۹] (انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا، اور کہنے لگیں: ایک بانجھ بڑھیا (بچہ جنے گی؟)۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا بھی یہی حال ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی۔

اور یہ تینوں واقعات تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم نے بیان کئے۔ مگر کاش یہ انسان ظلوم وجہول، صریح نصوص قرآنیہ کا انکار کر کے اپنے خانہ ساز خیالات اور نظریات کو دوسروں پر مسلط کر کے ناشکری اور شرک کا ارتکاب نہ کرتا۔ اس

سلسلے میں اہل حق اور اولیاء کرام کے دامن کو داغدار کرنے سے نہیں شرماتا، اور شرک کو شکر کا شربت سمجھ کر پی جاتا ہے۔

"تفريح الخاطر في مناقب سيدي عبدالقادر" کتاب کا عبرت کے لئے لکھا ہوا واقعہ پیش خدمت ہے۔

کہتے ہیں ایک عورت نے حضرت غوث پاک رحمہ اللہ کے پاس آکر درخواست کی کہ میری اولاد نہیں، ذرا مہربانی فرمائیے۔ حضرت نے شفقۃً اوپر آسمانوں کو خوب دیکھا، اور فرمایا: بی بی میں نے لوح محفوظ، ملاءِ اعلیٰ اور عالم ارواح کو دیکھا، تمہارے لئے کہیں بھی اولاد لکھی ہوئی نہیں پائی، بی بی نے کہا: اگر لکھی ہوئی ہوتی تو مل جاتی، اس لئے میں بہ مجبوری خدمت اقدس میں حاضر ہوئی ہوں، آپ کچھ کریں۔ حضرت کو اندازہ ہوا کہ یہ پکی مریدنی ہے۔ جلال میں آکر ربّ العزت سبحانہ سے کلام اور سفارش کی، وہاں سے جواب ملا کہ جب میں نے لکھی ہی نہیں تو کیسے دیدوں؟ مطالبہ ہوا کہ میری خاطر اب لکھو، اور دیدو، اسے میں محروم دیکھنا نہیں چاہتا۔ پھر وہی مطالبہ اور اسی طرح کا جواب۔ تین مرتبہ کے بعد حضرت نے کہا: بی بی اوپر والا راضی نہیں ہوا، جاؤ! میں اپنی طرف سے دے دیتا ہوں، چونکہ میرا دیا ہوا ہے، وہ میرا ہی بندہ ہوگا۔ اللہ پاک کا دیا ہوا نہیں، اس کا بندہ بھی نہیں۔ تمہارا لڑکا ہوگا، اس کا نام میرے نام پر رکھنا، استغفر اللہ۔

کہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، اور کہاں حضرت غوث اعظم۔ کسی کو یقین ہو یا نہ ہو یہ شرک امت میں پھیل چکا ہے، اور اس سے بھی بدتر واقعات عام ہو رہے ہیں۔ حضرات علماء کرام، وارثان انبیاء، خیر خواہان امت کی خدمت میں عرض ہے کہ ہر مسجد کو آباد کریں، اور ہر فجر کی نماز کے بعد صرف (۵-۱۰) منٹ کے لئے ترجمہ قرآن پاک کا اہتمام کریں، حکمت عملی سے مسلمانوں کا دین وایمان تازہ کریں۔ ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذاریات: ۵۵] (نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے) ان شاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا۔

استعانت قسم دوم کا بیان:

وہ افعال واعمال اور امور جو کسی سبب یا اسباب پر موقوف ہیں، اور حضرت باری تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، اور یہ وہ اعمال ہیں جن کی بجا آوری یا کرنے اور چھوڑنے پر بندوں کو مکمل اختیار حاصل ہے، اور یہ اپنے اپنے اسباب پر موقوف ہیں، اور ان کے یہ اسباب کچھ ایسے ہیں کہ جنہیں ربّ العزّت سبحانہ نے تکوینی طور پر یا شرعی طور پر مقرر فرمائے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہ مالک مختار، مسبب الاسباب ہے۔ سارے اسباب اسی کی مقرر کردہ ہیں، اسباب بذات خود مؤثر نہیں ہوتے، وہ ربّ تعالیٰ شانہ کے قبضہ قدرت میں ہیں، اگر وہ چاہے تو اسباب سے مسبب ومطلوب حاصل

ہوگا، اگر نہ چاہے تو اسباب غیر مؤثر ہو کر مطلوب ومقصود کو پیدا نہ کر سکیں گے۔ مثلاً دیکھیں! دواء ازالہ مرض کے لئے سبب ہے، بسا اوقات قیمتی دواؤں کی بھرمار ہوتی ہے، مگر مرض کا ازالہ نہیں ہوتا۔ شفاء اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، اور بسا اوقات بغیر دواء کے مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کئی لوگ شادیاں کرتے ہیں، اسباب موجود ہیں، مگر اولاد نہیں ہوتی، اور کئی لوگ رات دن ایک نہیں مختلف کاروبار اور تجارت کرتے ہیں، مگر زندگی بھر خوار رہتے ہیں، سرمایہ دار نہیں بنتے۔ اسی طرح دوسرے کئی قسم کے امور اسباب کی موجودگی کے باوجود ناکارہ اور بے مقصد رہتے ہیں۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ یہ سارے امور جو کہ انسانی اختیار کے ہیں، اور اسباب جدو جہد ومحنت پر موقوف ہیں، یہی جدو جہد ان کے لئے بمنزلۂ سبب ہے، اور ذات باری تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ ان چیزوں میں ہر قسم کی استعانت بالغیر جائز ہے، اور یہ شرک کے زمرہ میں نہیں آتا۔ مثلاً مکان بنانا، سڑک اور راستہ بنانا، باغ لگانا، مالداری کرنا، نہریں نکالنا، سواری، تجارت وزراعت، صنعت وحرفت، مزدوری، تعلیم وتعلّم، دکانداری، ہر قسم کا کاروبار، ہسپتال، دواء وعلاج، لباس، کتابت وطباعت، غرض دیگر امور زندگی، ان تمام امور میں انسانوں کو استعانت بالغیر کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ خوب سمجھنا چاہئے۔

خلاصہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'':

خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

اپنی عبادت کو کاملین کی عبادت میں شامل کر کے جمع کے صیغے استعمال کئے۔ یہ اس لئے کہ نمازِ جماعت کی ترغیب ہو جائے، اور بنیادی بات یہی ہے کہ قرآن کریم اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے۔ تو جواب میں یہی کہنا چاہیے کہ لبّیک، اور حاضر ہیں، ہم سب عبادت واستعانت اور ہدایت اِلیٰ صراط مستقیم کے لئے تیار ہیں، بسر وچشم، کیونکہ سورۃ الفاتحہ ﴿قُولُوْا﴾ کا جواب ہے۔

می پزیرند بدان را بہ طفیل نیکان
رشتہ واپس نکند ہر کہ گہر میگیرد
بدان را بہ نیکان بہ بخشد کریم (سعدی)

استعانت کو عموم پر رکھا، تا کہ تخصیص نہ ہو، کسی ایک چیز کی، کیونکہ حضرت حق سبحانہ کی استعانت ہر قلیل وکثیر، قول

وفعل کے لئے تریاق واکسیراور موجب خیر و برکت ہے، اور یہ استعانت ہر کام میں چار طرح کی ہوتی ہے:

(۱)"یامستعان" قدرت عطافرما، عقل وشعور، صحت وتندرستی عطافرما۔ (۲)"یامستعان" یہ کام سہل و آسان کر، رکاوٹ وموانع دور فرما۔ (۳)"یامستعان" ہمیں حسن کارکردگی عطافرما، نزدیکی عنایت فرما۔ (۴) انبیاء و اولیاء کی رہبری ورہنمائی اوران کے اعمال کی اتباع وقبولیت عطافرما، وغیرہ۔

غور فرمایئے! دنیا، مخلوق، نفس، شیطان یہ سب موانع ہیں۔ مصائب، آلام، غم، فکر یہ عوارض ہیں۔ ریا، شہرت، خودپسندی یہ قوادح ہیں۔ خوف، رجا، شوق، مشائدہ حق یہ بواعث ہیں۔ اوران سب سے بچنا سوائے تائید واعانت ربّ العٰلمین جل شانہ کے ممکن نہیں ہے، اس لئے ﴿وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ کہنا ضروری ہوا۔ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝﴾ [الجن] (آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے ربّ کو، اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو۔ آپ کہہ دیں: میرے اختیار میں نہیں تمہارا نفع ونقصان، اور نہ ہدایت پر لانا۔ آپ کہہ دیں! مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی، اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں سرک رہنے کی جگہ)۔

مطلب کتنا واضح ہے کہ میں اللہ پاک کا بے اختیار بندہ ہوں، کوئی خیر وشر میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا، اپنے نفع وضرر میرے قبضہ میں نہیں، اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے بچالے، اور کوئی جگہ نہیں جہاں چل کر پناہ حاصل کرسکوں۔

سبحان اللہ! سورۃ اعراف کی آیت نمبر (۱۸۸) اسی معنی میں گزرچکی۔ جن کے طفیل وسیلہ سے یہ جہان پیدا ہوا، وہ اپنے ربّ کا اتنا فرمان بردار ہے، اوراس پر برابر فخر کرتا ہے کہ میں نہ اپنے نفع نقصان کا مالک ہوں، نہ تمہارے نفع ونقصان میرے قبضہ میں ہے، اور نہ کسی کو راہ بتلاسکتا ہوں، بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے، میرا کام تو صرف تبلیغ وہدایت کا راستہ بتانا ہے۔ ہدایت کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ (اگر ہدایت دینا میرے اختیار میں ہوتا تو ابوطالب کو ہدایت دیدیتا)۔" عن ابن عباس رضي الله عنهما قال كنت خلف رسول الله ﷺ يوماً فقال ياغلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك وإذاسألت فاسئل الله وإذااستعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لواجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلابشيء قد كتبه الله لك ولواجتمعوا على أن يضروك

بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك رفعت الأقلام وجفت الصحف"۔ [ترمذی]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر سوار ہوا، تو مجھے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: اے بچے! یاد رکھ اللہ تعالیٰ کو تو وہ تجھے یاد رکھے گا، اور یاد رکھ اس کو پس پائے گا تو اس کو اپنے روبرو، اور کچھ مانگنا ہو تو مانگ اس سے مدد کرے گا، اگر سوال اور مدد مانگنا ہو تو صرف سوال کر اور مدد مانگ خاص اسی سے، اگر ساری امت تم کو نفع پہنچانا چاہے تو فائدہ نہیں پہنچا سکے گی تجھے مگر وہ کچھ جو اس نے تمہارے لئے لکھا ہے۔ اگر سب لوگ مل کر تم کو نقصان پہنچانا چاہیں تو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے تجھے مگر وہ جو اس نے لکھا ہے۔ جو قلم نے ازل میں لکھا وہی ہوگا، سیاہی خشک ہوگئی، فیصلہ ہوا، ابھی زیادتی کمی نہیں ہوسکتی۔

از خدا خواہ ہر چہ خواہی اے پسر
نیست در دست خلائق خیر و شر

خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے جادو اور سحر کیا تھا، چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف میں رہے، اور مسلسل دعاء کرتے رہے، تا کہ عقدہ حل ہو۔ مسئلہ اِفک میں کتنے پریشان رہے، لوگوں سے مشورہ فرماتے رہے۔ مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نصرت طلب کی، بڑا اختلاف پیدا ہوا، پس چھوڑ دیئے۔ بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں کتنی تکلیف اٹھائی، عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر اونٹ کی اوجھری رکھدی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں تھے، طائف کا سفر کتنا کٹھن اور تکلیف دہ گزرا، غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ سے روکا گیا، اور سہیل بن عمرو نے معاہدہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی بے احترامی کی، ہجرت کے موقعہ پر غار ثور اور پھر سفر میں کیا کیا زحمت اٹھائی، منافق عبداللہ بن ابی اور یہود مدینہ کے ہاتھوں سے کتنی تکلیف اٹھائی، غزوات میں مسلسل تکلیفوں کا سامنا کیا، شعب ابی طالب میں تین سال پورے خاندان کے ساتھ پریشان رہے، یہ چند ایک بطور نمونہ پریشانیوں کی مختصر نشاندہی ہے۔ کتب حدیث وسیرت میں سینکڑوں پریشانیوں کی تفصیل موجود ہے، بلکہ تمام عمر مبارک پریشانیوں میں گزری ہے۔ سکون وراحت، خوش وخرم زندگی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی طلبگار نہیں رہے۔ "أجد الملامة في هواك لذيذة"۔ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پورا خاندان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاربند اور راضی رہے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانیوں کو جنگل کے درختوں اور کوہ وجبال پر تقسیم کیا جائے تو خشک ہو جائیں، اور ریزہ

ریزہ ہوجائیں۔ اختیاری فقر وفاقہ کے ساتھ اتنے صابر وشاکر رہے جس پر فرشتوں نے بھی رشک کیا، اور ربّ العزّت نے فخر ومباہات کا اظہار فرمایا۔ ساری خدائی کی عبادت گزاری آپ ﷺ کی ریاضت کے سامنے ہیچ ہے۔ دنیا میں معصومیت کی ایک حد ہوتی ہے، مگر آپ ﷺ کی معصومیت کی کوئی حد واندازہ نہیں۔ آپ ﷺ کی ہر صفت وہر اداء بے مثال، بندگی پر اتنا ناز جس کی حد نہ ہو۔ جب دیکھو زبان حال وقال کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف ومنہمک نظر آئے۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کہاں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی مبارک زندگی، اور کہاں بدقسمت لوگوں کا نظریہ علم غیب، اور مختار کل۔ کوئی دور کی مناسبت بھی نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی شان عالی میں گستاخی اور افتراء ہے۔ "أعاذنا الله و جميع الأمة من ذالک"۔ أمين

خلاصہ:

عبادت کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعتقادی۔ (۲) عملی۔

کسی کو متصرف امور، حیات وموت دینے والا، رزق دینے والا، عالم غیب وشہادۃ اور نفع دینے والا، نقصان دینے والا، اور اسی طرح کی دوسری صفات والا مانے تو اس کو عبادت اعتقادی کہتے ہیں۔ اور اس اعتقاد سے ہر قول وفعل (جو موجب تعظیم) پیدا ہوا، اسے عبادت عملی کہتے ہیں۔ یہ دونوں عبادتیں ربّ العزّت عزّ شانہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

مشرکانہ وغیر مشرکانہ تعظیم میں فرق:

اگر غیر اللہ کے ساتھ اس طرح کا اعتقاد رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو صفتیں مخصوص ہیں ان میں سے کسی صفت کو کسی دوسرے کے لئے ثابت کریں، اس کو شرک فی الاعتقاد کہتے ہیں۔ اور ایسے اعتقاد سے جو قول وفعل مشعر تعظیم پیدا ہو، اس کو شرک فی الاعمال کہتے ہیں۔

اور جو تعظیم کہ اس اعتقاد کے بغیر ہو، وہ محض تعظیم ہے۔ جیسے ماں باپ کی تعظیم، پیر ومرشد اور استاد کی تعظیم، امیر، بادشاہ کی تعظیم، یہ شرک نہیں ہے۔ ہاں! کچھ تعظیمی افعال جو اگرچہ شرک نہیں ہیں، مگر شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں قطعاً منع ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانا، یا بغیر اعتقاد مذکور کے بتوں کی تعظیم، یا ذی روح چیز کی تصویر

بنانا، یا غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا، وغیرہ۔ اس تقریر سے مشرکانہ وغیر مشرکانہ تعظیم کا فرق واضح ہوگیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، غیر اللہ کیلئے ہرگز جائز نہیں۔

استعانت جائز وممنوع:

استعانت یا تو اس چیز کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس کے استقلال کا وہم مشرکین وموحدین میں سے کسی کے دماغ میں نہیں گزرتا، جیسے آب ودانہ سے بھوک اور پیاس میں استعانت، طبیب وادویہ سے دفع مرض میں استعانت، امراء و سلاطین سے وجہ معاش کے تعین میں، سایہ درخت سے راحت وآرام کی خاطر استعانت، استاد سے طلب علم کی استعانت، مرشد سے اصلاح کے سلسلے میں استعانت، مزدوروں سے کام کاروبار وغیرہ میں استعانت ومدد حاصل کرنا۔ کیونکہ حقیقت میں یہ استعانتیں نہیں ہیں، بلکہ معاوضات ہیں، کیونکہ استعانت بالامیر حقیقتاً معاوضۂ خدمت بمال ہے، اور معالجوں سے استعانت صرف زائد تجربے کی بناء پر طلب مشورہ ہے، اور مرشد واستاذ سے استعانت صرف فیض صحبت اور حصول علم وغیرہ کیلئے ہے۔ ان میں استقلال کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے ان میں استعانت بلاکراہت جائز ہے، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: ۲] نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو، گناہ اور برائی کے کاموں میں معاونت نہ کرو۔

یا پھر استعانت ایسی چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے جن کے استقلال کا وہم ادراک مشرکین میں جاگزیں ہے، جیسے استعانت بارواح یا استعانت بروحانیات فلکیہ، یا استعانت بروحانیات عنصریہ، یا استعانت بارواح سائرہ، جیسے بھونی، شیخ سدو، وغیرہ، اور دفع بلا ومصیبت میں، یا کارخیر میں غائبانہ بلاوے کے ساتھ ان سے استعانت یا ان کو حاضر وناظر جاننا، یہ سب باتیں عین شرک اور ملت اسلامیہ کی منافی ہیں۔

عبادت واستعانت کن وجوہ پر ہے؟

نیز معلوم ہونا چاہئے کہ عبادت واستعانت کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، مثلاً:

(۱) کسی کے کمال ذاتی کی وجہ سے عبادت واستعانت کی جائے۔

(۲) یا اس واسطے عبادت واستعانت کی جائے کہ اس کی ربوبیت محیط کل ہے، اور اعانت حق ربوبیت ہے۔

(۳) یا کسی سابقہ نعمت کی بناء پر عبادت واستعانت ہو۔

(۴) یا اس واسطے عبادت واستعانت ہو کہ تلف نعمت یا نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

ایسی قسمیں وصف عمومی کے لحاظ سے، اور ایجاد واقتدار کی حیثیت سے صرف ذات خداوندی جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہیں، بنابرین عبادت غیر اللہ ممنوع، حرام اور کفر ہے، کیونکہ یہ سب ربّ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور استعانت مختصہ بحق تعالیٰ شانہ یہ ہے کہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں، اور مسلمان صرف اسی سے استعانت کرتے ہیں، کیونکہ ہر طرح کی اعانت اسی ذات واجب تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

نکتہ:

اس بات کو کہ ہم ربّ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اسی سے استعانت کرتے ہیں، عربی زبان میں کئی طرح ادا کیا جاسکتا ہے، مثلاً:

(۱)﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَنَسْتَعِیْنُ﴾ (۲)﴿لَکَ نَعْبُدُ وَنَسْتَعِیْنُ﴾ (۳)﴿لَکَ نَعْبُدُ وَبِکَ نَسْتَعِیْنُ﴾
(۴)﴿لَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاکَ وَلَا نَسْتَعِیْنُ اِلَّا اِیَّاکَ﴾۔

پہلی عبارت میں یہ نقصان تھا کہ مکرر نہ آنے کی وجہ سے اس جملہ کو علیحدہ جملہ شمار کر کے مطلب یوں سمجھا تا کہ حصر صرف عبادت میں شمار کیا جاتا، استعانت میں شمار نہ کیا جاتا۔

دوسری عبارت میں نقص یہ تھا کہ لام نفع کا بھی شمار ہوسکتا ہے، حالانکہ عبادت اور اعانت میں خداوند جل شانہ کا قطعاً کوئی نفع وابستہ نہیں۔

تیسری عبارت میں یہ نقص تھا کہ ﴿بِکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ سے وہم ہوسکتا تھا کہ خداوند تعالیٰ خود محبوب ومقصود نہیں، بلکہ صرف بندہ اور محبوب میں آلہ ہے۔

چوتھی عبارت میں اگرچہ اور کوئی نقص نہیں، مگر یہ منفی عبادت ہے، مثبت نہیں، اور موجودہ عبارت اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مقام مناجات میں منفیات کی طرف التفات کم ہونا چاہئے۔

مسئلہ شفاعت:

مسئلہ شفاعت کی ایک شکل وصورت یہ ہے کہ غمزدہ انسان اپنے اندر اس صلاحیت اور عملی کیفیت کو پیدا کرے کہ انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء اور خاصان حق بھی اس کے لئے دعاء شفاعت کریں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح

وہ خود دوسروں کی خوش آمد اور منتوں سے خوش ہوتے ہیں، بزرگوں کا بھی یہی حال ہے، حالانکہ جن کی سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے اسی طرح بندے بن جائیں جیسے ہم ہیں۔کیا وہ ایسے شخص سے خوش ہو سکتے ہیں جو بجائے خدا تعالیٰ کی بندگی کے خود ان کی پرستش کرنے لگے؟ یہی وجہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو فرمایا: جس نے دل سے ''لا إله إلا الله'' کہا۔یعنی کم از کم عقیدۂ توحید سے وہ آپ کو خوش رکھے، تو آئندہ عملی کمزوریوں کے متعلق دعا اور شفاعت سے کچھ کام چل سکتا ہے۔لیکن کیا کیجیے کہ احمقوں کا گروہ جو بزرگوں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اپنے اوپر قیاس کر کے قریب قریب ان سے وہ تعلق رکھنا چاہتا ہے، جو بندے اور اللہ تعالیٰ میں ہونا چاہئے۔اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اس طریقہ کار سے بزرگوں کی خوشنودی حاصل ہوگی، حالانکہ اگر بصیرت کی آنکھ ان کے اندر ہوتی تو وہ دیکھ سکتے تھے کہ اپنے جن اعمال و افعال سے وہ بزرگوں کی دعاؤں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، دراصل وہ ان کے لئے وبال بن رہے ہیں۔بجائے رحمت کے اپنے ان ہی اعمال بد کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کی لعنتوں کا اپنے کو سزاوار بنا رہے ہیں، اور قیامت کے دن انہی بزرگوں کے عتاب میں آئیں گے، اور یہ اولیاء کرام ان کے شرک و گمراہیوں پر ان کے خلاف گواہ بن جائیں گے، اور ان سے اپنی برأت کا اعلان کریں گے۔تو یہ ناداں نہ ادھر کے رہیں گے نہ اُدھر کے، معاذ اللہ۔

رحمت کاملہ الٰہیہ کے اقتضاءات:

واضح ہو کہ ذات باری تعالیٰ کے اقتضاءات بڑے اہم ہیں۔جس پر انتقام سے زیادہ عفو و کرم، غضب سے زیادہ رحم اور جلال سے زیادہ جمال کا غلبہ ہے، جو پہلے رحمن پھر رحیم ہے، تب تیسری دفعہ بدلہ کے دن کے مالک ہونے کا وہ اعلان کرتا ہے، جس کے کھلانے کے دن بھوکے، مارنے کے دنوں سے جس کے خطا کار بندوں کی راحت کے دن مصیبتوں کے دنوں سے، جس کے امیر ہی نہیں، بلکہ غریب بندوں کی خوشی کے اوقات بھی غم کی گھڑیوں سے زیادہ ہیں، جس کی رحمت ہر چیز میں باقی ہے، سرچشمہ کائنات کی یہی وہ خصوصیت ہے جس نے بدی کی سزا صرف ایک بدی رکھی ہے، اور نیکیوں کے معاوضے کو دس گنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ کر دیا ہے۔جو بھی ایک کھجور صدقہ کرنے پر پہاڑ جتنا ثواب دیتا ہے، اور ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر تمام گناہ معاف کرتا ہے، ایک درخت کی شاخ گزرنے والوں کی سہولت کی خاطر دور کرنے پر پوری زندگی کی لغزشوں سے درگزر کرتا ہے، اور ایک میت کی قبر پر مٹھی بھر مٹی ڈالنے والے کی مغفرت

کرسکتا ہے۔[مرقات شرح مشکوٰۃ]

صرف یہی نہیں، بلکہ خالق کائنات کی اسی خصوصیت کے دو نتائج اور بھی ہیں، جن کی مذہب نے تفصیل بیان کردی ہے، اور یہی مطلب ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ﴾[نساء:۴۸] (اللہ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے) کا۔ لیکن عبدیت کے کلی دستور پر جس کا ایمان ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا اِلٰہ دل سے بغیر تذبذب اور شک کے مان چکا ہے، لیکن باوجود اس کے اس دستور کی جزئی دفعات سے اس کی زندگی کا کوئی عملی رخ کبھی متصادم ہوجاتا ہے، تو چونکہ کلی بغاوت کے نہ مٹنے والے داغ سے اس کا دامن پاک ہے، اس لئے مذکورہ بالا آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا چاہے تو قانون مجازات سے اس مجرم کے جرم کو مستثنیٰ قرار دیدے۔ بہرحال وہ باغی نہیں مجرم ہی ہے، بغاوت کا نہیں، صرف خطاوقصور کا مرتکب ہے۔ ﴿یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾[نساء:۴۸] (اور معاف فرماتا ہے جو شرک سے کم ہو، جس کیلئے چاہے)۔

بہرحال! جب شرک کی یہ نہ ٹلنے والی سزا ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کے ملک اور حکومت میں اس کے بندوں پر کسی دوسرے کی حکومت واطاعت وبندگی وعبادت کو جائز ٹھہرانے والوں کے باغی ہونے کی وجہ سے یہ ان کی قدرتی سزا ہے، تو جو اپنے کو سرے سے خدا تعالیٰ کے لئے نہیں سمجھتا، اس کی مرضی کی پابندی کو اپنا فرض خیال نہیں کرتا، یعنی سرے سے حق تعالیٰ کو اپنا اِلٰہ تسلیم ہی نہیں کرتا، یا العیاذ باللہ خدا تعالیٰ کے وجود ہی کا وہ منکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے سخت باغیوں کے سامنے خدا تعالیٰ کا مجازاتی قانون جتنا بھی ہولناک اور مہیب شکلوں میں نمایاں ہو، اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ نجات کی راہیں جب شرک ہی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہوجاتی ہیں، تو بغاوت کی ان شدید تر قسموں کی جو سزا بھی ہو کم ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود بنانا، یعنی اس کی مرضیات کی اطاعت اور اس کی عبدیت وبندگی کو اپنے وجود کا نصب العین قرار دینا، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قدرتاً اس پر موقوف ہے کہ صحیح راہ سے واقعی خداوند تعالیٰ کی مرضی کا علم صحیح حاصل کیا جائے، ورنہ صرف زبان سے اس کا اقرار کرنا کہ میں اللہ تعالیٰ ہی کو اِلٰہ مانتا ہوں، یہ فقط زبان کا ایک لفظی اور ہوائی اقرار ہے۔ ایسا زبانی جمع خرچ تو ہندوؤں، سکھوں، بدھ مت کے پیروکاروں میں بھی ہے، اور آج کل یہود بھی یہی کہتے ہیں: "عزیرن ابن اللہ" کے منکر اور اس عقیدے سے منحرف ہیں۔ تو توحید صرف زبان سے ایک ماننے

کا نام نہیں ہے، جب عمل اس کے مطابق نہ ہو، اور عبادت بدنی و مالی لغیر اللہ ہو۔ جب سارا عمل موجودہ بریلویوں کی طرح مشرکانہ ہو، اور استعانت غیر اللہ سے مسلسل جاری ہو، تو کیا توحید قائم رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کو خدا کا درجہ دے کر ایک لاکھ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہو، تو سراسر دھوکہ اور غیر مفید ہوگا۔ یہ کیسا ایمان ہوگا جس کا تانا بانا سارا شرک ہے؟ اور اقرار توحید کا ہے۔۔

اللہ کے پلہ میں وحدت کے سوا کیا ہے؟
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے
(معاذ اللہ)

آپ نے دیکھا شاید امرتسر کا سورن سنگھ اور درجو کا ہندو بھی ایسا کہنے کی اپنے بتوں سے جرأت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے صرف زبانی وحدت کا اثبات، باقی ساری خدائی حضرت نبی کریم ﷺ کے پلے میں۔ اس پر بس نہیں آگے کہتا ہے۔۔

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں
خدا خود رسول خدا بن کے آیا
وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
(نقل کفر کفر نہ باشد)

آپ حلولی اور تناسخی ہندوؤں سے گلہ مند ہیں، یا اسرائیلی اور کریم آغا خانیوں سے شکایت کرتے ہیں۔ لو جناب اعلیٰ حضرت کی قبوری امت تو ان سب سے چند قدم آگے نکلی۔ العیاذ باللہ جب خدا اور سول ایک ہوئے تو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کا ترجمہ ان کیلئے بڑا آسان ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ وہ (یعنی میں نبی) اور اللہ ایک ہیں، ہمارے اندر اتحاد وحدۃ الوجود ہے، اوپر نام اللہ رہے گا نیچے محمد بنے گا۔ اور یہ معلوم ہے کہ قادیانی مرزائی امت کا کلمہ بھی یہی ہے: "لا إله إلا الله محمد رسول الله"۔ رافضیوں کی طرح انہوں نے اپنا الگ کلمہ نہیں بنایا ہے، اور مرزائی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کلمے میں محمد رسول اللہ سے مراد صرف حضور ﷺ نہیں، بلکہ مرزا بھی ہے، کیونکہ وہ دونوں ایک ہی ہیں، ان میں اتحاد قائم

ہے۔پس کیا فرق ہوا؟ ایک کے کلمے میں اتحاد مع اللہ کا اثبات ہوا، اور دوسرے کے کلمے میں اتحاد مع مرزا کا اثبات ہو رہا ہے۔ اور جب قادیانیوں سے مطالبہ ہوتا ہے کہ اپنا دین ہمارے دین سے الگ کرو، اور ہمارے کلمہ کو استعمال نہ کرو، اپنا الگ کلمہ بناؤ، تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام ہے، اور اسلام کا یہی کلمہ ہمارا کلمہ ہے، صرف کلمہ کے دوسرے جزء میں اشتراک ہے۔ "لاحول ولا قوۃ إلا باللہ"۔ یہ کتنا غلط فیصلہ ہے۔ ادھر یہ اتحاد کا عالم ہے، لیکن یہی ہستی جب اوپر سفر معراج پر رواں ہے، چوتھے آسمان پر بقول ان کے گھوڑا (براق) پھسل جاتا ہے، خواجۂ عالم ﷺ جس طرح ایک دفعہ گھوڑے سے گرے ہیں، مدینہ منورہ میں، وہاں بھی ایسا معاملہ پیش آیا، آپ ﷺ پریشان گرتے گرتے فوراً خیال آیا کہ حضرت غوث جیلانی رحمہ اللہ سے استمداد کروں، پس بلایا تو حضرت نے فوراً کندھا دے کر بچا لیا۔

شب معراج نبی گفت بیا اے ولدی ☆ قدم دوش توای حضرت غوث الثقلین

﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [أنعام:۹۱] (انہوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں کی)۔ اللہ ربّ العزت کی تمام صفات مخصوصہ کو پیغمبر تو کجا، ایک ایک فقیر و ملنگ اور قبروں پر تقسیم کیے۔ محض حطام دنیا، مال ومتاع کی خاطر۔ ایک طرف سید کائنات ﷺ خدا تعالیٰ کے برابر ہیں، دوسری طرف حضرت غوث کے داعی ومحتاج ہیں۔ مشرکین مکہ نے اگر شرک کیا تو ایک جواز ان کے پاس تھا کہ صدیوں سے آسمانی شریعت کا نام نہیں سنا تھا، ان کے پاس کیا جواز ہے؟ چودہ سو سال سے آسمان کے چاروں افق پر قرآن وحدیث کا ستارہ چمک رہا ہے، ظلمتوں کا نام ونشان نہیں رہا، مصنوعی وفرضی قبر بنا کر کاروباری تجارت اور مال جمع کرتے ہیں، عوام الناس کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔ جب کعبۃ اللہ جاتے ہیں تو ائمۂ حرم کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے، لاکھوں نمازوں کے ثواب سے لوگوں کو محروم رکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ربّ العزت سبحانہ نے اپنے بندوں سے جس توحید کا مطالبہ کیا ہے، اور انسانی وجود کی آفرینش کی جس کو بنیاد وغایت قرار دیا ہے، کیا وہ صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو زبان سے ایک مانا جائے؟ کیا عجیب بے بنیاد فیصلہ ہے! اس لحاظ سے وجوداً اور شخصاً ایک ہونے میں خدا تعالیٰ کی کیا خصوصیت ہے۔ اس اعتبار سے تو ہر انفرادی شخصیت خواہ آدمی ہو یا کوئی ستارہ، درخت ہو یا کوئی پتھر، ایک ہی اشتراک وحدت ہے۔ کیا ہم یا آپ زید یا عمرو دو دو ہوتے ہیں؟ اگر توحید کا مطلب صرف یہ ہے کہ عالم کے پیدا کرنے والے اور ترتیب کے ساتھ اس کے نظم کو قائم رکھنے والے کو ایک مانا جائے، اور یہی بات اللہ تعالیٰ کی مطلوبہ توحید ٹھہرا ہے، تو پھر قرآن پاک کی ان آیات کا کیا مطلب ہے جن میں بار

بار، مسلسل اور مختلف طریقوں سے یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ اس طرح کی توحید کے ماننے والے بکثرت ان لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی اپنا اِلٰہ بنائے ہوئے ہیں، اور وہ مشرک ہیں، اور ان کی یہ توحید شرک کے خمیازوں سے نجات دینے کے لئے ناکافی ہے۔ سچ اور حق تو یہ ہے کہ بجز چند استثنائی شکلوں کے توحید کے اس قسم کے اقرار سے شاید ہی کسی آدمی کا سینہ خالی ہوگا۔

تحقیق نے تو ثابت کیا ہے کہ ویران صحراؤں، جزیروں کے (جنگلی صحرائی لوگوں) میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے، اور یہ بات واضح اور مسلم ہے کہ توحید ایک اِلٰہ کے صرف اقرار کا نام نہیں۔ جب تک اطاعت وعبادت اللہ تعالیٰ کی تعلیم ومرضی کے مطابق نہ ہو، اور ہر قسم کی عبادت واطاعت خواہ لسانی ہو، بدنی اور مالی ہو، ان سب میں شرک واشتراک کا بالکلیہ نفی نہ ہو، اور پھر ان تمام طاعات میں اخلاص لوجہ اللہ حتی کہ سمعہ وریاء بھی نہ ہو، اور یہ عجیب خودساختہ توحید ہے جس میں وحدانیت الٰہی جل شانہ کے ساتھ غیروں کے سامنے جھکاؤ ہو؟ اور نذر لغیر اللہ جیسے مردار وناپاک اعمال کا اختلاط ہو؟

اللّٰھم إني أعوذ بک من أن أشرک بک شئیا وأنا أعلم به واستغفرک لما لا أعلم به۔ آمین

❁ ❁ ❁

﴿اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝۵﴾

چلا ہم کو (ثابت قدم رکھ) صراطِ مستقیم پر

یہ کلمہ صراط مستقیم قرآن حکیم میں (۴۵) مقامات پر مذکور ہے۔ ہدایت کے کئی مراتب ہیں۔ ہدایت کا مطلب مطلوب کی طرف راہ دکھانا، منزل مقصود تک پہنچانا، منزل مقصود پر ثابت قدم رکھنا، وغیرہ۔ پہلے کی طرح یہاں بھی صیغۂ جمع کو استعمال کیا گیا، تاکہ سب مؤمنوں کو شامل ہو، اور سب کیلئے دعاء ہو۔ ہدایت فطری ہو، جیسے بچے کو والدہ کا پستان چوسنے کا القاء کیا جاتا ہے، یا بچہ اپنی شکایت کا رو کر اظہار کرتا ہے۔ یا ظاہری وباطنی حواس کے ساتھ یا عقل کی رہنمائی کے ساتھ، یا دلائل عقلیہ کے ساتھ، یا رسولوں کے بھیجنے کے ساتھ، یہ کُل پانچ مراتب ہوئے:

پہلی ہدایت الہامی ہے۔ دوم ہدایت حواس ہے۔ تاکہ خیر وشر کو معلوم کرے۔ پھر جہاں ظاہری وباطنی حواس کی رسائی نہ ہو تو سوئم عقل عطا کی گئی۔ اور یہ عقل حواس سے جانی ہوئی چیزوں سے قاعدہ کلیہ اخذ کرے۔ اگر عقل کو پتہ نہ چلے

توحواس وعقل دونوں کی مدد سے دریافت کرنے کیلئے دلائل نظریہ عطافرمائے گئے، یہ مرتبہ چہارم ہے۔اور جو چیز عقل اور دلائل نظریہ سے بھی مدرک نہ ہو، اور دونوں کی رسائی سے بالاتر ہو، یا وہم وخیال عقل کے ساتھ معارض ہوتو ہدایت کی خاطر انبیاء ورسل علیہم السلام اور انزال کتب کا سلسلہ جاری فرمایا، یہ مرتبہ خامس ہے۔اور ہدایت کے یہ سارے مراتب حضرت حق سبحانہ کی نظر رحمت پر موقوف ہیں۔

ہدایت کی ضد ضلالت وگمراہی ہے۔ یہ دونوں صفات ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس کی مرضی و حکم پر کسی کو ہدایت ملتی ہے، اور کسی کو ضلالت کے وادی میں پھینکا جاتا ہے۔ ابوطالب کے ایمان وہدایت پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت محنت فرمائی، ارشاد ہوا: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ [القصص:۵۶] (آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، مگر اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے)۔ یہ ہدایت وایمان اگر وہ چاہے تو ایک ادنیٰ جاہل، نہایت فقیر ومحتاج شخص کو نصیب کرے، اگر نہ چاہے تو بڑی نامی گرامی شخصیتوں کو محروم رکھے۔

کوئی تعجب نہیں، نہایت بے سروسامان غریبوں کو نوازا گیا، اور امریکہ، برطانیہ، چین جیسے ملکوں کے سربراہوں کو محروم رکھا گیا۔فرعون محروم رہا، آسیہ خاتون کو نوازا گیا۔اس کی شہنشاہیت کی یہی پہچان ہے کہ وہ بے نیاز وخودمختار ہے۔ مگر سبحان اللہ! بے حد مہربان اور بے انتہا قدردان ہے، کریم اتنا ہے کہ دشمن نوازی اس کی ضرب المثل ہے، جو اس کی طرف رجوع کرے نوازا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ زمین میں مسخ اور غرق ہوتے وقت قارون بدبخت نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور توبہ وزاری، منت وسماجت جناب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایسی پیش کی جس کا اندازہ نہ ہو، مگر جلال موسوی میں جمال کا ظہور نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو معاف نہیں فرمایا، اور قارون غرق ہوا۔ پھر بھی حضرت رب العزت عزّ مجدہٗ نے جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ زاری ومنت اگر میرے حضور دربار میں پیش کرتا تو میں اسے چھوڑ دیتا، اور معاف کردیتا، کیونکہ میں زاری منت کرنے والوں کو درگزر کرتا ہوں، اور توبہ واستغفار سے بڑا راضی وخوش ہوتا ہوں۔ اسی رحمت وشفقت کی بنیاد پر انبیاء ورسل علیہم السلام کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ انبیاء علیہم السلام کی آمد اور انزال کتب سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی مقدس تعلیمات کا پاس رکھا، انہیں قبول کیا،

اور کتنے بد بخت و بے بہرہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے انحراف کیا؟ دارا و افریدون، نوشیروان و ہرقل سے ہزار درجہ اولیٰ و بہتر ہیں وہ فقیر و محتاج لوگ جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی غلامی نصیب ہوئی، جنہوں نے اسلام اور اسلامی پابندیوں میں خود کو جکڑ کر تمام آزادیوں کو خیر باد کہہ کر چھوڑ دیا، جس کی پاداش میں وہ لوہے اور پتھر اور مشت خاک کی حقیقت سے نکل کر ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی بن گئے۔ اللہ ربّ العزّت اور انبیاء علیہم السلام کی غلامی نے انہیں وہ سعادت و سیادت بخشی، جس سے نام نہاد آزاد و گمراہ قوموں کے بادشاہ محروم رہ گئے۔ کیا یہ غلام بروز قیامت اعلیٰ مراتب پر فائز نہیں ہوں گے؟ اور بڑے خاندان آزاد قوموں کے بادشاہوں پر بازی نہیں لے جائیں گے؟

ہے غلامی اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیسان ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک ازفر چیز ہے کیا ایک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند

شہپر زاغ و زغن زیبائے قید و بند نیست ☆ این سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

(اقبال)

پس شریعت و انبیاء کرام علیہم السلام کے دام و قفس میں جو لوگ بندھے ہوئے ہوتے ہیں وہ شاہین و شہباز اور مشک ازفر کا درجہ پاتے ہیں، اور جو اس قفس سے آزاد رہتے ہیں ان کی حیثیت زاغ و زغن کی ہے۔ وہ غلام کتنا خوش قسمت ہوگا کہ جس کی گردن میں ربّ العٰلمین عزّ شانہ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا طوق ہوگا؟ اور وہ بڑے سے بڑے بادشاہ کتنے بد نصیب ہوں گے جن کی گردنوں میں یہ ہمت افزاء طوق سعادت نہیں ہوگا؟

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ☆ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

حکایت:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے دفتری کام میں مصروف ہیں، ملاقات کیلئے آنے والے لوگ باہر انتظار کر رہے

ہیں، جب کام سے فارغ ہوئے، خادم سے پوچھا کہ باہر کون لوگ ہیں؟ خادم نے عرض کیا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو سرداران قریش اجازت کے منتظر ہیں، اور صہیب رومی و حضرت خباب بن ارت یہ دونوں غلامانِ سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم بھی اجازت کے منتظر ہیں۔ جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے صہیب و خباب کو اجازت دو، اوران دونوں سرداران سے کہو کہ آپ اپنی باری کا انتظار کریں۔ یہ دونوں آگئے، اور وہ انتظار میں کھڑے رہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یہ ناگوار گزرا کہ بڑے لوگوں سے پہلے غلاموں کو شرف ملاقات بخشا گیا، ہم پیچھے رہ گئے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بہت ذہین وعقلمند دوراندیش صحابی تھے، انہوں نے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ابتدائی زندگی اسلام کی بدخواہی اور مخالفت میں گزاری تھی، فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر معاہدہ کی تحریر لکھتے وقت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ "رسول الله" لکھے ہوئے الفاظ کو مٹا دینے کا کہا تھا کہ جب ہم آپ کو رسول اللہ نہیں تسلیم کرتے تو آپ نے یہ الفاظ کیوں لکھے؟ محمد بن عبد اللہ لکھو، اور "رسول اللہ" مٹا دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند سمجھایا، مگر سہیل اس وقت کافر اور شدید مخالف تھے، انہوں نے نہیں مانا، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کاتبین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم یہ الفاظ کاٹ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں اس کے لئے تیار تھے، کہنے لگے: خدا کی قسم میں ہرگز اسے نہیں کاٹتا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ الفاظ مجھے دکھاؤ، دکھانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے کاٹ دیئے۔

اس موقعہ پر حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ناراض نہ ہونا، ان غلاموں کا رتبہ مجھ سے اور تجھ سے بہت بلند ہے، امیر المؤمنین قدر شناس ہیں، ان غلاموں کو ہمارے اوپر سبقت حاصل ہے۔ ہم نے بڑی دیر کی، انہوں نے سبقت کی، اور بازی لے گئے، ہم پیچھے رہ گئے، یہ لوگ اگرچہ نسلاً غلام تھے، مگر انہیں سیادت اور سبقت حاصل ہے، قصور ہمارا ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو جب بھی آواز دیتے، یا کبھی خطاب کرتے تو یاسیدنا بلال! کہتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر کروڑوں بادشاہتیں قربان ہوں۔

دنیا کے تین براعظموں کے حکمران (آدھا چین، آدھا روس، پورے مشرق وسطیٰ بہ شمول عراق، (۶۲) افریقی ممالک) خلافت عثمانیہ ترکیہ کے بادشاہ سلطان عبد الحمید خان نے موت سے پہلے وصیت کی کہ مرنے کے بعد بذریعۂ ٹرین میری میت کو استنبول سے دمشق لے جانا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں دفن کرنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، سلطان کی قبر

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ رضي الله عنهما۔

اگر ہو عشق تو ہے کافری مسلمانی

نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق

علامہ اقبالؒ نے برائے حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ شعر کہا کہ جنہوں نے الفاظ ''رسول اللہ'' مٹانے سے عشق ومحبت کو ملحوظ رکھ کر ادبا حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔

ہدایت کی ضد ضلالت ہے۔ ہدایت ایک نور الٰہی اور بیش بہا نعمت ہے، اور تمام مخلوقات پر حاوی و مشتمل ہے۔ ہدایت کے کئی مراتب ہیں: فطری ہدایت، جو کہ تمام مخلوقات اور جانوروں کیلئے بھی ہے، جس سے وہ اپنے منافع وفوائد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ انسانوں کے لئے ہدایت کا پہلا درجہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ وہ اپنے لئے ہر قسم کے نفع ونقصان کا تعین کرتے ہیں، یہ فطری ہدایت کہلاتی ہے، جو کہ مؤمن وغیر مؤمن سب کیلئے یکساں ہے۔ اس کے بعد کا درجہ ہدایت ایمانی ہے، جو کہ مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے، کافروں کو حاصل نہیں۔ پھر وہ خاص درجہ ہدایت کا شروع ہوتا ہے جس سے ہر مؤمن حقوق اللہ وحقوق العباد کی مکمل ادائیگی کیلئے کمربستہ ہو کر ہر وقت مقدور بھر کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد کا درجہ خواص کا حصہ ہے، اور وہ بہت اعلیٰ درجہ ہے۔

فائدہ:

ہدایت خود بخود نہیں آتی، اس کیلئے طلب شرط ہے۔ ابو طالب جیسے لوگ ہدایت کے فوائد وبرکات کی تحصیل نہ کر سکے، اس کی وجہ طلب کا فقدان ہے۔ ہزاروں لوگ اسی وجہ سے ہدایت کے اعلیٰ درجات کو حاصل نہیں کر سکتے، اور برائے نام مسلمان کہلاتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ جو نمازوں میں امام اور منفرد کے لئے مکرر ہے، جس میں بار بار ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کا تکرار ہوتا ہے، اور جو شخص نماز ہی نہیں پڑھتا اسے ہدایت کیسے حاصل ہوگی؟ اور جو وضوء سے محروم ہیں وہ روز قیامت ''غراً محجلين من آثار الوضوء'' کی فضیلت کیسے پائیں گے؟ ان کے چہروں پر وہ نور اور روشنی نہیں ہوگی جو وضوء کرنے والوں کو حاصل ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ مسجد قیامت میں سفینہ اور کشتی بن کر نمازیوں کو پار لگا کر ان کی شفاعت کرے گی، لیکن جو نماز ہی نہیں پڑھتے یا کہ مسجد میں نہیں آتے وہ اس فضیلت سے محروم رہیں گے۔ اسی طرح قرآن حکیم کی شفاعت اور ماہ رمضان اور دیگر اعمال کی شفاعت ناممکن ہوگی۔ اسی معنی کا لحاظ کرتے

ہوئے کہا جاتا ہے کہ سارے مسلمان روز قیامت ایک جیسے نہیں ہوں گے، متقین کے ساتھ فجار، اور علماء کے ساتھ جہال، عاملین کے ساتھ بے عمل، نمازیوں کے ساتھ، بے نماز کیسے اور کس طرح برابر ہوں گے؟ ہرگز نہیں ہوسکتے۔ یہی قرآن وسنت کا حتمی اور پختہ فیصلہ ہے۔

ہدایۃ اللہ ربّ العزّت سبحانہ کے اسم "الهادي" سے مشتق ہے، جبکہ اس کی ضد ضلالۃ شیطان کے نام مضل سے مشتق ہے۔ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرے، اور ضلالت وگمراہی سے اس کی پناہ مانگے۔ اگر کوئی ہدایت مانگنے کی پابندی کرے گا، اور ہر نماز کے بعد اسم مبارک "الهادي" کا ورد وظیفہ جاری رکھے گا، تو اسے تمام امور میں ہدایت اور اصلاح نصیب ہو کر اس کی زندگی کے سارے کام انجام پائیں گے۔ سورۃ الفاتحہ شریف امام اور منفرد کے لئے ہر نماز میں ہر رکعت میں پڑھ کر آخر میں ''آمین'' پڑھنے سے سعادت دارین اور نجات ممکن ہوجائے گی، اور دنیا میں مہلک بیماریوں سے نجات کا سامان آسان ہوجائے گا، نیت وارادہ شرط ہے۔

انزال کتاب کی دو قسمیں:

انزال کتاب دو قسم پر ہے: عام اور خاص۔

☆ عام یہ ہے کہ خیر وشر کی راہ کو واضح کیا، پھر یہ بھی دو قسم پر ہے: تبیانی اور توفیقی۔

(۱)......تبیانی یہ ہے کہ جو کچھ رسول لائے ان کی اس حد تک تشریح ہو کہ اس کے فہم ومراد میں کچھ شک وشبہ نہ رہے۔ اس کو عرف فقہاء میں ''ابتلاء'' کہتے ہیں۔

(۲)......اور توفیقی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے کسی شخص کے حق میں ہدایت کے اسباب فراہم ہوجائیں، اور اس پر تمسک کی راہ آسان ہوجائے، تاکہ وہ سعادت ابدیہ اور برگزیدگی کے مقام پر پہنچ جائے۔ توفیق کی انتہاء دنیا میں دریافت حق، اور آخرت میں بہشت ہے۔

☆ انزال خاص یہ ہے کہ عالم نبوت یا عالم ولایت کا نور کسی شخص کی قوت مدرکہ پر چمکے، اور اسے حقائق اشیاء کا پورا پورا علم حاصل ہوجائے۔ پھر اس کے تین درجے ہیں۔

ہدایت کے تین درجے:

اول ہدایت من اللہ، جیسے قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ [البقرة:۱۲۰]

(کہہ دیں کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے)۔

دوم ہدایت اِلیٰ اللہ، کقولہ تعالیٰ: ﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾[الصافات:۹۹] (اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے ربّ کے پاس جارہا ہوں، وہی میری رہنمائی فرمائے گا)۔

سوئم ہدایت باللہ، جیسے حدیث شریف میں ہے "لو لا اللہ ما اھتدینا"۔ [بخاری]

ایک بات اور بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ہدایت کے معنی صرف راستے کا نشان بتلادینا ہو تو اسے متعدی بہ "اِلیٰ" لایا جاتا ہے، اور اگر اس کے معنی وصول راہ ہو تو اسے متعدی "بلام" لایا جاتا ہے، اور اگر غیر سے منقطع کر کے مقصد تک پہنچانا مقصود ہو تو اسے بغیر کسی حرف کے متعدی کرتے ہیں، لہٰذا ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ میں بندے کو انتہائی عاجزی کے اظہار کا حکم ہے کہ راستے کے نشان دینے یا راستے پر پہنچانے کی طلب پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت دلیل راہ اور رفیق مسافت نہ ہو مقصود حاصل نہ ہوگا۔

صراط مستقیم:

اس سے مراد دینِ الٰہی ہے، جس کی تشریح آنے والی ہے، یعنی: ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ اور یہی دینِ الٰہی اور ملتِ ابراہیمی ہے، جو دین اسلام ہے، جو کہ افراط وتفریط کے درمیان ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾[البقرة:۱۴۳] (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے) کا مصداق ہے، جو کہ ہر قسم کے عیوب ونقصانات اور تحریفات سے پاک ہے۔ توحید ورسالت اور ایمان بالآخرۃ اس کی حقیقت ہے۔ یہ راستہ مختصر بھی ہے، اور سیدھا وکشادہ بھی، پسندیدہ بھی، تمام راستوں سے اعلیٰ بھی منزل مقصود تک پہنچانے کا ضامن بھی، اور اس پر چلنے والے کو قرب ورضائے الٰہی کا حصول یقینی بھی ہے۔ ھکذا قالہ العلامۃ ابن القیم الجوزیۃ رحمہ اللہ۔

"صراط مستقیم" کی تشریح:

سلوک کی راہ میں صراط مستقیم اعتدال کا راستہ ہے، جو افراط وتفریط کے درمیان ہوتا ہے۔ افراط وتفریط دونوں بُرے، اور غیر پسندیدہ ہیں، اور اعتدال بہتر وپسندیدہ ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

انسان میں تین قوتیں ہیں، اور انہیں تینوں قوتوں کے اعتدال کا نام صراط مستقیم ہے:

اول قوت عقلیہ، اس کا کام حقائق کو دریافت کرنا ہے۔ اس کے تحت پانچ قسم کے حقائق معروف ہیں: اول

ذات و صفات حق سبحانہ وتعالیٰ۔دوم دنیااور آخرت میں اس کے آثار وافعال۔سوئم ارواح،ملائکہ،انبیاء،اولیاء، وغیرہ۔چہارم قبر،جنت،دوزخ،حساب،میزان وغیرہ۔پنجم اجسام وأعراض وغیرہ۔

علم الٰہی میں افراط وتفریط (اول،دوم):

(الف،ب) ذات وصفات باری تعالیٰ، یااس کے جوافعال وآثار دنیاوآخرت میں ہیں اس کا نام علم الٰہی ہے۔اس میں افراط وتفریط یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں تفکر شروع کرے،اوراسرارکودریافت کرنے کے درپے ہو،یااللہ تعالیٰ کی صفات کی مطلقاً نفی کرے(تنزیہہ کی خاطر)،یاان صفات کاایسے طریقے پراثبات کرے کہ خالق کومخلوق کاہم رنگ بنادے، یاان صفات کاجوشریعت میں ثابت ہیں تاویل باطل سے انکار کرے، جیسے سمع،بصر،رؤیت،غضب،اورکلام وغیرہ کاانکارکرے،یااللہ تعالیٰ کے افعال کومعلق باغراض خیال کرے،یااپنی عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے کئی چیزیں اَصلح واَلطف شمار کرکے ضروری سمجھے،یاانسان کے افعال کواس کی طرف ہی نسبت کرے،اوران افعال میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر کامنکرہو،یاانسان کوبالکل پتھر کی طرح بے دخل تصور کرے،اور جبریہ بن جائے،یااوراسی قسم کے عقائد باطلہ رکھے۔یہ سارے افراط وتفریط ہی ہیں،ان سے بچناضروری ہے۔

علم نبوت میں افراط وتفریط (سوئم):

(ج)۔انبیاء علیہم السلام،ارواح،ملائکہ،اولیاء کے حقائق کانام علم نبوت ہے۔اس میں افراط وتفریط یہ ہے کہ ان کے مراتب ومناصب کی اصطلاح کاانکار کرے،یاانبیاء علیہم السلام کی عصمت ومحفوظیت ازخطاء کامنکر ہو،اوراپنی طرح انہیں دنیوی اغراض میں لتھڑاہوا،اورحاجات نفسانیہ سے مغلوب شمار کرے،یااولیاء وائمہ کے مرتبوں کوانبیاء علیہم السلام کے مراتب تک پہنچائے،یاانبیاء ومرسلین علیہم السلام کے لئے لوازم الوہیت ثابت کرے،جیسے انہیں عالم الغیب مانے،یاہرجگہ ہرآدمی کی فریاد سننے والامانے،یاجمیع مقدورات پران کی قدرت ثابت کرے،یاانبیاء علیہم السلام، ملائکہ، ارواح، اولیاء کی تصویریں،قبریں،یاتعزیہ بناکرپوجے،یاان سے رزق،اولاد،شفاء،عزّت،فتح کی بالاستقلال کی درخواست کرے،اور ان کی سفارش کوبارگاہ خداوندی میں واجب القبول یقین کرے۔

علم معادوسمعیات میں افراط وتفریط (چہارم):

(د)۔معاملات،قبر،بہشت،دوزخ،حساب میزان کوعلم معاد وسمعیات کہتے ہیں۔ان میں افراط وتفریط یہ ہے کہ ایمان کو اپنی نجات کے لئے اتنا مؤثر مانے کہ گناہوں کے ارتکاب پر کوئی خطرہ اور نقصان محسوس نہ کرے، یا ایمان کو اتنا ساقط الاعتبار سمجھے کہ وہ صرف بندے کے اعمال کا ہی تابع ہوگا،اور معافی کا اسے اختیار ہی نہیں ہوگا، یا بہشت و دوزخ کے معاملات کو دنیائے فانی کے انقلابات کی طرح فانی شمار کرے،وغیرہ۔

علم الجواہر والاعراض میں افراط وتفریط (حقیقت پنجم):

(ھ)۔اجسام واعراض کے حقائق کوعلم الجواہر والاعراض کہتے ہیں،اور علم طبیعی وریاضی بھی کہتے ہیں۔ان میں افراط وتفریط یہ ہے کہ علوم کی شرح وبسط میں اس قدر تعمق کرے کہ ہیئت وہندسہ سے گزر کر طلسمات تک پہنچ جائے،اور لایعنی خواص وتاثیرات کے حصول میں مصروف ہو، یا جس قدر ان علوم کی دین ودنیا میں ضرورت ہے ان کی بھی تحصیل نہ کرے۔

دوم قوت شہویہ،اوراس میں افراط وتفریط اوراعتدال:

قوت شہویہ جوجذب منافع اور خواہشات مرغوبہ کا وسیلہ ہے،اس میں افراط کا نام فجور اور تفریط کا نام جمود ہے۔ فجور یہ ہے کہ آدمی لذتوں اور مرغوبات منہیہ میں پڑ جائے،اور منہمک رہے۔جمود یہ ہے کہ آدمی نکاح اور طعام غیر مشتبہ اشیاء سے پرہیز کرے، اس میں اعتدال کو عفت کہے۔یعنی ہر خواہش کو عقل وشرع کا تابع بنالیا جائے، تاکہ عبادت میں اخلاص پیدا ہو۔عفت سے بہت سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں ۔مثلاً حیا،صبر،شکر،قناعت،تقویٰ، سخاوت، جوانمردی،اور سخاوت کے توابع ایثار،کرم،عفو،مروّت،اور حسن معاملات،اور دیگر بے شمار خوبیاں،وغیرہ۔

سوئم قوت غضبیہ اوراس میں افراط وتفریط اوراعتدال:

تمام پُرخطر کاموں کا مبدأ اقدام یہی قوت غضبیہ ہے۔اس کا تقاضا تسلط، ترفع اور غیر کی مضرت کو دفع کرنا ہوتا ہے، اس میں افراط کا نام تہور (بے جا جرأت) اور تفریط کا نام جبن (بزدلی) ہے، اوراس میں اعتدال کا نام شجاعت ہے۔پھر شجاعت سے بہت سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں، مثلاً علو ہمت، استقلال، حلم اور تحمل، وغیرہ۔

حکمت وعدالت:

قوت نطقیہ، دراصل قوت عقلیہ ہی ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے۔ اس میں اعتدال کا نام حکمت ہے، اس سے صفاء ذہن اور حسن تحفظ حاصل ہوتے ہیں، اور اس کی تفریط کا نام بلادت (کند ذہنی) ہے، اور افراط کو خزبرہ (ضرورت سے زائد ہوشیاری، یعنی ٹھگی اور چالاکی) کہتے ہیں۔ [تفسیر عزیزی]

فائدہ:

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ: ''قوت عقلیہ کے کمال کا نام حکمت ہے، اور قوت شہویہ کے کمال کا نام جود ہے، اور قوت غضبیہ کے کمال کا نام شجاعت ہے، اور سردار انبیاء ﷺ کی ذات گرامی ان تمام کمالات کی جامع ہے، اور ان سے جو دیگر پاکیزہ حمیدہ صفات کریمہ اور اخلاق حسنہ جو پیدا ہوتے ہیں، وہ سب آپ ﷺ کے اوصاف مخصوصہ کریمانہ ہیں، بلاشرکت غیرے۔ [فتح الباري، كتاب الأدب]

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تینوں قوتوں عقلیہ، شہویہ، غضبیہ میں اعتدال کا نام عدالت ہے، اور اعتدال کے توابع میں دوستی، وفا، مکافات معبود مطلق کی، اور ملائکہ و پیغمبران و اہل امر کے حقوق کی ادائیگی، اور شرع شریف کے اوامر ونواہی کی تابعداری، اور یہی کمال تقویٰ ہے، جو عدالت جیسی صفت کا مترادف وہم معنی ہے۔

فائدہ:

قوت نطقیہ انسان کی ذاتی چیز ہے، جو اس کی روح کو بدن کے تعلق سے پہلے ہی حاصل تھی، اور قوت غضبیہ، وشہویہ، روح کو بدن کے تعلق کے بعد اسے ملی ہیں۔ [تفسیر عزیزی]

کمال توسط قوت عقلیہ، نطقیہ، شہویہ وغضبیہ کا بیان:

لہٰذا قوت عقلیہ میں کمال توسط یہ ہے کہ اسے اس حد تک استعمال کرے جس سے زیادہ کا استعمال ممکن نہ ہو، اور

قوت غضبیہ وشہویہ میں کمال توسط یہ ہے کہ انہیں اس حد تک استعمال کرے کہ اس سے کمتر ممکن نہ ہو۔اور یہی وجہ ہے کہ طریق توسط کو پہچاننا انبیاء علیہم السلام کی اقتداء اور صالحین وصدیقین کی رفاقت کے بغیر دشوار ہے۔اور قدر مشترک یہ ہے کہ دل سے ماسواء اللہ سے اعراض کرنے والا ہو، اور ذکر کے ساتھ پورے طور پر خالق عزّ اسمہ کی طرف متوجہ ہو، حتی کہ اگر اپنے فرزند لخت جگر کے ذبح کرنے کا فرمان پہنچے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچا تھا، تو خوشی سے قبول کرے، اور چونکہ بندہ اپنے مشیروں، ہادیوں، بچوں، ماں باپ، مہربانوں، دشمنوں اور اپنے نفس کی کشمکش میں مبتلا ہے، اور عقل کمزور اور عمر کوتاہ رکھتا ہے، اس لئے ہمیشہ ﴿اِهْدِنَا﴾ کہہ کر ہدایت کا سائل وطالب ہوتا ہے، اور ہدایت کے مراتب بھی چونکہ بہت ہیں، اس لئے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبے تک بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ مؤمن اگر طلب ہدایت ہمیشہ کرتا رہے تو یہ تحصیل حاصل نہیں، بلکہ تحصیل مراتب ہے، پھر اس ہدایت کی زیادتی دو طریق پر ہے:

پہلا علم کے دوام سے۔یعنی اوقات ہدایت متواتر ہوں، اور ان میں وقفہ نہ ہو، یا کم ہو۔

دوسرا اس طرح کہ دلائل بڑھتی رہیں، کیونکہ جو علم ایک دلیل سے حاصل ہوا ہے اس علم کے برابر نہیں ہوسکتا جو چند دلائل سے حاصل ہوا ہو۔اسی لئے آدمی کا علم ہر وقت ترقی کرتا رہتا ہے۔

در بند آن مباش کہ مضمون نہ ماندہ ست
صد سال می توان سخن از زلف یار گفت

لہٰذا مؤمن طلب علم وہدایت سے کسی وقت بھی نہ رکے، اور ﴿رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طٰهٰ:۱۱۴] (اے میرے ربّ! میرا علم بڑھادے) کو یاد رکھے۔﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران:۸] (اے ہمارے ربّ! تونے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے، اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ فرما، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے) آمین مائۃ ألف آمین

دعاء منافی رضاء بر قضاء نہیں:

یہ بھی یاد رہے کہ دعاء رضاء بہ قضاء الٰہی کی منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ رضاء الٰہی اسی میں ہو کہ بندہ انتہائی عاجزی ومسکنت کا اظہار کرے، اور اس کے بعد عطاء الٰہی کا ورد ہو۔مشہور شعر ہے۔

تا نگرید طفل کے جوشد لبن ☆ تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

اس میں سب سے بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے نفس منکسر ہوتا ہے۔ ہدایت کو استعانت پر اس لئے متفرع فرمایا گیا ہے کہ ہدایت بھی استعانت کی ایک قسم ہے۔ [تفسیر عزیزی]

رضاء بہ قضاء ایمانِ کامل کا حصہ ہے۔ اگر قضاء خیر و برکت اور منفعت پر مشتمل ہو تو اس کو بطیب خاطر بخوشی قبول کرنا، اور اس پر راضی رہنا نہایت آسان ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نوازا، مال تجارت میں فائدہ ہوا، حج وعمرہ نصیب ہوا، یا اور کوئی نعمت ہاتھ آئی۔ لیکن اگر قضاء اس طرح کا ہو کہ اولاد مرگئی، مال میں خسارہ ہوا، بیماری اور مرض کا معاملہ پیش آیا، تو اس وقت تقدیر پر راضی ہونا، اور بطیب خاطر قبول کرنا بہت مشکل ہے، اور اسی میں ابتلا و آزمائش ہے۔ ایسے وقت میں دعاء کرنا، علاج کرنا تدبیر کرنا، رضاء بالقضاء اور توکل کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ دعاء اور علاج بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اور یہ تدبیر و دعاء بھی تقدیر کا حصہ ہے۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف رجوع کرنا بھی تقدیر ہے، اور تقدیر کا حصہ ہے۔ [رواه البخاري و مسلم عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ] اور اِنابت ورجوع اِلیٰ اللہ تعالیٰ امر مستحسن ہے، جس سے رضاء الٰہی کا حصول یقینی بھی ہے، اور بندگی کی شان اسی اِنابت اِلیٰ اللہ میں مضمر ہے، اور نفس وشیطان کے خلاف جہاد بھی ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رحمن ورحیم ذات پاک آپ کو دعاء وتدبیر کا سختی سے حکم دیدے، اور ترغیب بھی دیدے، اور طریقہ بھی بتادے، پھر آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دے؟ یہ اس کی شان نہیں ہے۔ "أنا عند ظن عبدي بي"۔ [الحدیث] اس کی بخششوں نے دشمنوں کو آباد کیا ہوا ہے، مسلمان کا کیا کہنا جو کہ اللہ تعالیٰ کا بندۂ خاص ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ

❀ ❀ ❀

﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ﴾

راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرے انعام واکرام ہوئے (جن پر تو نے کرم کیا)

یہ خوش نصیب چار گروہ ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء، اور صالحین۔ شروع کے تینوں مخصوص ہیں، چوتھا عام ہے، اور ان برگزیدہ ہستیوں کی نسبت نے صراط مستقیم پر چار چاند لگادیئے ہیں۔ صراط مستقیم کی قدر ومنزلت کو ان کی نسبت نے عرش معلیٰ تک عروج بخشا، کیوں نہیں؟ ان چاروں گروہوں کو نفی کرنے سے پورا جہان خاکستر وراکھ کا ڈھیر

معلوم ہوگا، اور سارا جہان حرف بے معنی متصور ہوگا۔ یہ جہاں ویسے بھی اتنا قیمتی نہیں تھا، اگر اس میں کچھ قیمت آگئی تو ان ہی کے طفیل سے، اور یہی زندۂ جاوید ہستیاں ہیں، باقی سارا جہان مردوں کا قبرستان ہے۔ ایک ہی فرد انبیاء علیہم السلام کا اگر دیکھا جائے تو سارے جہان پر بھاری سمجھا جائے۔ تو صراط مستقیم کی قدر و منزلت انہی کی مرہون منت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جن کی بدولت ہر چیز کیلئے بقاء و قیام ثابت ہے، اور ان کی منزلت بھی صراط مستقیم کی وجہ سے ہے۔ پس یہ شرف دو طرفہ ہے، اور یہی محققین کا فیصلہ ہے۔

اول طبقہ انبیاء ورسل علیہم السلام کا ہے۔ جن پر ربّ العزّت کا سلام ہوتا رہا، اور ان کے ایمان وتقویٰ وطہارت پر خود ذات عالی صفات عزّ مجدہٗ نے گواہی دی، اور انہیں شرف قبولیت سے نوازا، اور انہیں معصوم ومحفوظ بنا کر ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک کیا، اور انہیں اپنے لئے منتخب فرمایا، اور انہیں بے راہ قوموں کی ہدایت وراہ نمائی کی مشن پر مبعوث فرمایا۔ براہ راست یا بواسطۂ پاکیزہ ملائکہ کے انہیں ہم کلامی کے شرف سے عزّت بخشی، اور انہیں قوموں پر شاہد وگواہ بنا کر ان کی گواہی سے جنت ودوزخ کا فیصلہ صادر فرمایا، اور ان کے اس مبارک سلسلہ کو عظیم المنقبت سید الرسل وامام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ تا قیام قیامت کے لئے ختم فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء کا لقب وشرف بخشا۔ اربوں کھربوں صلوٰۃ وسلام ہوں ان تمام نفوس قدسیہ، مقربان درگاہ ایزدی پر، تمام مخلوقات کی طرف سے، تا قیام قیامت۔

حضرت سید الانبیاء، شرف کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی فضیلت نہایت عظیم اور بے انتہاء اعلیٰ وارفع ہے۔ اور قرب ورضائے الٰہی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب، رضاء اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور ساتھ ساتھ بقول حضرت امام شافعیؒ خاتمہ بالخیر اور سعادۃ دارین کا وسیلہ ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ درود پڑھنے کی تاکید کی ہے، تاکہ تمام مقربان درگاہ کا حق ادائیگی ہو سکے۔ وہ درود شریف یہ ہے: "اللّٰھم صل و سلم و بارک علی سیدنا محمد و علیٰ جمیع إخوانه من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین و علی اٰله و أصحابه وجمیع أمته من المؤمنین و المؤمنٰت أجمعین"۔

انسان میں جہاں اور بہت سی فطری خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بغیر نظیر اور مثال کے کسی چیز کے ماننے اور سمجھنے میں اسے دشواری پیش آتی ہے۔ اور قرآن کریم کا اسلوب افہام وتفہیم بھی ایسا ہی ہے کہ جب بھی کوئی

خاص مسئلہ یا حکم شرعی بیان فرمایا، تو اس کے ساتھ کوئی نمونہ ونظیر، اور مثال ضرور بیان فرمائی، تا کہ اطمینان وتشفی ہو، اور کسی قسم کا کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ صراط مستقیم وہ برحق راہ الٰہی اور طریق اہل حق ہے جسے دین وشریعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور حق ہمیشہ ایک ہی حقیقت کا نام ہوتا ہے، جس میں تعدد نہیں ہوتا۔ بخلاف باطل کے کہ اس کے طرق وسُبُل مختلف اور متعدد ہوتے ہیں۔ اگر صراط مستقیم کی تفسیر قرآن پاک اور وحی کے ساتھ بیان ہوتی تو بہت ہی دشواری ہو جاتی، اور حقیقت ومراد الٰہی کا تعین مشکل ہوتا، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ جتنے بھی باطل فرقے اس وقت موجود ہیں، یا پہلے کسی وقت موجود تھے، تمام کے تمام قرآن مجید ہی سے اپنے اپنے غلط مدعیٰ پر استدلال کرتے ہیں۔ قرآن حکیم ذو وُجوہ ہے، اس سے ہر شخص ہیر پھیر کے ساتھ تاویل کر کے اپنا مدعیٰ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ آپ ؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خوارج کے پاس بھیجا، اور فرمایا کہ ان کے ساتھ قرآن مجید کی آیتوں کو پیش کر کے مناظرہ نہ کرنا، وہ شرمندہ نہیں ہوں گے، بلکہ احادیث پیش کرنا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور کامیاب ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گئے، میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گی، سب کے سب جہنمی اور باطل پر ہوں گے، سوائے ایک فرقہ ناجیہ کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ واحد ناجیہ فرقہ کونسا ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اہل قرآن یا قرآن پر عمل کرنے والے، کیونکہ قرآن پر عمل کرنے کے سب مدّعی اور قائل ہیں، بلکہ ارشاد فرمایا: ''ماأنا علیه وأصحابي''۔ [رواہ الترمذی] دیکھیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمونہ ذکر فرما کر سب کی اصلاح فرمائی، اور تمام باطل فرقوں کی زبان بندی کی، اور سارے باطل فرقوں کی نشاندہی فرمائی۔

دوم یہ کہ حصولِ علم کے ذرائع مختلف ہیں۔ اصل بنیاد اور سبب اصلی استاد اور معلم ہے، کتاب محض ایک بہانہ اور سببِ زائد ہے۔ لوگوں نے اساتذہ سے بے شمار علوم حاصل کیے، بغیر کتاب کے، جیسے کہ خیر القرون کے حالات ہیں، تو کتاب محض واسطہ کے درجہ میں ہے، اگر صرف کتاب کافی ہوتی تو اتنے بے شمار مراکز، مدارس، تعلیم گاہوں کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لوگ کتابیں پڑھ پڑھ کر عالم، محدّث، مفسر، فقیہ، ڈاکٹر، انجینئر بنتے۔ مگر ایسا ناممکن ہے، کیونکہ بغیر معلّم اور استاد کے کوئی علم وہنر حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے ربّ العزّت سبحانہ نے ہر پیغمبر کی امت میں آسمانی کتاب کے ساتھ نبی اور پیغمبر بطور معلّم مبعوث فرمائے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ﴾ میں یہی نکتہ بنیادی ہے کہ مُنعَم علیهم جو چار گروہ ہیں، ان کو بطور

معلم واستاد بیان فرمایا۔ یہ چار گروہ اپنے عقائد وصفائی اعمال وکردار کی بناء پر ساری امت کے لئے معلم بھی ہیں اور نمونہ بھی۔ ان چاروں کا تذکرہ سورۃ النساء میں ہے: ﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا﴾ [النساء:۶۹] (اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں)۔ صراط مستقیم پر قائم اور مُنْعَمْ علیهم چار گروہ ہیں، اور تمام کائنات کے چشم وچراغ اور عظیم ہستیاں یہی ہیں۔

صراط مستقیم اگرچہ ایک ہی ہے، مگر اس پر چلنے والے ان چاروں کے مراتب یکساں نہیں ہیں، اور ان کی ڈیوٹیاں مختلف ہیں۔ اگر چہ اصل دین میں اختلاف نہیں ہے، مگر طریق کار میں ضرور اختلاف ہے، لیکن راستہ ایک ہی رہے گا۔ پھر اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں صیغۂ خطاب اور ماضی کا ہوگا، نیز نسبت باری تعالیٰ کے ساتھ یہ تیقن پسندیدگی اور تشریف کے لئے ہے، کیونکہ اَنۡعَمۡتَ کا مفعول ذکر نہ کر کے عموم انعام (دنیوی واخروی) بجمیع جہات کی شمولیت کی طرف اشارہ ہے۔ اب مختصر طور پر ان کی الگ الگ تعریف کرتے ہیں، تاکہ فرق اور شناخت ومعرفت حاصل ہو۔

اول انبیاءؑ کی تعریف:

نبی وہ ہیں جنہیں ربّ العزّت سبحانہ براہ راست اپنی تربیت سے نوازے، جس میں کسی زمینی وبشری تربیت کا کوئی حصہ ودخل نہ ہو۔ یا روح القدس جبریل امین کا توسط ان کی تعلیم وتربیت کا محور ومرکز ہو، اور ان کا علم وعمل ایسا پختہ ہو جس سے بسہولت سارے نیک اعمال کا صدور ہو، جن میں کسی شبہ وتشکیک کا امکان تک نہ ہو، اور ان کو علم حضوری وشہودی تک پہنچایا گیا ہو، اور ہر قسم کی برائیوں سے پاک وصاف ہو، اور خلاف منشاء الٰہی پر انہیں قدرت ورغبت نہ ہو۔ جب ان کے قویٰ بدنی اور عقل وہمت مع ادراک مکمل ہوں، تو انہیں اصلاح وتکمیل خلق کے لئے مبعوث کیا گیا ہو، پھر معجزات کے ساتھ ان کی تصدیق کردی گئی ہو، اور اعلیٰ درجے کے ایمان واحسان اور قوی برداشت سے ان کی ہمت افزائی کی گئی ہو۔

دوم صدیقین کی تعریف:

صدیق وہ ہیں جن کی قوت نظری انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہو۔ اور ابتداء عمر سے غلط بیانی اور ہر قسم کے مکرو

فریب سے پاک ہو، ان کا ظاہر و باطن یکساں ہو، اور ہر قسم کے تردد سے بیزار ہوں۔ کسی پر لعن وطعن نہیں کرتے، اور نہایت دور اندیش، موقع شناس اور خوابوں کی تعبیر جاننے پر قدرت رکھتے ہوں۔ اور نفسانی خواہشات کے ساتھ اختلاط نہ رکھتے ہوں، اور ہر قسم کی قربانی دینے پر راضی ہوں، اور ہر بات میں نبی کے تابع ہوں۔

☆ ☆ ☆

سوئم شہداء کی تعریف:

شہید وہ ہے جس کی قوت عملی انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کے قریب تر ہو، اگرچہ قوت نظری میں کچھ کمی ہو، اور انبیاء کرام علیہم السلام نے جو کچھ اس تک پہنچایا ہوا سے اس طرح قبول کرتا ہو، گویا اسے مشاہدہ کے ساتھ دیکھ رہا ہو۔ اسی واسطے اس کے لئے جان دینا آسان ہوتا ہے۔ ایسا آدمی ضروری نہیں کہ ظاہری طور پر بھی مقتول ہو، اگر وہ مقتول نہ ہو اور گھر میں بستر پر مر رہا ہو، مگر وہ اپنے عزم وارادے کی بنیاد پر شہید کہلائے گا، وہ تیغ شریعت کا مقتول شمار ہوگا۔

همہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف ☆ بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد
نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی
کشتگان خنجر تسلیم را ☆ ہر زمان از غیب جانے دیگر ست
(شیخ احمد جام)

چہارم صالحین کی تعریف:

صالح وہ ہے جس کی قوت نظری و علمی دونوں انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کمال سے کم تر ہوں، لیکن کمال متابعت سے اپنے ظاہر کو معاصی سے پاک اور باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ اور رذیلہ سے دور رکھا ہوا ہو، اور یاد میں اس طرح ہو کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہ ہو۔ (یعنی غیر شرعی چیزوں کی طرف التفات تک نہ ہو، حتی کہ عام دنیادار ظالم ملوک وامراء، اور وزراء وسلاطین سے اجتناب اور دوری اس کی فطرت ہو، اور اسے شرعی اعمال پر شرح صدر حاصل ہو)۔

فائدہ:

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب درجۂ نبوت ومنصب رسالت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ باقی تینوں درجات صدیقیت، شہادت اور ولایت پر بطریق اولیٰ فائز رہتے ہیں، ان کی ذوات مقدسہ چاروں درجات کی جامع ہیں۔ قرآن حکیم نے فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ [مریم:۴۱] (اور ابراہیم کو کتاب میں یاد کرو، وہ صدیق اور نبی تھے)۔ باقی صدیقین حضرات تمام کے تمام دوسرے اور تیسرے مقامات پر بالاتفاق فائز رہتے ہیں۔ اسی طرح درجۂ ثالثہ شہداء کو درجۂ رابعہ پر وصول حاصل ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ از روئے قرآن حکیم ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ [المائدۃ:۷۵] (اور عیسیٰ کی ماں صدیقہ تھیں) حضرت مریم علیہا السلام کو مقام صدیقیت پر فائز رکھا گیا ہے۔ اور صحیحین کی روایت کی رو سے حضرت آسیہ امرأۃ فرعون اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن بھی صدیقیت کے اونچے مقام پر فائز تھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام ودرجہ صدیقیت کا ہے، کیونکہ صدیق کی تعریف ان سب پر صادق ہے، اور یہ سب انہیں حاصل ہے۔ ہر صحابی کو صدیق کبیر کا مقام حاصل ہے، جبکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب ووصف ''صدیق اکبر'' کا ہے۔ یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ جس طرح سارے انبیاء کرام علیہم السلام ایک جیسے نہیں، باوجود صفت نبوت کے، ان کے درمیان بحکم قرآن وحدیث واجماع امت فرق مراتب کا لحاظ مسلمات میں سے ہے، اسی طرح صحابیت کے وصف کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صدیقیت کے مراتب بھی مختلف ہیں، اور نفس صدیقیت کا مقام سب کو حاصل ہے۔

سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جن پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوا، اور باب النبوۃ ہمیشہ کے لئے قیامت تک بند ہو گیا، نبوت کی ضرورت پوری ہو گئی، اور مقصد نبوت بھی مکمل ہو گیا، دین الٰہی کی بھی تکمیل ہو گئی، یہ قرآن پاک، حدیث، اجماع امت، قیاس شرعی چاروں مآخذ کا متفقہ فیصلہ ہے، جس کا منکر بالاتفاق کافر، مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اگر کوئی سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت ظلی، بروزی، تشریعی، تفصیلی، لغوی، تفضیلی کسی بھی نام کا مدعی ہو تو باطل ہوگا، اور اس کا مدعی ابلیس سے بدتر اور اس پر ایمان لانے والے کافر ہوں گے۔ اول اس لئے کہ کسی نبوت کے جھوٹے مدعی پر ایمان لانا کفر ہے۔ وہ باطل مدعی نبوت جیسے مرزا قادیانی (ملعون) جب خود کافر ہے تو کافر پر ایمان لانے والا بطریق اولیٰ کافر ہوگا۔ دوم اس لئے کہ اس خبیث مدعی نبوت پر ایمان لانے سے حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کی تکذیب لازم آتی ہے، جو کہ بالاتفاق کفر

اور أشد الکفر ہے۔اس مسئلہ کی تھوڑی سی تفصیل ضروری ہے۔

ختم نبوت:

ختم نبوت کا عقیدہ وہ عظیم بنیادی عقیدہ ہے کہ جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔اس مرکزی عقیدہ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، اس کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کا بنیادی ایمانی عقیدہ ہے، اور یہ ختم نبوت کا منصب ربّ العزت سبحانہ کا عطا کردہ وہ مخصوص شرف اور عظمت کا تاج ہے، جسے اللہ ربّ العزت نے سارے نبیوں کے سردار خیر البشر سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم کے سر مبارک کی زینت بنا کر ان کی تاج پوشی فرمائی ہے۔آسمانوں کے فرشتے، زمینی اور سمندری تمام مخلوقات اسی عظیم منصب کے ساتھ آپ ﷺ کو شناخت کرتی ہیں۔قیامت کے دن لوگ اسی صفت کریمہ کو وسیلہ بنا کر آپ ﷺ سے شفاعت کبریٰ کی عاجزانہ درخواست کریں گے۔قرآن حکیم کی ایک سو آیتوں، اور حدیث پاک کی ڈھائی سو روایتوں اور بے شمار آثار قرنِ اول سے آج تک پوری امت کے علماء، صلحاء، اولیاء، مفکرین، مؤرخین، ہر قسم کے اور ہر طبقہ کے مجتہدین، فقہاء، اور محدثین کا اس پر اجماع رہا ہے، اور ساری خلقت عقیدۂ توحید کی طرح ختم نبوت کے عقیدہ پر قائم ہے۔آپ ﷺ کی ساری صفات حمیدہ جو کہ بے شمار ہیں، آپ علیہ السلام کی یہ صفت کریمہ ان سب صفات حمیدہ سے ممتاز ہے۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں جن ناپاک لوگوں نے اس عقیدہ میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی، وہ سب کے سب کچل دیئے گئے، اور صدیقین کی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سب کو جہنم رسید کیا، اور تباہ کر کے کیفر کردار تک پہنچایا۔رضی اللہ عنہم اجمعین

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں کے مطابق دیگر خلفاء کے زمانے میں بھی یہودیوں کے حمایت یافتہ کئی لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، چنانچہ وہ سارے کے سارے مارے گئے۔تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سلسلہ تقریباً ہر صدی میں کسی نہ کسی علاقہ اور مختلف اوقات میں جاری رہا، اور مسلمان حکمرانوں اور عوام الناس نے انہیں ختم کیا۔چند سال پہلے ایک چارٹ شائع ہوا تھا جس میں ان تمام جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کی تاریخ وسنہ اور علاقہ کے نام اور ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے واقعات سارے درج تھے، اور یہ لوگ تیس کے قریب تھے۔مگر جب بھی یہ جھوٹے مدعیان نبوت ظاہر ہوئے قدرتی طور پر انہیں سوائے چند گمراہ لوگوں کے کسی ریاست یا حکمرانوں کی حمایت حاصل

نہیں ہوئی۔ آتے گئے اور جلدی ختم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جب برصغیر پر انگریز (برطانیہ) کا اقتدار مستحکم ہوا، اور برصغیر جو صدیوں تک مسلمانوں کا ملک واقتدار کے قلم رو میں رہا تھا، جہاں مسلمانوں کے ایمانی جذبات بدستور قائم ومحکم تھے، انگریزوں نے محسوس کیا کہ یہاں کسی بھی وقت ہمارے خلاف جہاد اور آزادی کی تحریکیں شروع ہوسکتی ہیں، اور ہمارے اقتدار کا بیڑہ غرق ہوسکتا ہے۔ تب انہوں نے ہندو اکثریت کو طرح طرح کی نوازشوں سے نوازنے کا فیصلہ کیا، اور مسلمانوں میں اختلاف، بددلی، تفرقہ، فرقہ واریت جیسے ہتھکنڈوں کی بنیاد ڈالی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو، پس شیعوں کی خوب آؤ بھگت اور سرپرستی کا فیصلہ کیا گیا۔

کچھ انگریزی نبوتوں اور انگریزی ولایتوں، بزرگیوں، مزاروں، اور قبروں پر مجاوروں کا سلسلہ شروع ہوا، اور انہیں تحفظ، حمایت، مال ومتاع اور ہر قسم کی نوازشوں سے نوازا گیا، جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، اور شاید آئندہ بھی رہے گا۔ اس طرح انگریزوں کو اپنے ان منصوبوں میں خوب کامیابی ہوئی، اور ان کے گماشتے بھی ناکامی کے بجائے کامیابی حاصل کرتے گئے۔

یہ اتنی بڑی تاریخی داستان ہے جس کے ابجد کا الف یہاں سے شروع ہوتا ہے، انتیسواں اور آخری حرف ''یا'' انگلستان تک پہنچتا ہے۔ نبوت اور ختم نبوت اسی طرح قرآن مجید، احادیث کا ذخیرہ، عقیدۂ توحید، اجتہاد ائمہ اربعہ، تاریخ اسلام یہ سارے مسلمات جو کہ یقینی بھی تھے اور سہل وبدیہی بھی تھے، انہیں مشتبہ ومشکوک بنادیا گیا، اور بداہت کی جگہ انہیں علوم نظریہ بنا کر محراب ومنبر، شہروں، بازاروں اور تعلیم گاہوں میں اختلافی بنائے گئے۔ مرزا غلام نے قادیان وگورداسپور کو مدینہ ومکہ کہہ کر انگریزی وفاداری میں پچاس الماریوں کی کتابیں لکھ کر حق نمک ادا کیا، اور جہاد اسلامی کی حرمت پر پچاس ہزار صفحات پر کتب، رسائل، اشتہارات، شائع کئے۔ ہزاروں ماسٹر، منشی، تعلیم یافتہ، مرتد بدقسمت نام نہاد ملا صاحبان نے جنہیں عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر چند زبانوں پر عبور تھا، ملازمتوں، جاگیر، مکانوں، پیسوں کی خاطر منہ کالا کر کے مرزا قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اچھے پڑھے لکھے لوگ اس کے دامِ تزویر میں محض مال ودولت کے حصول کی خاطر پھنس گئے، اور پھر پہلے کرامات، پھر الہامات اور معجزات اور وحی تیار کرتے رہے۔ اور اس کے نام پر کتابوں، رسالوں میں تحریر کرتے رہے، تاکہ اس سکول کے ماسٹر کی نبوت مقبول عام ہو۔ اس سلسلے میں اتنی بڑی ضخیم کتابیں تالیف ہوئیں جنہیں دیکھ کر عقل کام چھوڑ دیتی ہے۔

مرزا ملعون کی کتاب روحانی خزائن پہلے پچاس جلدوں میں، پھر شروح وحواشی کے بعد ایک سو جلدوں تک پہنچ گئی۔ راوی ہیں ہمارے محترم استاد حضرت مولانا لعل حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مرزا غلام ملعون کے دست راست، اور نام نہاد وحی ومعجزات کو ترتیب دینے والے رہے تھے، پھر ایک سچے خواب کے ذریعہ انہوں نے مرزا اور اس کے دجل وشرارتوں سے تائب ہوکر اسلام قبول کیا۔ اور قطب الاقطاب حضرت لاہوریؒ، امام الہند اور وارث حدیث نبوی شیخ الاسلام حضرت اقدس سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ کے ہاتھ پر بیعت ہوکر مرزائیت کا مکروہ چہرہ مسلمانان برصغیر کے سامنے کھول کر ظاہر کیا، اور خوب علمی، قلمی، تقریری جہاد کر کے مرزائیت کے خلاف بے نیام تلوار کا کام کیا۔

بندۂ عاجز نے (۱۹۶۰) میں ان سے استفادہ کیا تھا، اور ان سے مرزا ملعون کا اصلی چہرہ معلوم کیا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''مرزا کا شمار عام انسانوں میں نہیں ہوسکتا، نبوت کجا یہ اتنا ناپاک انسان تھا کہ انسانیت کی پیشانی پر ناپاک داغ معلوم ہوتا تھا''۔ اپنی ہر بے عملی اور برائی پر فخر کرتا تھا، اور اسے اپنا معجزہ قرار دیتا تھا۔ اسی بنیاد پر اس خبیث نے کہا، اور لکھا کہ میں حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام پیغمبروں سے افضل ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تین ہزار ہیں، اور میرے (مرزا خبیث) معجزات دس لاکھ ہیں۔ لعنۃ اللہ علیہ۔ یہ جھوٹا دعویٰ اس کی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' وغیرہ میں موجود ہے۔

بہرحال! انگریزی حکومت نے مسلمانوں کے اصلی مرکزی بنیادی عقیدوں پر ضرب لگا کر ایک حد تک کامیابی ضرور حاصل کی۔ آج اگر وہ اپنے ملک انگلستان میں رہ رہے ہیں، مگر برصغیر ہند و پاک میں ان کے نمک کھانے والے ان کے مفادات کا تحفظ کررہے ہیں۔ دیکھو! کوئی منکر قرآن ہے، کوئی منکر حدیث، کوئی منکر جہاد ہے، کوئی توحید کا دشمن اور شرک وقبر پرستی، مزارات کی آمدنی اور عرس شریف، گیارہویں شریف، رسم قل، چہلم شریف وغیرہ میں مصروف ہے۔ کوئی ائمہ کے اجتہاد کا دشمن، فقہ وعلوم سلف کی دشمنی، کوئی صحابہ کا دشمن، تبرا ودشنام طرازی وغیرہ۔ ایک خالی الذہن مسلمان دیکھ لے، اور خوب بنظر انصاف دیکھ کر فیصلہ کرے، کہ آیا ان تمام مدعیان دین وایمان کو اصحاب اقتدار کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہے یا نہیں؟

اور جو لوگ اس ملک کے رہنے والے باشندے اور وفادار شہری ہیں، بچپن سے آج تک معتوب (زیر عتاب) رہے ہیں۔ قصور اور کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ اصلی اسلام کے حامی اور غلام ہیں، اور متبع سنت ہیں۔ ہر دشمن اسلام اور

یہودیت ونصرانیت کے دشمن ہیں، اورانہیں باطل کہتے ہیں، اور صحیح معنوں میں قرآن وسنت کے دیوبندی خادم ہیں، اوراہلسنت والجماعۃ ہیں۔ ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ [البروج:۸] (اور ایمان والوں کوصرف اس بات کی سزادے رہے تھے کہ وہ اس اللہ پرایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتداروالا بہت قابل تعریف ہے)۔ دیوبندی کسی مسلک یا کسی فرقے کا نام نہیں ہے، بلکہ زمانۂ رسالت سے لے کرآج تک اہلسنت والجماعت اہل حق کے تسلسل کا نام ہے۔ الحمدللہ علی ذٰلک۔

برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کی آمد اور مسلمانوں کے اقتدار پر قبضہ، اور عالم اسلام کے آٹھ سوسالہ حکومت واقتدار کا خاتمہ، یہ عذاب الٰہی اور قیامت صغریٰ ہی تھا۔ ہمارے برے اعمال رنگ لائے، تو یہ تباہی آگئی۔ انگریزوں نے آمد کے ساتھ ہی بے تحاشا مال ودولت تقسیم کرکے جہاد کوختم کرنے کی کوشش کی۔ سوائے چند باغیرت اور مجاہد حقیقی مسلمانوں کے کسی نے جہاد نہیں کیا، اوران کے خلاف محاذ نہیں کھولا۔ ایک غیرت مند سلطان فتح علی ولد حیدرعلی والی میسور رحمہ اللہ علیہ نے جہاد کیا، یہ بیچارہ کیا کرسکتے تھے، لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔ آپؒ نے دیکھا کہ انگریزوں نے اپنے پالتو کتوں پران کا نام رکھ دیا (ٹیپو وہ اپنے کتوں کو کہتے ہیں)۔ بہادرشاہ ظفر آخری مغل بادشاہ قید ہوئے۔ شہزادیاں کہاں گئیں؟ ان کا تذکرہ کرنا میرے قلم کے بس سے باہر ہے۔ البتہ شہزادے جنہوں نے نازونخرے کی زندگی گزاری تھی، شہید کئے گئے۔ (قربانی کے بکروں کی طرح ذبح کئے گئے) انگریزوں اوران کے نمک خوروں نے ان کے سروں کوطشت میں رکھ کراوپر رومال ڈال دیا، اور کھانے کی طشت کی طرح ان کے والد بہادرشاہ ظفر کے سامنے پیش کیا۔ جب انہوں نے رومال اٹھایا تو بجائے کھانے اور خوراک کے اپنے لخت جگر شہزادوں کے سروں کو پایا، "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون" پڑھ کر یہ کہا:۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقاء کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

اور یہ بھی کہا کہ مغل بابری خاندان ہمیشہ سرخ رو (شہید خون میں لت پت) ہوکر مرتا ہے، "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون"۔ پھرآگے اسی انگریز نے جواس کا منشور ہے وہی کرکے دکھایا۔ اس سے پہلے اندلس اور بغداد وغیرہ پرغیرمسلم کافرقبضہ کرچکے تھے۔ ہندوستان میں داڑھی، علم، پگڑی، سفید لباس، تعلیم قرآن، تبلیغ دین اور دوسرے اسلامی اقدار

بکثرت تھے۔ ان کی اہمیت کو گرانے اور کم کرنے کا سلسلہ شروع کیا، حکم ہوا کہ آئندہ ڈاکیہ، یعنی ڈاک تقسیم کرنے والا ضروری ہے کہ پگڑی باندھے، اور ہوٹلوں کے بیرے خدمت گاروں اور چپراسیوں وغیرہ کا لباس سفید ہو، اور ان کے لئے پگڑی لازمی ہو، جب یہ اسلامی شعار گھٹیا اور گرے ہوئے لوگوں کا لباس ہوگا، تو اس کی اہمیت آہستہ آہستہ ختم ہوجائے گی، اور اس کے اصلی وارثوں کو بھی لوگ گھٹیا سمجھنے شروع کریں گے۔

نبوت کیا ہے، اور نبی کسے کہتے ہیں؟

نبوت ایک انتہائی بلند وبالا منصب کا نام ہے، جس طرح دنیاوی نعمتوں کا آخری اور سب سے اونچا مقام بادشاہت ہے، اسی طرح روحانی مذہبی نعمتوں کی انتہائی عظمت وعروج کا نام نبوت ہے۔ دنیا میں سارے مناصب اور مراتب کسبی اور انتخابی یا جمہوری ہیں، یا بزور قوت فوج ولشکر قوم قبیلہ اور دیگر مختلف ذرائع سے بادشاہت، اقتدار، کرسی، سربراہی، حکمرانی، وغیرہ حاصل ہوسکتی ہیں، اور ہورہی ہیں۔ نبوت اس طرح نہیں، اس میں صرف اور صرف ربّ العزّت سبحانہ کی مرضی وانتخاب شامل ہے۔ باقی دنیا والوں کا اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی ادنیٰ مداخلت اور تعلق شامل نہیں ہوتا۔ یہ کسبی نہیں، خالص وہبی اور عطائی ہے۔ اس منصب کے لئے جس شخصیت کو چنا جاتا ہے، اور انتخاب کیا جاتا ہے، ان کو نبی اور پیغمبر کہتے ہیں۔ نبی کے اوصاف اور ان کے طریقہ انتخاب کیا، اور کیسے ہوتا ہے؟ اس کی تفصیل پہلے بیان کرچکے ہیں، البتہ اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) نبی ایک انسان ہیں، ملائکہ اور جنات میں سے نہیں ہوتے۔

(۲) ان کی نامزدگی اور تقرر کا فیصلہ ازل میں ہوچکا ہوتا ہے۔

(۳) وہ سلیم الفطرت اور سلیم العقل، تارک الدنیا ہوتے ہیں۔

(۴) پیدائش سے لے کر منصب کی نشاندہی (۴۰ سال عمر) تک وہ ربّ العزّت علیم وخبیر کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔

(۵) تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ومحفوظ رہتے ہیں۔

(۶) وہ اعلیٰ درجے کا عالم، عقلمند، عامل اور تمام صفات حمیدہ واخلاق حسنہ سے موصوف ہوتے ہیں۔

(۷) وہ کسی زمینی استاد ومعلّم سے علم نہیں سیکھتے، بلکہ براہ راست الہام، خواب، وحی، فرشتہ کے ذریعہ ربّ

العزّت عزّ سبحانہ سے فیض وعلم حاصل کرتے ہیں۔

(۸) وہ ہر قسم کے انسانی عیبوں سے پاک ہوتے ہیں۔

(۹) وہ تبلیغ دین، توحید خالص اور دینِ الٰہی کے مبلّغ ہوتے ہیں۔ ان کی بعثت کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے۔

(۱۰) وہ سوائے ربّ العزّت سبحانہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، اور خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح کسی سے لالچ اور چیز حاصل کرنے کا ارادہ تک نہیں کرتے۔ وہ بڑے صابر، شاکر، عامل، زاہد، پاکباز، عادل، ہوتے ہیں۔

یہ ہیں نبی اور پیغمبر کے مختصر اوصاف۔ علماء کرام اور محققین نے، جیسے امام الحرمین، امام رازی اور حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، علامہ ابن ہمام، ابواللیث سمرقندی، حضرت مجدد الف ثانی، اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ قدس اُسرارہم نبی میں اور بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کے قائل ہیں، اور لکھ چکے ہیں۔ دیکھ لیں۔

آمدم برسرمطلب۔ سید الانبیاء رئیس الاتقیاء تاج المرسلین امام المتقین، قائد الغر المحجلین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم المبعوث بختم الرسالۃ وتاج الکرامۃ وعلو الشأن والقیادۃ۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ اعلان نبوت سے تقریباً بیس سال بعد، عمر شریف تقریباً ساٹھ سال، عرش سے فرش تک کے علوم وحقائق ومعارف کے (جتنا اللہ تعالیٰ نے بتایا) عالم، معاہدہ کا مکتوب سامنے ہے، اس پر لکھا ہوا ہے: محمد رسول اللہ اور اس کے بعد بقیہ شرائط معاہدہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں: اس مکتوب میں میرا نام کہاں لکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کو علم وعلوم سے متعارف کرایا، اور اپنے نام کا پتہ نہیں۔ چالیس سالہ زندگی قوم میں گزاری، جب تبلیغ رسالت کا اعلان فرمایا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تینتالیس (۴۳) سال کو پہنچ چکی تھی۔ پوری قوم مردوزن، جوان، بوڑھے، اور بچے دشمن، بدخواہ اور بے مثال دشمن، ان سے خطاب کر کے کہتے ہیں: "لبثت فیکم دھرا أھل وجد تموني صادقا أم کاذبا؟" دشمنوں کا جواب موصول ہوتا ہے: جربناک مرارا فما وجدناک إلا صادقا۔ اے لوگو! میں تمہارے اندر لمبا عرصہ رہا، لمبی عمر گزاری، بتاؤ! میں سچا آدمی ہوں یا جھوٹا؟ میں کیسا ہوں؟ جواب ملتا ہے: ہم نے بار بار آپ کو آزمایا، اور سچا ہی پایا۔ آپ نے کبھی جھوٹ اور غلط بات نہیں کہی۔ یہ ہے نبوت اور اس کے حاملین کے کردار واوصاف۔ "یا أھل الدنیا جیئوا بمثلہ بل لا تقدرون"۔

مکار انگریز خود تو مغضوب وضالین جہنمی ہی تھے، اس بیوقوف مرزا ناداں کے پیچھے پڑ گئے، اور اس کو اپنی عاقبت

کا اندازہ نہ ہوسکا۔ چار دن کی عیش و عشرت، چند ڈالروں، پونڈوں کے عوض اس کا خانہ خراب کیا، اور خسر الدنیا والآخرۃ کے گڑھے میں پھینک دیا۔ لا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

واقعہ:

ایک بلی کا گزر قصاب کی دکان پر ہوا، بڑے لوہے کا سوہان خون آلود پڑا ہوا تھا، بلی نے غنیمت جان کر اس کو چاٹنا شروع کیا، سوہان اس کی زبان کو کاٹتا رہا، اور اس کی اپنی زبان سے بکثرت خون جاری رہا، وہ بیوقوف خوشی خوشی میں چاٹتے ہوئے اپنی زبان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ یہ مرزا بھی مال اور دولت کے لالچ میں آ کر یہ نہیں سمجھا کہ اس قوم نے موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ غدر کیا، میرے ساتھ کیا وفا کرے گی؟ اس کی مثال اسی ناداں بلی کی ہے۔ کچھ نہیں پایا، سب کچھ کھو دیا، اور ضائع کیا، نعوذ باللہ۔

ایک قوم اتنی بے حیاء ہے کہ اس کی پارلیمنٹ میں (بے ادبی معاف) جنسی بے راہ روی اور زنا کا قانون تالیوں کی گونج میں پاس ہوتا ہے، اور اس کے نوجوان ماں اور بہنوں کے ساتھ بغیر روک ٹوک جنسی خواہشات پوری کرتے ہیں، ایسی بے حیاء قوم کو نبی و پیغمبر منتخب کرنے کا کیا جواز ہے؟ ہاں! یہ بات قابل غور ضرور ہے کہ جیسی قوم کے منتخب کنندگاں ویسا رہبر۔ پس خوردۂ سگ اوراشاید و باید۔ اللہ ربّ العزّت نے کیسے اس کو ذلیل فرمایا۔ بالکل پاگل ہوگیا تھا۔ ''حقیقۃ الوحی''، اور ''ازالۂ اوہام'' میں کہتا ہے: میں عورت ہوں، مجھے حیض کی بیماری ہے۔ آخر اسہال کے مرض میں مبتلا ہو کر بیت الخلاء میں مرگیا، اور فرش پر گر گیا۔ داڑھی، چہرہ، منہ، ناک سارے پلید ہوئے۔ ﴿فَاعْتَبِرُوْا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ [الحشر: ۲] (عبرت حاصل کرواے بصیرت والو) پڑھیے، واقعات اور عبرت حاصل کرلیں۔ ''نعوذ باللہ من غضبه وبطشه وعقابه''۔

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید ☆ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
یہ مرزا اگر ہوتا خدا کا نبی ☆ تو بیت الخلاء میں گر کر نہ مرتا کبھی

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝۷﴾

(یعنی ان خوش قسمت مقربین درگاہ اور محبوبین عزّت و پناہ لوگوں کے راستہ پر استقامت وہدایت کے ساتھ چلا جن پر تیرا ہر قسم کا انعام واکرام ہوا۔ (انعام واکرام میں عموم ہے کسی خاص نوع کی تخصیص نہیں وھوالمراد)) نہ ان لوگوں اور نافرمانوں کے راستہ پر جن پر تیرا قہر وغضب نازل ہوا، اور نہ ان لوگوں کا راستہ پر جو جادۂ ہدایت سے دور ہوئے، اور گمراہ ہوئے (ہدایت کے نور وبرکات سے محروم ہوئے)۔

مطلب یہ ہے کہ اے حمد وثنا کے مالک! اے رحمن ورحیم! اور بے پناہ عنایتوں کے داتا! اے روز جزا کے مالک! اے وہ کریم وعظیم معبود جو ہر عبادت واستعانت کا حقدار ہے! ہم تیرے بندے ہیں، تجھ سے صراط مستقیم (صراط اللہ) پر ہدایت واستقامت کے سائل وطلبگار ہیں، ہمیں اپنے محبوب ومقرب سند یافتہ چاروں گروہ کے صحیح وبرحق راستے پر چلا، اور ان کے شمع ہدایت والے صراط مستقیم پر چلا، جنہیں تو نے رشد وہدایت، انعام واکرام سے نوازا، جنہیں ساری خلقت کے لئے اعلیٰ نمونہ بنایا۔ نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر نافرمانی، اور شرک وکفر کی وجہ سے تیرے قہر وغضب کے پہاڑ ٹوٹے، اور وہ مقہور ومغضوب ہوئے، (خواہ وہ کوئی بھی ہوں)، اور نہ ان نافرمان گمراہوں کا راستہ جو جادۂ حق سے بھٹک کر دور ہوئے، اور تیری معرفت وفرمان برداری سے گم گشتہ ہوکر گمراہ وخوار ہوئے۔ [اللّٰھم اٰمین] اے ربّ! ہماری دعاء وطلب کو قبول فرما۔

؎ این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

فائدہ:

یہاں مُنعَمْ علیھم پر جن انعامات کے خزائن کے دروازے کھولے گئے ہیں، ان میں عموم کو برقرار رکھا گیا، ان ساری نعمتوں کا سوال ہورہا ہے، اور ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر جو قہر وغضب ہوا، اور جن معاصی وسیئات کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہوئے، اس کو بھی عموم پر رکھا، تاکہ طلب ہدایت اور استعاذہ میں عموم برقرار رہے۔ اور یہی مطلب ہے جس کا تذکرہ تسمیہ اور استعاذہ میں گزر گیا تھا، اور بندوں کو سورۃ الفاتحہ (جسے تعلیم المسئلہ بھی کہا گیا تھا) کے اندر یہی تعلیم دینا مقصود ہے، اور مؤمنین مخلصین کو ہدایت ہے کہ تمہاری مناجات جس ذات واحد لاشریک

عزّاسمہٗ کے حضور میں جاری ہے، وہ ہر چیز کا مالک وداتا ہے، اور ہر نعمت وخوشی دینے پر قادر وآمادہ ہے، اور ہر شر وبرائی سے بچانے پر قادر اور راضی ہے۔ غنیمت سمجھو، عموم انعام کا طلب کرو، اور ہر قسم کے شرور وفتن اور برائیوں سے پناہ ونجات مانگو، اور کہو:

اے اللہ العٰلمین اے بے نیاز	☆	دین ودنیا میں ہمارے کارساز
تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے	☆	تیرے ہی ہاتھوں میں خیر وجود ہے
رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا	☆	ہم اگر بھولے ہیں تجھ کو تو نہ ہم کو بھول جا
تو وہ داتا ہے کہ جو چاہے کرے	☆	جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہے اللہ	☆	تو کریم مطلق اور ہم ہیں گدا
رحم کر تو رحمتوں کا اہل ہو	☆	کر نظر تو شفقتوں کا اہل ہو
اور بچا گمراہیوں سے دے امان	☆	تیرے در کو چھوڑ کر جائیں کہاں

مغضوب علیہم سے یہود مراد ہیں۔ یہ ان میں حصر نہیں ہے، بلکہ قیامت تک جو لوگ آسمانی علم وہدایت کے باوجود راہ حق کو دیدہ ودانستہ چھوڑ کر عناد وضد اختیار کرتے ہیں وہ سب اس میں شامل رہیں گے۔ چونکہ یہود ان کے سرخیل رہے، اور رہتے ہیں، اس لئے بطور فرد کامل الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے ساتھ ان کی تخصیص احادیث وآثار میں ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل آنے والی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح الضَّآلِّيْنَ کی تفسیر جو احادیث میں نصاریٰ کے ساتھ ہے، وہ بھی بطور حصر نہیں ہے، چونکہ یہ لوگ اپنی بے علمی کی وجہ سے گمراہ ہوئے، اس لئے ان کی تخصیص باعتبار اکثریت وفرد کامل کی ہوئی، ورنہ اس سے مراد وہ سارے بے دین اور گمراہ لوگ ہیں جو قیامت تک آئیں گے۔ اس میں ہر قسم کے مشرک، بدعتی، کافر، بت پرست، ہندومت، بدھ مت، صابئین، مجوسی، آتش پرست، قادیانی، پرویزی، روافض اور وہ ظاہری مسلمان جو کہ برائے نام اہل قبلہ ہیں، شامل ہیں، یہ لوگ اسلام اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظریات "ما أنا عليه وأصحابي" اور دیگر دینی اعمال واقدار سے منحرف ہیں۔ اسی طرح اہلسنت والجماعت کے نظریات سے جو منحرف ہیں، اور جو شرک وبدعت، قبر پرستی وغیرہ شرکیہ اعمال اور بدعات میں ملوث ہیں، اور جو لوگ یہود ونصاریٰ کے گماشتے ہیں، اور ان کی ذیلی شاخیں ہیں، وہ

سب کے سب الضَّآلِّيْنَ کے افراد ہیں، خواہ وہ اپنا نام کچھ بھی رکھیں، اور عمامہ، عباء وقباء کچھ بھی زیب تن کریں۔کیا کسی بلی کی گردن میں خوبصورت بورڈ لٹکانے سے، جس پر یہ لکھا ہو: ''یہ ببر شیر ہے'' تو کیا وہ بلی محض بورڈ کی وجہ سے شیر بن سکتی ہے؟ اسلام اور شریعت ناموں اور القاب کا نام نہیں ہے، وہ ان چیزوں سے مستغنی ہے، اسلام دراصل عمل و کردار اور اتباعِ قرآن وسنت کا نام ہے۔دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خواجۂ دوجہان ﷺ تک سارے پیغمبر ''حضرت'' ہی ہیں۔سوا لاکھ صحابہ کرام ؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اور کروڑوں محدثین، مفسرین، فقہاء، علماء، ہمارے زمانے تک، اور پھر إلٰی یوم القیٰمۃ ان سب کے لئے عزّت وشرف کا لقب صرف ''حضرت'' کا لفظ ہے۔انگریزوں کو جن لوگوں سے کام لینا ہوتا ان کو پیسوں کے علاوہ بڑے بڑے القاب سے نوازتے تھے، جیسے اعلیٰ حضرت، شمس العلماء، سردار خان بہادر، وغیرہ القاب سے۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اور یہ القاب اس لئے عطا ہوتے تھے کہ یہ ان کی خدمات کا صلہ ہے، جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد جیسے عظیم اسلامی عمل کو موقوف کرنے کا فتویٰ دیدیا، اور رسالہ لکھا: ''إعلام الأعلام بأن هندوستان دار الإسلام'' حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، اور دوسرے تمام علماء برصغیر نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر انگریزوں کے خلاف جہاد کا حکم وفتویٰ جاری کیا تھا۔ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق انگریزوں نے اعلیٰ حضرت کی خدمات حاصل کیں ،اور ایک جدید شرکی وکفری نظام کی ترویج وبنیاد رکھدی۔مقصد افتراق بین المسلمین تھا، اور جہاد کے خلاف مذکورہ رسالہ لکھ کر اعلیٰ حضرت نے فتویٰ دیدیا اور ہندوستان پر دار الاسلام ہونے کی لاحاصل سعی کر کے مسلمانوں کو جہاد سے منع کیا، اور اسی کے ساتھ یہ فتویٰ بھی جاری کیا کہ جب تک حرمین شریفین پر وہابیوں کی حکومت ہے تمام عالم اسلام حج موقوف رکھیں، وغیرہ وغیرہ۔انہیں خدمات کے صلے میں انہوں نے حضرت سے ترقی کر کے ''اعلیٰ حضرت'' کا لقب حاصل کیا، اور عالم اسلام کے لئے دردسر بن گئے۔

ایک طرف سے مرزا قادیانی، دوسری طرف سے اعلیٰ حضرت نے ترک جہاد کا فتویٰ صادر فرما کر برطانیہ کو خوش کرنے کی ناکام کوششیں شروع کیں، اور ہندوستان بقول ان کے دار الاسلام ہے۔انگریزوں کے خلاف جہاد ممنوع اور اسلام کے خلاف بغاوت ہے، اس کی تائید میں ''سر'' کا خطاب پانے والا سر سید احمد خان بھی حق نمک ادا کرنے پر

اتر آیا۔وہ بھی یہی کچھ کہتا رہا، اور دلیل یہ پیش کی کہ اب تبلیغ اسلام کیلئے صرف قلم کا زمانہ ہے، خوب کتابیں لکھیں ،اوراخبارات میں اسلامی تبلیغی مضامین شائع کریں، جہاد کی ضرورت ہی نہیں، اس کا زمانہ گزر گیا۔تو علامہ اقبال مرحوم نے ان تینوں انگریزی دال خوروں کو یوں جواب دیا:

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے ☆ دنیا میں رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟ ☆ مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر
تیغ وتفنگ دست مسلماں میں کہاں ☆ ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل ☆ کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر!
تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی ☆ دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال وفکر کی حفاظت کے واسطے ☆ یورپ ذرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر!
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے ☆ مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات ☆ اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگذر

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ نے علامہ اقبالؒ پر کفر کا فتویٰ جاری کیا (ملاحظہ ہو'تجانب اہلسنت') شیخ نے مشرق واسلام کا محاسبہ تو شروع فرمایا کہ خبردار جہاد ممنوع ہے، مگر مغرب کہ جس سے پوری دنیا کو خطرہ ہے، اس کو کھلی چھٹی دیدی کہ وہ جو چاہے کرے۔اگر سارے جہاں کو بھسم کر کے رکھ دے اس پر گرفت نہیں۔یہ شیخ کا عجیب یک طرفہ فتویٰ ہے، مگر شیخ بیچارہ معذور ہے، آخر جس کا کھائے اس کا گائے تب صحیح ہوگا۔جب نمک حرامی سے انسان بچنے کی کوشش کرے گا بقول حضرت علامہ اقبال مرحوم کے:

؎ یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے ☆ گلیم بوذر دلق اویس وچادر زہرا

دوسری طرف جعلی نبوت کا شوشہ چھوڑا گیا، جو تاریخ کا حصہ بن گیا، اور تمام عالم اسلام اس کی سزا بھگت رہا ہے۔اس سے پہلے بھی سو(۱۰۰) کے قریب جھوٹے مدعیان نبوت یا مدعیان الوہیت اور مسیح موعود یا مہدویت کے مدعیان مختلف زمانوں، مختلف علاقوں میں آتے رہے، اور پذیرائی نہ ہونے، اور مملکتی وسرکاری حمایت اور سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے جلدی ختم ہو گئے۔آتے رہے، اور رخت سفر باندھ کر جاتے رہے۔جہنم رسید ہوتے گئے، مگر اس دفعہ ایسا نہیں

ہوا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، بلکہ انگریزوں کی باقاعدہ منصوبہ بندی اور منظم سازش کے تحت ایک شجرہ خبیثہ ومنحوسہ پودا، ازلی شقی مرزا غلام قادیان کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس میں وہ ساری منحوس علامات موجود تھیں جو انگریزوں کو مطلوب تھیں، آہستہ آہستہ نگرانی کرتے رہے، اور ترقی دیتے رہے، اس شجر ممنوعہ کی آبیاری کرتے رہے۔ پہلے اسے ایسا سچا مخلص اور مذہبی شخصیت عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بناتے رہے جس کی مثال نہ ہو، دوسرے مرحلے پر ولی کامل، قطب زمان، غوث دوران بننے کی تیاری کرکے اس کی پرورش کی۔ تیسرے مرحلے پر مہدی موعود بنے اور چوتھے نمبر پر ظلّی بروزی نبی بن گئے۔ پانچویں مرحلے پر آدم، عیسیٰ، موسیٰ، نوح، سلیمان بننے کا جھوٹا دعویٰ کیا، پھر محمد واحمد بننے کا جھوٹا دعویٰ کیا، اور کہنے لگا: میں تو ان سے بھی افضل ہوں، اس کے معجزات تین ہزار اور میرے دس لاکھ ہیں۔ [تحفہ گولڑویہ ص ۶۷۔ براہین احمدیہ ص ۵۷] پھر کہنے لگا: خدا ہوں، عرش سے اتر کر آیا ہوں، خدا نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ [دافع البلاء۔ ص ۶] اس طرح وہ سب کچھ کہا جو نہیں کہنا چاہئے تھا۔

جس قوم نے اس کی سرپرستی کی وہ تو تھے ہی مغضوب علیہم اور ضالین، مگر اس کی دنیا وآخرت اور اس پر ایمان لانے والوں کی آخرت تباہ کی۔ پہلے کچھ انگریز اس پر ایمان لائے، اور دکھاوے کے طور پر اس کی نبوت کی تصدیق کی۔ یہی یہودیت ونصرانیت کا ہمیشہ شیوہ رہا ہے، جس پر تاریخ گواہ ہے۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ کہنے لگا:

؎ منم مسیح زمان ومنم کلیم خدا ☆ منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد

اے خبیث! انگریزوں کا پروردہ کاسہ لیس! تم نے خود کو محمد واحمد کے ساتھ برابری کا کہا۔ اے شقی، ازلی بدبخت! تم تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ثناء اللہ امرتسری (جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے غلام تھے) کا نام سن کر تمہارا پیشاب خطا ہوتا تھا، اور ان کا سامنا نہیں کر سکتا تھا، ان کا نام سن کر بیت الخلاء میں چھپ جاتا۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی کی کہ تمہاری موت بیت الخلاء میں ہوگی، اور ہوا بھی ایسا۔ مرزا کی موت ہیضہ کی بیماری میں بیت الخلاء کے اندر ہوئی، اس حال میں کہ دونوں راستوں (پیچھے کے راستے اور منہ) سے پاخانہ جاری رہا۔ مر کر سیدھا جہنم کے سخت ترین عذاب بیت الخبال پہنچ گیا۔

کہتے ہیں کہ نصیر الدین طوسی شیعی مجتہد جس نے تجرید العقائد کتاب لکھی، اور اس میں پوری جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کفر وارتداد اور نفاق کا فتویٰ جاری کیا، اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں بکواس کی۔ جب اس

شیعی محقق کی موت آ پہنچی تو پاخانہ منہ سے نکلنا شروع ہو گیا، وہ سراسیمگی کے عالم میں حاضرین سے پوچھنے لگا: ''این ست چہ لید؟'' یہ کیا ناپاکی اور نجاست ہے جو میرے منہ سے بہہ رہی ہے؟ حاضرین میں ایک سمجھدار شخص نے جواب میں کہا کہ کیا تعجب ہے ''کہ این آنکہ خوردہ در تجرید'' یہ وہ گندگی ہے جو تم نے تجرید میں کھائی تھی۔ ارمان نہ کرو کہ پوری برگزیدہ جماعت پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ مرزا کا بعینہٖ یہی حشر ہوا، اور مر گیا۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حیاً و میتاً پاکیزہ ہوتے ہیں، نظرِ عنایت ربانی ہر وقت ان کی پاکیزگی کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ آخر ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے کہ جب وہ زندگی بھر گوہ کھاتے پھرتے ہیں تو تازیانۂ عبرت عندالموت ان کا تعاقب ہی کرے گا، اور بس۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مرتبہ و شان منصب و مقام اتنا بلند و بالا ہے کہ آپ ﷺ خلاصۂ کائنات ہیں، سارے مقدس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام و پیشواء ہیں، ساری خلقت سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جس اونٹنی پر سواری کی ہے ان سواری کے ناک پر گرد و غبار جو لگا ہوا ہے تم تو کسی حساب میں نہیں ہو، مگر وہ گرد و غبار مقربین درگاہ کی آنکھوں سے بھی افضل ہے۔ حضرت جبرئیل امین سید الملائکہ فرماتے ہیں میں پَر مار کر آسمانوں، زمینوں، مشارق و مغارب کا گشت لگا لگا کر دیکھتا رہا، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ساری خلقت سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ افضل ہیں، اور اس کی نظیر اور مثال ساری خدائی میں نہیں دیکھی۔ علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرات سبکی، سہیلی، قسطلانی اور سیوطی رحمہم اللہ کی طرح نہیں، بلکہ سخت گیر موقف رکھتے ہیں۔ مناقب و فضائل کے اتنے قائل نہیں، مگر وہ بھی منہاج السنۃ میں اس کہنے پر فرحان و شادان ہیں، اور کہتے ہیں کہ زمین کا وہ بقعہ ٹکڑا جس میں جناب سید الانبیاء ﷺ کا جسد اطہر موجود ہے، یہ قطعہ عرش الٰہی سے بھی افضل ہے۔ حضرت سید الکونین ﷺ کے ساتھ کسی مخلوق کے لئے خواہ وہ کوئی بھی ہو، کسی کی برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس کی یہ شان واضح و مسلم ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس کو ربّ العزت عزّ مجدہ نے پورے قرآن حکیم میں ''یا محمد'' کہہ کر خطاب نہیں فرمایا، بلکہ ﴿یَآاَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یَآاَیُّهَا النَّبِیُّ، یَآاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یَآاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ کہہ کر خطاب فرمایا۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو نام لے کر خطاب فرمایا۔ دیکھیں! فرمانبردار اولاد ادب و احترام کے ساتھ کبھی والدین کا نام لے کر خطاب نہیں کرتی، بلکہ ابا جان، اماں جان کہہ کر، اسی طرح استاد کا شاگرد اور پیر کا مرید احترام کرتا ہے۔ اور جس کا ادب و احترام ربّ العزت عزّ سبحانہ کے

ہاں اتنی مثالی ہواس کے ساتھ مقربین درگاہ الٰہی کی برابری نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ کسی پڑی کے شوربا سے مماثلت "لاحول ولاقوۃ إلاباللہ العلي العظیم"۔ ناپاک انگریز اور ان کے ناپاک گماشتے سنئے کیا کہتے ہیں: حق نمک ادا کرتے ہوئے میری عمر کا اکثر حصہ سلطنت انگریزی کی تائید وحمایت میں گزرا ہے، اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات طبع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ [تریاق القلوب، مرزا غلام ص ۲۵] اور یہ بھی لکھتا ہے کہ میں انگریز کا خودکاشتہ پودا ہوں۔ [تبلیغ رسالت ج ۷ ص ۱۹]

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ خواجۂ عالم ﷺ کے متعلق کہتے ہیں:۔

ہر چند کہ وصفت میکنم لیکن ازان بالاتری

اے چہرہ زیبائے تو رشک بتان دلبری

جس ذات اقدس کی مداح خود ذات پاک ربّ العلمین ہو، اس کے ساتھ کسی خاص ہستی کی برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چہ جائیکہ کسی انگریزی غلام کا تصور ہو۔ اور آنحضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے مجموعی کمالات کا کیا کہنا۔ ان کا احصاء واحاطہ ممکن ہی نہیں۔ صرف ایک معجزہ قرآن حکیم کو لیجئے، جس نے اپنی کسی مختصر سورت کی نظیر ومثال پیش کرنے سے سارے جہان کے فصحاء، شعراء، بلغاء، کو عاجز کر دیا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست ☆ کتب خانۂ چند ملت بشست

(شیخ سعدی)

اُمی ہوتے ہوئے علم وادب کے وہ وہ سمندر تیار کئے جنہیں چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سارے چار دانگ عالم میں وہ علوم ومعارف پھیلائے جن کا کوئی تصور نہیں کرسکتا تھا۔ علوم ومعارف کے وہ خزانے ظاہر کئے جنہیں کوئی سوچ نہیں سکتا تھا، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کیا تھا۔ سارا جہان ایک قبرستان کا منظر پیش کرتا تھا، آج سارا جہان علوم ومعارف کا اگر گہوارہ نظر آتا ہے، خواہ یورپ یا افریقہ وایشیا کا موجودہ تمدن کیوں نہ ہو، یہ سب کچھ آپ ﷺ کی بدولت معرض وجود میں آیا۔ یہی مغرب جسے اپنے علوم وایجادات پر ناز ہے، یہ سب خواجۂ دو جہان ﷺ کی برکت اور طفیل سے ہے، ورنہ چند صدی پہلے یہ لوگ ایک ماچس بنانے پر قادر نہیں تھے۔ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے

سارا جہان حیوانیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات نے جہان والوں کو انسانیت اور انسانی اقدار سے متعارف کرایا۔ آپ ﷺ کی آمد سے دنیا کا اجڑا ہوا جنگل حسین وخوبصورت باغوں کا منظر پیش کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے حیوانوں سے انسان تیار کئے۔ شتر بانوں کو فرشتوں سے ملایا، صحرا نشین جہلاء عرب کی نسلوں کو حکمرانی سکھائی، جنہیں محفلوں میں جھوٹ اور بدکلامی کے سوا کچھ معلوم نہیں تھا، انہیں وہ اعمال حسنہ واخلاق حمیدہ سکھائے جن پر آسمانی مخلوق رشک کرنے لگی۔ اور جو انسان جانوروں سے بدتر تھے جن کا تعلق اور رابطہ ملاء اعلیٰ سے کٹ چکا تھا انہیں ربّ العزّت سبحانہ کے ساتھ ایسا جوڑا کہ جن پر الہامات کے دروازے کھل گئے۔ ظالموں کی نسل میں ایسے حکمران پیدا ہوئے جن کی حکمرانی چاروں براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی، اور وہ پیاز سرکہ دال میں روٹی کھا کر ایک جوڑا معمولی لباس میں گزارہ کرنے لگے۔ سارے رعایا میں ایسا عدل وانصاف پیدا کیا جسے جنگل کے بھیڑیئے دیکھ کر وہ بھی کسی بکری پر دست اندازی چھوڑ کر ان کی نگہبانی کرنے لگے۔ مالدار زکوٰۃ کا پیسہ لے کر فقیروں کی تلاش میں نکلتے تھے، شام کو واپس حسرتوں کے ساتھ گھر لوٹتے تھے، کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ غنی وفقیر دونوں متقی حیادار ہوتے تھے۔ شام سے حجاز تک، حجاز سے یمن تک تنہا اکیلی مالدار عورت جواہرات سے لدی ہوئی چلتی تھی، سوائے ربّ العزّت سبحانہ کے اور کسی کا خوف ان کے دلوں میں نہیں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے وہ امت اور رجال کار پیدا کئے جن پر صرف وحی نہیں آئی، باقی تمام صفات وکمالات ان میں پیغمبروں کے ہوتے تھے۔ "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل"۔ تاریخ اسلام کا مکمل مطالعہ کر کے دیکھیں آپ ﷺ کا پلہ ہر میدان میں بھاری نظر آئے گا۔ یہود ونصاریٰ اور دیگر اقوام عالم قحط الرجال کے دلدل میں پھنسی ہوئی سرگردان ہیں۔ جہاں میں، جس وقت، جس خطے میں، جس میدان میں اگر کوئی جوہر پیدا ہوا تو وہ آپ ﷺ کی بدولت، اسلام کی بدولت، سید الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس، اور آپ ﷺ کی تعلیمات، اور قرآن وسنت کی بدولت پیدا ہوا۔ ایک طرف سے اسلامی شہسوار مجاہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین وتبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین کرام، مفسرین قرآن، فقہاء کرام، صوفیاء کرام، عباد وزہاد، خطباء، مبلغین، علماء، مصنفین، مؤلفین، شعراء، مؤرخین، ادباء، مناظرین، متکلمین، اطباء، حکماء، اور بھی بہت سے جوہر جن کی بڑی اور لمبی فہرست اور داستان ہے۔ ان کے کارنامے اور محیر العقول طوق بشر سے زیادہ بے حساب کارنامے اور کردار ہیں۔

خدا کی قسم! انہوں نے ہر میدان وہر شعبہ میں وہ کارنامے انجام دیئے ہیں، اور علم وادب سنت وعمل کے

میدانوں میں وہ کچھ کر کے دکھائے ہیں کہ شاید دنیا کیا آسمانی فرشتوں کے بس میں بھی نہ ہو۔اور چند ایک امراء ورؤساء، وزراء، وسلاطین، ایسے نابغۂ روزگار اور نمونۂ روزگار بھی گزرے ہیں جن کے عدل وانصاف اور تقویٰ طہارت واخلاق فاضلانہ، رعایا پروری اور اتباع سنت مشہور ومعروف اور پوری انسانیت کے لئے قابل فخر ہے۔

بدنام زمانہ دشمن انسانیت سفاک ہلاکو اور چنگیز کا نام سن کر قیامت یاد آتی ہے، ان کے ظلم وخونریزی سے صدیوں تک پورا خطہ لرزتا رہا، اور زمین سے بے گناہ انسانوں کے خون کی سرخی محو نہیں ہوئی، مگر قدرت الٰہی دیکھیں۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

انہیں خونخوار درندوں کی نسل میں ربّ العزّت نے کیسے فرمانروا بادشاہ پیدا کئے؟ جن کے عدل وانصاف اور پارسائی پر آسمانی فرشتوں کو رشک آیا۔خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے عہد رسالت اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، رفاقت، معجزات، اعمال، طاعات، برکات کا مطالعہ کیا تھا، اور صحبت نبوی کے تربیت یافتہ تھے۔قدم قدم پر صحبت کے فیوض وبرکات نے ان کی تربیت اور ذہن سازی فرمائی تھی۔مگر نبوت عامہ اور اس کے فیوض وبرکات نے دور افتادہ پراز جہالت خطے کے ایک خونخوار بے رحم نسل کے اندر ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا، جن پر تمام ملت اسلامیہ بھی فخر کرے۔ کابل سے برما تک جن کی حکمرانی تھی، ایک بڑے خطے کے واحد تاجدار بادشاہ تھے۔ حافظ قرآن اور محافظ قرآن تھے، چوٹی کے عالم، مفسر ومحدث، اور فقیہ تھے، تہجد گزار اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔نماز جمعہ کا خطبہ اور ماہ رمضان میں نماز تراویح کی امامت خود کرتے تھے، پچاس سال مسلسل تخت وتاج کے وارث بنے رہے۔ چھ ماہ تک ملک کے سرکاری خزانوں کے سونا چاندی کا مسلسل وزن ہوتا رہا، مگر مکمل نہیں ہوا۔بالآخر حکم ہوا کہ بس کرو رہنے دو۔ ان کے گھریلو اخراجات ان کے اپنے ہاتھ کی محنت ومزدوری سے بمشکل پورے ہوتے تھے۔سلطنت کے امور خود انجام دیتے تھے، فرصت کے اوقات میں اپنے ہاتھ کی خوشخطی سے پورا قرآن مجید لکھتے تھے، اور ٹوپیاں سی کر ان سے گھریلو اخراجات پورے کرتے تھے، مملکت وخزانہ سے کوئی وظیفہ قبول نہیں کرتے تھے۔بار بار حج بیت اللہ کی تمنا واشتیاق میں تڑپ تڑپ کر روتے تھے، اور مزدوری کی رقم سے کوئی بچت نہ ہوئی۔نوے سال کی عمر میں وفات پائی مگر حج نہ کر سکے۔

فتاویٰ عالمگیری کو چار سو علماء کرام کی کمیٹی تشکیل دیکر مرتب کرایا۔اس کمیٹی کے ممبران میں حضرت شاہ عبدالرحیم

بھی تھے، جوراز دان شریعت سید الاولیاشاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد تھے۔ یہ فتاویٰ عالمگیری ان کے ملک کے پچاس سالہ دور حکومت، اور اس کے بعد کافی عرصہ قانون ونظام اور آئین بنا رہا۔ بادشاہ کے بھائی نے ایک بے گناہ شخص کا قتل کیا تھا انہوں اپنے بھائی کو قصاص میں قتل کرایا۔ اس سے پہلے احمد آباد گجرات کے بادشاہ عادل احمد شاہ نے بھی ایک شخص کے قصاص میں اپنے بیٹے کو مارڈالا تھا۔ یہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ یہ فرشتوں والے کام کس نے انجام دیئے؟ یہ سب کس کے کہنے اور اشارے پر ہوا؟ جواب آسان ہے، یہ سید الکونین سرور انس وجن وملائکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات اور تعلیمات کے نتیجے میں ہوا۔ یہ بادشاہ خلیفۂ راشد سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر تھے۔ علامہ طنطاویؒ جوہری نے انہیں چھٹا خلیفۂ راشد کا لقب دیا ہوا ہے۔ رحمہ اللہ

اقوام عالم کسی بھی میدان میں ان کارناموں کا عشرعشیر بھی پیش نہیں کرسکتیں۔ علمی میدان میں قرآن حکیم کی تفاسیر کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ کتب حدیث وفقہ اسماء رجال وکتب تاریخ وفتاویٰ، کتب فنون مختلفہ مختلف حیثیتوں میں ان کی تعداد کروڑوں میں ہے، اور ان نادرِ روزگار علماء وصلحاء اور صوفیا کی تعداد اربوں میں ہے۔ یہودیت ونصرانیت کوئی مثال اور نمونہ پیش نہیں کرسکتی، اور ہر میدان میں ان کی حیثیت صفر کی ہے۔ ہاں! بے دینی وگمراہی، خدااور رسول دشمنی، خون خرابہ، فساد، ظلم، تعدّی، بے انصافی، بے حیائی، بے غیرتی، اور ناحق شناسی، حرام خوری، وغیرہ شیطانی اعمال میں تمام اقوام عالم میں پیش پیش ہیں۔ کوئی اچھا عمل اور کار خیر نہیں جسے انہوں نے اپنایا ہو، اور کوئی برائی ایسی نہیں جسے انہوں نے نہ اپنائی ہو۔ لہٰذا اہل اسلام تو الحمد شریف صبح وشام نمازوں میں ہر رکعت کے ساتھ زبان سے تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ مغضوب وضالین قوموں سے اللہ تعالیٰ شانہ کی پناہ طلب کرتے رہتے ہیں، مگر چونکہ عملی طور پر ان کے اعمال خبیثہ سے اجتناب نہیں کرتے، اس لئے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اگر مسلمان قوم قولاً وعملاً دونوں طریقوں سے اللہ پاک کی پناہ میں آجائیں، توکوئی وجہ نہیں کہ ہم ان سے مغلوب ہوجائیں، اور وہ ہم پر غالب ہوں۔ اے اللہ! ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔ آمین

ایک زمانہ ایسا دیکھنے میں آیا کہ مسلمانوں کی پوری آبادی، اور ان کی طرز زندگی ایسی قابل رشک تھی، اور پورا معاشرہ قرآن وسنت کی نظیر معلوم ہوتا تھا۔ علم وعمل اتنا عام تھا کہ جنگل کا چرواہا بھی تہجد گزار ہوتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ آسمان کے فرشتے بشکل انسان زمین پر اتر آئے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے، کہاں شیطان اور اس کے حواری یہود ونصاریٰ یہ منظر

برداشت کرتے۔جس منحوس قوم نے چار ہزار پیغمبروں کی تکذیب کی، اور بعض کو شہید کیا، اس کی خونخواری ضرب المثل ہے۔اگر کسی کو یقین نہیں آتا تو آج کی دنیا کو دیکھے، تو اسے یقین آجائے گا۔دشمن نے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر جو کچھ کیا ہوا ہے تو وہ ماتم سے کم نہیں، اور آج تک ان کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری ہے، اور پورا عالم اسلام یتیم نظر آتا ہے۔ماتحت الاسباب کوئی روشنی نظر نہیں آرہی۔ہم اب بھی ہوش کے ناخن لینے پر تیار نہیں۔ایک ناموس رسالت کا قانون ہے اسے بچا نہیں سکتے، عاجز ہیں، جبکہ انہوں نے اسکارف (دوپٹہ) پہننے پر بھی پابندی لگادی، اور مسجدوں کے میناروں پر قدغن لگائی، اور ایک صدی پہلے وہابی وہابی کارٹ لگا کر اپنے مذموم مقاصد پورے کئے۔موجودہ صدی میں دہشت گردی کا شوشہ چھوڑ دیا۔آئے دن مصائب میں اضافہ ہو رہا ہے، ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی ہے۔

جب بھی میں کہتا ہوں یارب تو ہمارا حال دیکھ ☆ حکم ہوتا ہے تو اپنے نامۂ اعمال دیکھ

اعمال ہمارے ان سے بھی بدتر ہیں، جب تک ہم اپنے اعمال پر نظر ثانی نہیں کریں گے، اور سارے مسلمان مل کر بیک جذبہ اسلامی اعمال و اخلاق نہیں اپنائیں گے، ہمارا انجام یہی رہے گا، بلکہ اور بھی بدتر ہوگا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے ☆ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

فإلى الله المشتكى

اگر ربّ العزّت کسی قوم کی مدد و نصرت فرمائے گا تو اس کیلئے اولین شرط یہی ہوگی کہ وہ قوم اس کی مکمل غلامی اور فرمانبرداری قبول کرے ﴿وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾[آل عمران: ۱۳۹] (تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سربلند رہو گے) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ﴾[الرعد:۱۱] (بیشک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے)۔ اس کے علاوہ مختلف آیات اور احادیث مبارکہ اس پر شاہد و گواہ ہیں کہ نصرت الٰہی مشروط ہے، غیر مشروط نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔آمین۔

وعدۂ غلبہ ہے مؤمن کیلئے قرآن میں ☆ پھر جو غالب نہیں کچھ ہے کسر ایمان میں

ہو جو ایمان کا اثر اعضاء میں دل میں جان میں ☆ حسب قرآن سب سے اعلیٰ تو ہی پھر ہر شان میں

اب اختصار کے ساتھ ان خبیث و مردود دجالوں کذابوں کی فہرست برائے معلومات و عبرت پیش کرتے

ہیں، جنہوں نے عہد رسالت سے لے کر ہمارے زمانے تک مختلف اوقات میں اور متعدد ومختلف علاقوں میں الوہیت، نبوت، مسیحیت، اور مہدویت کے باطل وجھوٹے دعوے کئے ہیں، اور ان پر قہر وغضب الٰہی کا نزول ہوا ہے۔ یہ جتنے جھوٹے مدّعیان الوہیت ونبوت وغیرہ جوگزرے ہیں، دراصل یہ سارے یہود ونصاریٰ کے گماشتے اور شجرۂ خبیثہ کے پودے ہیں، مگر انگریزی اقتدار سے چونکہ باہر گزرے ہیں سوائے مرزا قادیانی ملعون کے، اس لئے جلدی تباہ ہو چکے ہیں۔ مرزا ملعون کی امت کو آج تک انگریز تحفظ دے رہا ہے، اس لئے یہ ختم نہیں ہوا۔ ''اللّٰھم شتت شملھم و فرق جمعھم و خرب بنیانھم''۔

نمبر شمار	نام	شہر ملک	سن	دعویٰ
۱	صاف بن صیاد	مدینہ منورہ	۲ ہجری	نبوت
۲	اسود بن کعب عنسی	یمن	سنہ ۶ ھ	نبوت
۳	طلیحہ بن خویلد اسدی	خیبر	سنہ ۸ ھ	نبوت
۴	مسیلمہ بن کبیر کذاب	یمامہ	سنہ ۱۰ ھ	نبوت
۵	سجاح بنت حارث	الجزیرہ	سنہ ۱۰ ھ	نبوت
۶	مختار بن ابی عبید ثقفی	کوفہ	سنہ ۶۴	نبوت
۷	حارث کذاب	دمشق		نبوت
۸	بیان بن سمعان تمیمی	کوفہ	سنہ ۹۶ ھ	
۹	ابو منصور عجلی	کوفہ	سنہ ۱۲۰ ھ	نبوت
۱۰	مغیرہ بن سعد عجلی	کوفہ	سنہ ۱۲۹ ھ	نبوت
۱۱	صالح بن طریف	اندلس	سنہ ۱۳۰ ھ	نبوت
۱۲	محمد بن فلاس	کوفہ	سنہ ۱۳۴ ھ	نبوت
۱۳	اسحاق اخرس	مراکش	سنہ ۱۳۵ ھ	نبوت

۱۴	حرب بن عبداللہ	بغداد	۱۳۸ھ	مسیح موعود
۱۵	حکیم مقنع	بغداد	۱۴۸ھ	نبوت
۱۶	استاد سیس خراسانی	ایران	۱۵۴ھ	نبوت
۱۷	بابک بن عبداللہ خرامی	بغداد	۲۰۰سنہ	الوہیت
۱۸	ابوعیسی بن یعقوب	اصفہان	۲۱۸سنہ	نبوت
۱۹	علی بن محمد عبدالرحیم	بحرین	۲۴۹سنہ	نبوت
۲۰	یہود بن ابان	بحرین	۲۶۰سنہ	نبوت
۲۱	ابوالعباس	قاہرہ مصر	۲۹۸سنہ	نبوت
۲۲	ابوجعفر محمد بن علی شلفانی		۳۰۰سنہ	مسیح موعود
۲۳	عبداللہ بن احمد ذکرویہ	مصر	۳۰۱سنہ	مسیح موعود
۲۴	موطی	سوڈان	۳۱۶سنہ	مسیح موعود
۲۵	ابومحمد حامیم	افریقہ	۳۱۳سنہ	مسیح موعود
۲۶	احمد بن کیال	افغانستان	۳۱۶سنہ	مسیح موعود
۲۷	تنجیت (عورت)	افریقہ	۳۱۸سنہ	مسیح موعود
۲۸	جوع (عورت)	افریقہ	۳۲۲سنہ	مسیح موعود
۲۹	الحاکم خلیفہ فاطمی	مصر	۴۱۰سنہ	الوہیت
۳۰	حمزہ زوزنی	مصر	۴۱۱سنہ	نبوت
۳۱	سکون بن ناطق	مصر	۴۲۶سنہ	مظہر خدا
۳۲	اصغر بن ابوالحسن تغلبی	خران	۴۴۹سنہ	مسیح موعود
۳۳	بہاء فرید بن ماہ قزوین	نیشاپور	۴۴۲سنہ	نبوت

۳۴	ابوعبداللہ بن شباس	صیمرہ	۴۵۰؁	الوہیت
۳۵	ابن تومرت	مراکش	۴۵۰؁	مہدی موعود
۳۶	محمد بن عبداللہ عاضد	قاہرہ	۴۵۰؁	مہدی موعود
۳۷	حسین بن ہمران	عراق	۴۸۳؁	نبوت
۳۸	ابوالحسن علی عنبر شمیم	بغداد	۴۸۰؁	الوہیت
۳۹	محمود واحد گیلانی	عراق	۶۰۰؁	نبوت
۴۰	قطب الدین احمد	افریقہ	۴۵۵؁	نبوت
۴۱	رشید الدین ابوالحشر سنان	شام	۶۵۷؁	مظہر خدا
۴۲	احمد بن بلال	دمشق	۷۸۰؁	نبوت
۴۳	سید محمد جونپوری	ہندوستان	۸۴۰؁	مہدی موعود
۴۴	بایزید عبداللہ انصاری	ہندوستان	۹۵۵؁	نبوت
۴۵	جان محمد فرہی	سندھ	۸۸۷؁	مسیح موعود
۴۶	شیخ محمد فرہی	سندھ	۸۹۵؁	مسیح موعود
۴۷	احمد بن عبداللہ عباسی	مراکش	۹۷۰؁	مہدی موعود
۴۸	میر محمد نور بخش جونپوری	گجرات	۹۸۰؁	مہدی موعود
۴۹	احمد بن علی محیرتی	یمن	۱۰۴۰؁	مہدی موعود
۵۰	محمد بن عاصم لزمک	کردستان	۱۰۷۰؁	مہدی موعود
۵۱	محمد بن عبداللہ ترکی		۱۰۷۵؁	مہدی موعود
۵۲	سیوی یا سباتانی	ترکی	۱۲۶۷؁	مسیح موعود
۵۳	میر محمد حسین مشہدی	ایران	۱۲۶۷؁	مسیح موعود

۵۴	علی محمد باب	ایران	سنہ ۱۱۷۸	مامور من اللہ
۵۵	قرۃ العین طاہرہ	ایران	سنہ ۱۲۵۰	مظہر فاطمہ
۵۶	صبح ازل یحیٰ نوری	ایران	سنہ ۱۲۵۰	مامور من اللہ
۵۷	بہاء اللہ نوری	ایران	سنہ ۱۲۷۰	مامور من اللہ
۵۸	ملا محمد علی بارفروش	ایران	سنہ ۱۲۷۲	مامور من اللہ
۵۹	مؤمن شاہ بخاری	ایران	سنہ ۱۲۸۰	مظہر من اللہ
۶۰	محمد احمد مہدی	سوڈان	سنہ ۱۲۸۰	مہدی موعود
۶۱	مرزا غلام قادیانی	قادیان	سنہ ۱۹۰۱ء	ستر (۷۰) دعاوی
۶۲	چراغ دین کشمیری	جموں	سنہ ۱۹۰۳	نبوت
۶۳	عبداللہ تیماپوری	حیدرآباد	سنہ ۱۹۰۴	نبوت
۶۴	عبداللہ پٹواری	چیچہ وطنی	سنہ ۱۹۰۷	نبوت
۶۵	احمد سعید قادیانی	سمبڑیال	سنہ ۱۹۷۷	نبوت
۶۶	حمد نور سرمہ فروش	قادیان	سنہ ۱۹۱۸	نبوت
۶۷	یحیٰ عین اللہ	بہار	سنہ ۱۹۲۰	نبوت
۶۸	خواجہ اسماعیل	لندن	سنہ ۱۹۳۰	نبوت
۶۹	منشی ظہیر الدین اروپی	گوجرانوالہ	سنہ ۱۹۰۶	مظہر یوسف
۷۰	عبداللطیف گناچور	گجرات	سنہ ۱۹۱۰	مہدی موعود
۷۱	نبی بخش قادیانی	معراجکی	سنہ ۱۹۱۱	مأمور من اللہ
۷۲	فضل احمد چنگا	راولپنڈی	سنہ ۱۹۲۴	مسیح موعود
۷۳	تموتی عرف کارڈیوھی لاطینی	امریکہ	سنہ ۱۹۲۴	مسیح موعود

۷۴	صدیق دیندار	حیدرآباد	۱۹۱۰	متعدد دعاوی
۷۵	عالی جاہ محمد	امریکہ	۱۹۵۲	مہدی موعود
۷۶	بشارت احمد مالوکے	سیالکوٹ	۱۹۷۷	مہدی موعود
۷۷	محمد ومروا	نائجیریا	۱۹۸۱	مہدی موعود
۷۸	محمد علی غازی	شیخوپورہ	۱۹۸۳	نبوت
۷۹	غلام فرید ککلہ ہزارہ		۱۹۸۳	نبوت
۸۰	بشیر احمد	خیر پور سندھ	۱۹۸۴	مہدویت

[دینی دسترخوان۔جلد اول]

یہ چند نام ابناء الشیاطین ننگ انسانیت کے لکھ دیئے، اللہ ربّ العزّت سبحانہ کی بے شمار لعنت ان خبیثوں پر اور ان کے متبعین پر ہو۔ان کے علاوہ انیس بیس نام اور بھی ہیں، انہیں ترک کر دیا۔"خذلھم اللہ تعالیٰ"۔ مزید اگر کوئی دیکھنا چاہے تو "ائمہ تلبیس" کتاب میں ان کے نام لکھے ہوئے ہیں۔جناب ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب نے بہت عمدہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

باادب باش بادشاہی کن ☆ بے ادب باش ہر چہ خواہی کن

چون خدا خواہد کسے رسوا کند ☆ میلش اندر طعنہ پاکان کند

جھوٹے مدّعیان الوہیت، مدّعیان نبوت، مدّعیان مہدویت، وغیرہ زنادقہ کی مختصر فہرست کے بعد معلوم ہوا کہ چند لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اپنے کفریہ عقیدہ کے بعد تائب ہوئے، اور بقیہ زندگی اسلامی اطوار پہ گزار دی، جیسے جلال الدین اکبر، وغیرہ۔ان کے نام فہرست میں شامل نہیں کیے گئے، اور باقی دیگر سارے لوگ زندیق ومرتد رہے، اور دائرۂ اسلام سے خاج ہوئے۔

نبوت کے جھوٹے مدّعی ہوں یا مہدویت کے مخبوط الحواس، مسلوب العقول، مغضوب علیھم، اور راندۂ درگاہ الضالین ہوں گے، کلاب جہنم اور خنزیروں سے بدتر، خبیث ومردود شمار ہوں گے۔جس شخص میں ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ تقویٰ وتزکیہ کے واقعی حقیقی دعویٰ سے اجتناب کر کے خود کو نیکوں میں شمار کرنے سے شرم محسوس کرے گا، چہ جائیکہ نبوت کا

دعویٰ۔ "لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم"۔ اللہ تعالیٰ کا جس پر قہر وغضب ہوگا وہ نعمت ایمان اور دولت عقل سے محروم ہوگا، اور اپنے ہزاروں معاصی وعیوب اور نقائص سے صرف نظر کرکے نبوت ورسالت یا مہدویت کا خواہاں اور جھوٹا مدّعی ہوگا۔ تجربہ اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسے لوگ کتے اور خنزیر کی موت مرے ہیں۔ خذلھم اللہ۔ اللّٰھم أرنا الحقّ حقاً وارزقنا اتباعہ وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ آمین۔

زندقہ اور الحاد کا بیان:

زندیق کی تفسیر میں علماء وفقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ سب سے بہتر تعریف جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ زندیق اس کو کہتے ہیں جو بظاہر اسلام کا مدّعی ہو، لیکن لساناً یا عملاً اصول اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہا ہو، خواہ باطن میں کفر رکھتا ہو یا نہیں۔

یہ مفہوم کلّی ہے، جو متعدد انواع واصناف زندقہ کو شامل ہے۔ زندقہ کی انواع متعدد ہیں، یہ تعریف سب کو شامل ہے، اور یہ فائدہ عموم کے علاوہ ہر قسم کے اعتراضات سے خالی ہے۔ زندقہ کی یہ تعریف زندقہ کی جن متعدد انواع کو شامل ہے، وہ انواع یہ ہیں:

☆ وہ منافق جو داعی إلی النفاق ہو۔ ☆ وہ دہری جو بقاء دہر کا قائل ہو، خواہ وجود خالق کا قائل ہو یا نہ ہو۔ ☆ وہ دہری جو اشیاء میں حلت وحرمت کا قائل نہ ہو۔ ☆ وہ دہری جو وجود باری تعالیٰ کا قائل نہ ہو، اور یا وجود شریک کا قائل ہو، اور حکمت باری کا منکر ہو۔ ☆ وہ ملحد جو احکام شرع کا منکر ہو، اور دین میں تحریف وتبدیلی کا خواہان اور مدّعی ہو۔

ملحد دراصل اس کج رو بدمزاج شخص کا نام ہے جو احکام الٰہی سے منحرف ہو، اور یہ ملحد زندیق کی ایک قسم ہے۔

وہ شخص جو اباحت اشیاء کا قائل ہو، اور تمام محرمات کو حلال جانتا ہو۔

وہ بدمزاج خبیث النفس شخص جو خود کو مرفوع القلم غیر مکلف سمجھتا ہو، اور تمام عبادات اور طاعات سے اپنے آپ کو مستثنٰی قرار دیتا ہو۔ نماز روزہ وغیرہ کے بارے میں یہ کہتا ہو کہ یہ تمام مجھ پر معاف ہیں، جیسے بعض جاہل پیر اور جھوٹے صوفیاء ہوتے ہیں، نعوذ باللہ۔

وہ اہل بدعت واہواء جن کی بدعت موجب کفر ہو، یا ان کے عقائد سے نصوص قطعیہ کا انکار وتکذیب لازم آتا ہو، اور جو اہل بدعت بشریت انبیاء علیہم السلام کے منکر ہوں، یا غیر اللہ کے لئے علم غیب کلّی کے مدّعی ہوں، وہ بھی اس زمرے میں

داخل ہیں۔[قال في الشامي: ج ۳ص ۳۲۶] إن دعوی علم الغیب معارضة لنص القرآن فیکفر بها۔ اور یہی حکم کاہن کا بھی ہے۔[کذافي البزازیة] غالی روافض، وقرامطہ، وزنادقہ، فلاسفہ، جو عالم اجسام کو قدیم مانتے ہیں، اور آسمانوں کے خرق والتیام اور قیامت کے منکر ہیں۔ اسماعیلی فرقہ بھی اسی زمرہ میں داخل ہے، اور یہی فرقہ قرامطہ وباطنیہ کہلاتا ہے، جو قرآنی نصوص کا منکر ہے۔

زندیق وہ ہے جو کہ عقیدۂ ختم نبوت کا منکر ہو۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مہدویت، مسیح موعود، یا نبوت و رسالت خواہ کسی بھی انداز میں، مثالی، ظلّی، بروزی، وغیرہ کا قائل اور مدّعی ہو۔ یہ زندیقوں میں سب سے بڑا خطرناک اور عالم اسلام کا دشمن شمار ہوگا، جس کے کفر میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوگا، اور بالاتفاق مرتد دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوگا۔ فرقۂ قادیانی جو مرزا قادیانی کی امت ہے، یہ بالاتفاق کافر مرتد زندیق اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور جو شخص ان کو کافر نہیں کہتا، یا ان کے کفر کا قائل نہیں، وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور نصوص قطعیہ کے منکرین میں شامل رہے گا، کیونکہ عقیدۂ ختم نبوت ضروریات اسلام میں سے ہے، اور ضروریات اسلام کا منکر بالاتفاق کافر ومرتد شمار ہوگا۔

جو شخص انبیاء علیہم السلام کی سب وشتم یا توہین کرے، یا حضرات شیخین وسیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم پر بہتان والزام تراشی کا مرتکب ہو، وہ زنادقہ کے زمرے میں شامل ہوگا۔

زنادقہ کی فہرست میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو حجیت حدیث کے منکر ہوں، جیسے پرویزی جماعت۔ اس فرقہ کا شمار بھی قادیانیوں کی طرح کبار زنادقہ میں ہوگا، کیونکہ انکار حدیث مستلزم ہے انکار قرآن کریم کو، کیونکہ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں حجیت حدیث پر دال ہیں، اس کے علاوہ احادیث مبارکہ شرح قرآن ہیں، بغیر حدیث کے قرآن کا اصلی مفہوم وصحیح مطالب کو سمجھنا ناممکن ہے۔

زندقہ کی تفسیر ان نام نہاد دانشوروں کو بھی شامل ہے جو تحریف قرآن ونصوص احادیث کے مرتکب ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کی بہت کثرت ہے، وہ اسلام کے مدّعی ہیں، خود کو روشن خیال اور مصلحین کہتے ہیں، جو فی الواقع مفسدین اور ملحدین ہیں، وہ اسلام اور اس کی تعلیمات کو یورپ کے بے غیرت معاشرہ اور مادر پدر آزاد خیالات کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور علماء امت اہل حق طبقہ کو قدامت پسند کہتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ زمانہ حال میں قرآن وحدیث اور احکام اسلام کی جدید نئی توضیح وتشریح کی ضرورت ہے۔ یہ سبق انہیں یورپ کے مستشرقین نے

پڑھایا۔ یہ سارے یورپی تہذیب کے گماشتے اور دلدادہ اور شدید ترین زندیقوں اور ملحدوں میں شمار ہیں۔ اللہ ربّ العزت عالم اسلام کو ان کی شرارتوں اور ہر قسم کے شر و فساد سے حفاظت فرمائے۔ آمین

سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ اور فوائد پنجگانہ اور اسماء حسنیٰ کے ساتھ ربط:

سورۃ الفاتحہ میں اللہ جل شانہ کے پانچ نام مذکور ہیں:

① اللہ ② رب ③ رحمن ④ رحیم ⑤ مالک

اور بندے کی صفات بھی پانچ بیان کی گئی ہیں:

① عبادت ② استعانت ③ طلب ہدایت ④ استقامت ⑤ طلب نعمت و پناہ از غضب۔

ان کے باہمی تعلق کو یوں خیال فرمائیے:

(۱)......عبادت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ (۲)......استعانت کا تعلق ربّ سے ہے۔ (۳)......طلب ہدایت کا تعلق رحمن سے ہے۔ (۴)......طلب استقامت کا تعلق رحیم سے ہے۔ (۵)......طلب نعمت و پناہ از غضب کا تعلق مالک سے ہے۔

انسان سے مناسبت کا بیان:

اس طرح انسان بھی پانچ چیزوں سے مرکب ہے:

(۱) بدن۔ (۲) نفس شیطانی۔ (۳) نفس سبعی۔ (۴) نفس بہیمی۔ (۵) جوہری ملکی (عقل)۔

اس کی مختصر تشریح یہ ہے:

① جوہر ملکی کا اطمینان اسم اللہ کی تجلی سے ہوتا ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد: ۲۸] (یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)۔

② نفس شیطانی کی نرمی و انقیاد اسم ربّ کی تجلی سے حاصل ہوتا ہے ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

③ نفس سبعی کی اصلاح اسم رحمن کی تجلی سے حاصل ہوتی ہے ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾

[الفرقان:۲۶] (اس صحیح معنی میں باشاہی خدائے رحمن کی ہوگی)۔

④ نفس بہیمی کی اصلاح اسم رحیم کی تجلی سے متعلق ہے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ [الأحزاب:۴۳] (اور مؤمنوں پر مہربان ہے)۔

⑤ بدن کی کثافت کا ازالہ اسم مالک کی تجلی سے ملحق ہے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [الغافر:۱۶] (کس کی بادشاہی ہے آج؟ صرف اللہ کی، جو واحد قہار ہے)۔

جب آدمی ان اسماء کی تجلیات سے مہذب و اصلاح یافتہ ہوجاتا ہے، اور اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ (۱) بدن کی اطاعت کے لئے إِيَّاكَ نَعْبُدُ کہتا ہے، (۲) نفس بہیمی کی اصلاح کے لئے (ترک لذات) إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہتا ہے، (۳) نفس سبعی سے خلاصی کی خاطر اِهْدِنَا کہتا ہے، (۴) نفس شیطانی کے دفعیہ کے لئے طلب استقامت کرتا ہے، (۵) جوہر ملکی کی اصلاح کی خاطر ارواح مقدسہ کی مرافقت تلاش کرتا ہے، اور غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہہ کر ارواح خبیثہ سے دوری اور نفرت طلب کرتا ہے۔

الحمد شریف سے پہلے استعاذہ اور تسمیہ بھی اجمالاً انہی فوائد پر مشتمل ہیں۔ جب ان سارے امور پر مشتمل سورۃ الفاتحہ کی تلاوت مکمل ہوکر اختتام پذیر ہوئی تو آخر میں تضرّع و عاجزی کے ساتھ آمین کہنا چاہئے کہ اے پروردگار عالم! میری عاجزی اور مطالب کو پورا فرما، اور میری بیکسی و عاجزانہ دعاء قبول فرما۔ [آمین]

سورۃ الفاتحہ کا ایک نام "سورۃ الدعاء" ہے، اور دعاء کے اختتام پر آمین کہنا مسنون، اور اقرب إلی الاجابۃ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! جب امام وَلَا الضَّالِّينَ پڑھے تو تم آمین کہو، کیونکہ اس پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، پس جس شخص کی آمین فرشتوں کے موافق پڑ جائے گی اس کے تمام (صغیرہ) گناہ معاف ہوجائیں گے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کارات کے وقت ایک شخص پر گزر ہوا، وہ نہایت عاجزی کے ساتھ دعاء کر رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی الحاح وزاری دیکھ کر فرمایا: اس کی دعاء قبول ہوئی، کیونکہ اس نے دعاء پر مہر لگادی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! دعاء پر کس چیز کی مہر لگائی جاتی ہے؟ فرمایا: لفظ "آمین" کی [ابوداوٗد]

تو آمین ہر دعاء کے اختتام پر مسنون ہے، اور یہ کلمہ اتنا بابرکت ہے کہ اس سے دعاء کی قبولیت کا یقین ہوجاتا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین۔ اسی کے ساتھ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر اختتام کو پہنچی۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

احقر سید عبدالستار شاہ

۷ رجب المرجب / ۱۴۳۱ھ